بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معین الطالبین

معہٗ

اورادِ چشتیہ

تالیف و تصنیف

صوفی صدر الدین چشتی صابری قادری
نقشبندی المتخلص حاذق لاہوری

ناشر

صاحبزادہ محمد ضیا
مکان نمبر ۲۷ اقبال سٹریٹ ، سعدی پارک . لاہور

نام کتاب ———— معین الطالبین

تعدادِ اشاعت ———— ایک ہزار

مقامِ اشاعت ———— سعدی پارک لاہور

مطبع ———— ببلیکو پریس لاہور

پہلی بار ———— اکتوبر ۱۹۸۵ء

ہدیہ بلا جلد ———— ۲۵/۰۰ روپے

ہدیہ مجلّد ———— ۳۰/۰۰ روپے

فہرستِ مضامین

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

ناظرین! کتاب ہذا کو یہ بندہ ناچیز اپنے بارے میں اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہے تاکہ میرے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے نہ تو بندہ ناچیز کوئی عالم فاضل ہے اور نہ ہی موروثی پیر ہے پچیس برس کی عمر تک یہ بندہ خود جعلی پیروں اور مجذوبوں کے پیچھے راہِ حق کی تلاش کے لئے پھرتا رہا لیکن سوائے ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ ایک دن حضرت طاہر بندگی صاحبؒ کی مزارِ اقدس کی مسجد میں صبح کی نماز ادا کرکے مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے دل میں اِلقا ہوا کہ تم حضرت قبلہ شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاؤ۔ اُس زمانے میں موٹر بس وغیرہ نہ تھی بلکہ صرف ٹم ٹم ایکہ سواری کے لئے ملتا تھا۔ بندہ سوار ہو کر شرقپور شریف عصر کے وقت پہنچا۔ وہاں عصر کی نماز ادا کی۔ اور حضرت صاحبؒ قبلہ کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ سخت بیمار ہیں اور چارپائی سے اُٹھ نہیں سکتے بندہ ان کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ اور نیچے آستانہ عالیہ کی نشست گاہ میں بیٹھ گیا ابھی بیٹھے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ ہوا ہوگا کہ قبلۂ عالم حضرت شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوپر سیڑھیوں سے گھسٹتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے تشریف لائے تو سانس پھولا ہوا تھا۔ بندہ حضور کو دیکھ کر مؤدب تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ حضور خود بھی تشریف فرما ہوئے اور مجھے بھی اشارے سے بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ مجھ ناچیز کو مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے کیسے آئے ہو۔ تو بندہ نے جواباً عرض کیا کہ آپ کی زیارت اور راہِ حق کی تلاش کے لئے حاضرِ خدمت ہوا ہوں حضور نے تبسم فرمایا اور مجھے کچھ وظائف اور تلاوت کلام پاک کا حکم صادر فرمایا۔ تو بندہ نے بیعت کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ بیعت دلی تعلق کا نام ہے اور تم چشتیہ صابریہ سلسلے سے فیض یاب ہوگے اور ہماری دعا ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہے گی اور اس کے ساتھ ہی خدا حافظ کہہ کر رخصت کر دیا۔ پیرانِ کلیر شریف میں جاکر یہ عاجز حضرت قبلہ عالم صوفی احمد حسن شاہ صاحب گھیروی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور

ان کا فیضِ بیکراں ہمیشہ میرے شاملِ حال رہا۔ بیعت کے چار سال بعد مجھ عاجز کو وہاں کے تمام مشائخ کے رُو برُو خلافت سے سرفراز فرمایا، اور عاجز کو چشتیہ صابریہ چشتیہ قادریہ دونوں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اُنہی کا فیضِ کرم اور بزرگانِ دین کی دُعاؤں کا اثر ہے یہ اِنہی کا صدقہ ہے کہ یہ عاجز کتاب موسومہ "معین الطالبین" ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے ؎

عِلم ہوتا ہے مدرسے سے نہ گھر سے پیدا
عِلم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

طالبِ دُعا
صوفی صدرالدین چشتی صابری۔ قادری نقشبندی
المتخلص حاذق لاہوری

حمد و نعت

قابلِ حمد و ثنا اللہ ہے
اس لئے آغاز بسم اللہ ہے

جس نے دی نبیوں سے زینت خلق کو
جس نے دی ولیوں سے زینت خلق کو

صدقۂ حضرت محمد مصطفٰے
اہلِ ایماں پر کیا احساں بڑا

اے چراغ دو جہاں پیارے رسولؐ
اے حبیبِ مالکِ بابِ قبول

سیدِ ذی شان تخلیقِ جہاں
واقفِ پُر پیچ راہِ لامکاں

مالکِ کون و مکاں مختارِ کُل
اطہر و اُمّی لقب ختمُ الرُّسلؐ

خلق سب وقفِ گدائی ہے تیری
حق تعالیٰ تک رسائی ہے تیری

اے شفیعؐ عاصیاں پیارے نبی
منبعِ فیضِ شفاعت کے دھنی

گمرا ہوں کے ناصحا امداد کُن
یا محمدؐ مصطفٰے امداد کُن

عاصیوں کی آپؐ سے فریاد ہے
آج اُمت طالبِ امداد ہے

آیئے حلّالِ مشکل آیئے
خستہ حالوں کی مدد فرمایئے

السلام اے دلبرِ ربِ ودود
السلام اے لائقِ بے حد درود

آل اور اصحاب پر بے حد سلام
جن کو بخشا ہے خُدا نے احترام

رحم کر صدیق اکبرؓ پر رحیم
اور عمر فاروقؓ پر لطفِ نعیم

حضرت عثمانِ غنیؓ پر اے خُدا
لُطف کر اے مالکِ ہر دوسرا

جن کو کہتے ہیں علیؓ مشکل کشا
شیرِ مولا منبعِ جود و سخا

فاطمہ زہراؓ خدیجہؓ عائشہؓ
اور حسنینؓ و شہیدانِ کربلا

اور سعیدؓ و سعدؓ و طلحہؓ پر کرم
عبدالرحمٰنؓ و زبیرؓ باحشم

ابو عبیدہؓ ابن جراح متین
اور دس اصحاب جو ہیں صالحین

اور سب اصحاب پہ اے ذُوالجلال
بے مثالی لُطف کر اے بے مثال

یاالٰہی صدقۂ خیرالبشرؐ   رحم کر حاذقؔ حزیں پہ رحم کر

اور میرے ماں باپ کو بھی اُے کریم   بخش اپنے لطف سے خُلدِ نعیم

مہرباں گودی میں پالا ہے مجھے   ڈولتے گرتے سنبھالا ہے مجھے

مجھ سے کب ان کا ادا حق ہو سکا   میں صدا غرقِ ندامت ہی رہا

صاحبِ ایمان جو ہیں مرد و زن   رحم کر یاربّ طفیلِ پنجتن

سب حیات و موت کی مخلوق پہ   لُطف کر یارب پئے خیرُالبشرؐ

تجھ کو کہتے ہیں سمیعِ ہر دُعا   آئے بَر جو ہے کسی کا مُدعا

رافع الدّرجات کہتے ہیں تجھے   قاضی الحاجات کہتے ہیں تُجھے،

بر سرِ حاذقؔ ہو دامانِ کرم   صدقۂ حسنین شاہ ذوالکرم

رکھ غلامِ خواجگان یاربّ مُدام
ہو زباں پہ ہر زماں پیروں کے نام

ے

دُعا

صَبا زمین سے فلک پر پیام لے کر جا | بہم رکابِ درود و سلام لے کر جا
صَبا بہ درگاہِ عالی پہ التجا کرنا | مکینِ خاک کا عُقدہ فلک پہ وا کرنا
کسی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں بات ہو جائے | کشاکشِ من و تُو سے نجات ہو جائے
غبارِ آئینۂ دل سے دُور ہو جائے | ہر ایک ذرّہ مجھے رشکِ طُور ہو جائے
سوائے تیرے کوئی نقطۂ نظر نہ رہے | وہ بیخودی ہو کہ خود کی مجھے خبر نہ رہے
ہٹے وہ ظلمتِ ہجراں کہ نور بن جائے | سیاہ خانۂ دل رشکِ طُور بن جائے
الٰہی حلقۂ ملّت سے باخبر کر دے | دلوں کی کشتِ محبّت کو بارور کر دے
مجھے تبسّمِ دُنیا پہ اشکباری ہو | وہ کیف ہو کہ انا الحق زبان پہ جاری ہو
رگوں میں خون کو صد رشکِ مشکبو کر دے | دلِ شکستہ کو وقفِ آرزو کر دے
لقب ہو خلق میں میرا گدائے میخانہ | پلا دے اپنی محبت کا مجھ کو پیمانہ

نہال حاذقِ خستہ کو کبریا کر دے
یہ مدعا ہے کہ ہر مُوئے تن دُعا کر دے

تمہید

ناظرین حضرات کو واضح ہو کہ پیشتر تصنیف ہذا کے کمترین نے مثنوی سرمایہ تصوف، دیوانِ حاذق، اسرارِ ہستی وغیرہ کئی کتب تصنیف کیں جن میں سے کچھ تو شائع ہو چکی ہیں اور باقی زیرِ طبع ہیں۔ کئی کتابوں کا ذکرِ تصنیف بندۂ ناچیز نے فخر کے طور نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے " وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ " پس یہ ذکر بطور شکر اللہ تعالیٰ کے ہے ؎

دل کا دریا نُطق کی وادی میں بہہ سکتا نہیں آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں

معرفت الٰہی دلیل و برہان کے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ حدیثِ عشق حروف کے پیمانے میں سما نہیں سکتی۔ مرتبۂ عشق میں عقل اور عاقل کا دخل کہاں۔ بیہودہ عقل کی دُور اندیشی کے باعث ایک گروہ فلسفی ہو گیا۔ اور دوسرا حلولی۔ لیکن توحیدِ حقیقی جس میں کوئی غیریت نہیں سوائے کشف کے میسّر نہیں ہو سکتی۔ عقل کو مکشوفات سے وہی نسبت ہے جو حواس کو معقولات سے۔ پس وہ آنکھ جو حق کا ادراک کر سکے۔ دیدۂ دل ہے۔ جسے بصیرت کہتے ہیں۔ اور جو ریاضت، سلوک، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تخلیہ روح کے موتیوں کے سُرمے سے مُنور ہو سکتی ہے۔ اور جس سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا جمال شہودی طریقہ پر نظر آتا ہے۔ مگر یہ بات سوائے مرشدِ کامل اور حق بین کی ہدایت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے روزمرہ دیکھے ہوئے کاموں کو ہم بغیر استاد کے نہیں کر سکتے تو بھلا ان دیکھی راہ بغیر مرشد کامل کے کیسے دیکھی جا سکتی ہے۔ اور جو لوگ بغیر رہبر کے اس راہ پر چلتے ہیں تو ان پر نفس و شیطان غلبہ پا لیتا ہے۔

" مَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ یَتَّخِذُہُ الشَّیْطَان "

المتخلص حاذق

ہیچمدان صوفی صدر الدین چشتی صابری قدوسی، لاہوری

دیباچہ

اسلام خُدا کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل اکمل اور جامع ترین پیامِ رحمت ہے۔ انسان کی ذہنی، عقلی، اخلاقی و معاشرتی جسمانی وروحانی، انفرادی اجتماعی اور تمام ضرورتوں کا کفیل نیز ہر شعبۂ حیات میں ترقیوں کا ضامن ہے۔ خدارسی و خُدا شناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصد ہے۔ قرآن اور صاحبِ قرآنؐ نے دینی دُنیاوی احکام اس جامعیت کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ان میں کسی قسم کے تغیرّ وترمیم و تخفیف و اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔

مسلمانوں میں ابتداہی سے ایک گروہ ایسا موجود رہا ہے جس نے تمام مقاصد دُنیوی سے قطع نظر کر کے اپنا نصب العین یادِ خُدا و ذکرِ الٰہی کو رکھا، اور صدق وصفا۔ سلوک واحسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔ شروع شروع میں یہ گروہ اصحابِ صفہّ اور اسی قسم کے کئی دُوسرے ناموں سے مُلقب رہا اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کا نام مسلک تصوّف پڑ گیا اور یہ گروہ ، "گروہ صُوفیہ" کہلانے لگا۔

اِس گروہ کے متقدمین حضرات پہلے مُسلمان تھے پھر صوفی وہ تصوّف کو اسلام کے مقابل ایک جُداگانہ مسلک کی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اسلام کے ماتحت ہی اس کی پاکیزہ ترین صورت کو کہتے تھے۔ وہ اپنے اسلام کو ہر حالت میں اپنے تصوّف پر مقدم رکھتے تھے اور وہ تصوّف کو محض اس لئے عزیز و محبُوب رکھتے تھے۔ کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی خالص پاکیزہ ترین تعبیر تھی۔

تصوّف کی موجودہ مسخ شدہ صورت یُونانی فلاسفہ۔ ایرانی تخیلات ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجونِ مُرکب ہے جس کے بعض اجزا اسلامی کہے جاسکتے ہیں۔ اسلامی تصوّف وہ تھا جو خود حضُور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ جو حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وحضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تھا، اور جو

حضرت سلمانؓ و حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا تھا جس کی تعلیم حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ و خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دی جس کی ہدایت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری و شیخ عبد القادر جیلانیؒ و شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کرتے رہے اکابر چشتیہ کی ساری زندگیاں صحیح اسلامی تصوّف کا نمونہ تھیں۔

ایک غیر صوفی کے دل میں سب سے پہلا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تصوّف ہے کیا شئے۔ کیا خود اسلام نے صوفیہ کو کوئی مرتبہ دیا ہے تو اس کے جواب میں خُداوند تعالےٰ نے قرآن حمید (سورہ آلِ عمران کی آیت ۹۸) "شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ" فرما کر خود ہی ثبوت مہیّا کر دیا ہے۔ یعنی تمام مومنین سے بلند و برتر مرتبہ ان کا رکھا ہے جو اولوالعلم اور قائم بالقسط ہیں۔ اور ملائکہ کے بعد انہیں کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی توحید پر خود اپنی اور اپنے ملائکہ کے بعد انہیں کی شہادت پیش کی ہے اور حضور سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی علما کو جانشین انبیاء ارشاد فرمایا۔ یہ سب القاب ان لوگوں کے حق میں وارد ہیں۔ جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا سر رشتہ مضبوطی سے تھامنے والے اور اصحابہؓ و تابعینؒ کے نقش قدم پر چلنے والے اور تبع تابعین اور اولیاء کرام کی راہ اختیار کرنے والے ہیں۔

منکرین تصوّف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن و حدیث میں نہ کہیں صوفیہ کا ذکر آیا ہے نہ تصوّف کا۔ اس لئے اس مسلک کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ تو ان کے جواب کے لئے قرآن مجید میں بکثرت ایسے الفاظ و عبارات موجود ہیں۔ جن سے مراد اہل تصوّف ہی ہیں۔ مثلاً صادقین۔ قانتین۔ خاشعین مخلصین۔ عابدین۔ صابرین۔ راسخین متوکلین۔ مُقربین۔ اولیاء و ابرار اور اسی طرح متعدد احادیث میں بھی اس طائفہ عالیہ کی طرف اشارات ہیں۔ بعض منکرینِ تصوّف کا یہ کہنا کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کردہ اور متاخرین کی اختراع ہے۔ اگر بنظرِ تحقیق سے دیکھا جائے تو ان کا یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ لفظ "صوفی" حضرت خواجہ امام حسن بصریؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے زمانہ میں بھی رائج تھا۔ درانحالیکہ اُن کا زمانہ بعض صحابیوں کی معاصرت کا زمانہ تھا۔ پہلے ان ہی حضرات کے اقوال میں لفظ صُوفی استعمال ہُوا۔

لفظِ "تصوف و صوفی" کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

مسائلِ تصوف تمام تر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مکمل اطاعت سے حل ہو سکتے ہیں۔ اور صوفی کہلانے کا حق ان محققین و اربابِ فہم کو پہنچتا ہے جو ظاہر و باطن ہر طرح کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلعم پر کچھ عرصہ تک عمل کرتے رہتے ہیں تو خداوند تعالےٰ انہیں وہ علم بھی عطا کر دیتے ہیں جو پیشتر انہیں حاصل نہ تھا۔ اور یہ علم انہیں کے ساتھ مخصوص رہتا ہے۔ اور ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کرتا ہے، اور کثرت معاصی و شہوات، حبِ جاہ حرص و طمع اور خود پسندی وغیرہ سے جو زنگ الواحِ قلب پر لگا ہوتا ہے۔ وہ دھل جاتا ہے۔ اس وقت اسرارِ غیب ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ ان کی زبانیں حقائق کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں صوفی بننا چاہتے ہو تو صدق و صفا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مانند ہو جاؤ۔ حضرت صدیق رض وہ بزرگ ہستی تھے جنہوں نے اپنا سارا مال و اسباب لا کر حضرت رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا اور جب آپ نے دریافت فرمایا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا، تو حضرت صدیق اکبر رض نے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ برجستہ جواب دیا کہ خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور یہ سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا۔ حضرت صدیق اکبر رض کی سب سے بڑی خصوصیات الہام اور فراست تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر رض فاروق کی نمایاں خصوصیات ترکِ شہوات۔ اجتناب شبہات اور تمسک بالحق تھیں۔ حضرت عثمان رض کی اہم خصوصیات تمکین و ثبات و استقامت تھیں اور جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جو اکثر سلاسل تصوف کے شیخ المشائخ ہیں آپ علمِ لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے یہ وہی علم لدنی تھا جو خواجہ خضر علیہ السلام کو حاصل تھا۔ جس کی طلب کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کا خدائی حکم ہوا تھا۔ اور جس کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبر سے کہہ دیا تھا کہ آپ صبر کے ساتھ میری رفاقت نہ کر سکیں گے۔

جناب امیر المومنین رض مراتب توحید اسرار معرفت ایمان و علم میں کامل ترین ہستی

تھے ان اصحابہ اربعہؓ کے آثارِ قدم صوفیا کے لئے دلیلِ راہ ہیں۔

خلفائے اربعہؓ کے بعد قدرۃً اصحابِ صفّہ کا ذکر آتا ہے جن کی زندگی کا ایک ایک جزو بھی طالبانِ راہِ طریقت کے لئے درسِ ہدایت رکھتا ہے یہ وہ مُقدّس گروہ تھا جو معاشِ دُنیوی سے قطعاً بےپروا ہو کر شب و روز شمعِ نبوّت کے گرد پروانہ وار نثار ہُوا کرتا تھا۔ اور جن کی زندگی تمام تر فقر و فاقہ۔ توکل۔ صبر اور عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی۔ ان مُقدّس نفوس کے اقوال و آثار طالبانِ راہِ طریقت کے لئے شمعِ ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آنحضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت و تربیت یافتہ نیک و پاکباز ہستیوں کے لئے سب سے زیادہ معزّز و افضل لقب صحابی کا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اسی لقبِ صحابی سے وہ موسُوم ہوتے اس کے بعد جب دُوسری نسل پیدا ہوئی تو ان کے لئے تابعین کی اصطلاح وضع ہوئی اور ان کے صحبت سے فیض یافتہ تبع تابعین کے نام سے پُکارے گئے۔ اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور متضاد لوگ پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں نے اُمورِ دین اور شریعتِ حقّہ کی پُوری پُوری پابندی کی زہاد و عباد کے لقب سے مُشرّف ہوتے۔ لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہُوا۔ اور الگ الگ فرقے ہو گئے۔ تو ہر فرقہ اس کا مُدعی بن بیٹھا کہ وُہی سیدھی راہ پر ہے اور نجات کا حقدار بھی وہی ہے۔ اس پُرآشوب وقت میں اہل سنت و الجماعت کے طبقۂ خاص نے جو ذکرِ الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دُور رہتا تھا۔ اپنے لئے "اہلِ تصوّف" کی اصطلاح رائج کی اور پھر یہ لقب اس طبقۂ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص ہو گیا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کتاب اللہ و سُنّت رسُول اللہ صلعم کے بعد کسی رسمی پیر کے مُرید ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تو ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے "رسمی" تو کسی شئے کی بھی ضرورت نہیں۔ نہ رسمی اسلام کی۔ نہ رسمی اتباع رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نہ رسمی کتاب اللہ کی لیکن حقیقی اسلام حقیقی ایمان۔ حقیقی اطاعت اللہ و اطاعتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بغیر کسی زندہ شخصیت کے کیونکر مُمکن ہے۔ اس زندہ شخصیت کو اصطلاح تصوّف میں پیر۔ مُرشد۔ صاحبِ بیعت و اُستاد کہتے ہیں۔

پس فطری اور ربانی طریقہ تو یہی ہے کہ پہلے پیام بر پھر پیام پہلے طبیب پھر نسخہ پہلے ہادی پھر ہدایت۔ اب اگر ہم اس ترتیب کو الٹ کر دینا چاہیں یعنی ہادی سے بے نیاز ہو کر ہدایت تک اور ہدایت یافتہ شخصیتوں سے قطع نظر کر کے محض خود رائی سے سُنّت جاریہ کے قائم کردہ اصول وسائل تک پہنچ جانا چاہیں تو یہ ترتیب ربانی کے خلاف صریحاً جنگ ہے۔ مرشد صحیح معنوں میں مقلد ہوتا ہے۔ استادِ ازل کے سبق کی تکرار کے علاوہ اس کا اور کوئی کام نہیں۔ کوئی نئی ریاضت کوئی نیا مجاہدہ واختراع کرنا اس کا کام نہیں۔ لیکن جس طرح اجتہاد و استنباط کا دروازہ آئمہ فقہہ و آئمہ حدیث کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اسی طرح رحمتِ عام کا دروازہ صوفی کے لئے بھی کھلا ہوا ہے۔ وہ ایجاد واختراع کی بدعت سے یقیناً بچے گا۔ لیکن جس طرح علما ظاہر اپنے فہم وقیاس اور اجتہاد کو معطل نہیں کر دیتے اسی طرح صوفی بھی اپنے کشف واپنے وجدان ،کو سرے سے معطل نہیں کرے گا۔ وہ نسخہ جب بھی لکھے گا یقیناً وہ شفا خانہ نبوت کے "قرابا دین" سے ہی لکھے گا۔ لیکن مریض کے مزاج وخصوصیات۔ موسم کے حالات۔ آب وہوا کے اثرات وغیرہ کی مناسبت سے اجزائے نسخہ کی ترکیب اس کی اپنی ہو گی۔ یہ اس کی خود رائی نہیں عین تقلید ہے۔ بدعت نہیں۔ عین پیروی سنت ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَنَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰاھِدِیْنَ۔

المتخلص حاذق

ہیچمدان صوفی صدر الدین چشتی صابری قدوسی لاہوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ثنا ذاتِ باری تعالیٰ

تمام حمد و ثنا اس قادرِ مطلق ذوالجلال کو سزاوار ہے جس کی شان میں جنا
سیّد الانبیا باعث لولاک لما فخر الانبیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ
نے بصد عجز و نیاز فرمایا " لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْ
ترجمہ :- یعنی اے مالک جس طرح تو اپنی ثنا کرسکتا ہے مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ
اس طرح بیان کرسکوں اور حضرت مولانا رومؒ رحمۃ اللہ علیہ نے بدیں الفاظ
اور اپنے عجز کا اظہار کیا ؎

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست ۔ شرح آں یارکہ اں را یار نیست
خود ثنا گفتن ز من ترکِ ثنا ست ۔ کیں دلیلِ ہستی و ہستی خطا است

وہ اپنی ذات و صفات میں بے مثل واجب غیر متغیر۔ غیر متجسد۔ لا متناہی غ
کامل و اکمل۔ خیر مطلق۔ ازلی ابدی۔ زمان و مکان کی قیود سے آزاد اور سرچشمہ عل
ہے۔ وہ فرد اور صمد ہے۔ اور نہ ہیکل ہے۔ نہ شُبہ۔ نہ صورت ہے نہ جسم نہ
نہ کیف نہ مرکب ہے نہ حد نہ قد نہ حصر نہ شمار

" لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ "

رُباعی

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد
واں دیدہ کجا در جمالِ تو رسد
آں کیست کہ بے پردہ جمالت بیند
واں روح کجا در خیالِ تو رسد

نعت شریف

بحضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

جب صانعِ ذوالجلال کو ظاہر کرنا، اپنے جمال اور صفت باکمال کا منظور ہوا قبل تخلیق جمیع موجودات کے نور کامل اس روز اپنے حبیبؐ پاک سید لولاک کا پیدا کیا پھر اسی نور فیض گنجور سے زمین و آسمان عرش و کرسی اور تمام مخلوق کو عالم ظہور میں لایا۔ چنانچہ فرمایا نبی کریم علیہ السّلام والصلوٰۃ نے "انا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُّوْرِیْ" پس وجودِ مسعودِ سراپا مقصود حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہرِ اتم باعثِ تخلیق ہیجدہ ہزار عالم ہے۔ اگر صانع مطلق کو آفرینش اس ذات خلاصۂ کائنات کی منظوری نہ ہوتی تو ساری مخلوقات خلعت وجود سے محروم رہتی۔

محمدؐ کے معنی ہیں بہت تعریف کیا گیا ساتھ کثرت محامد کے دنیا و آخرت میں، اور **احمد** کے معنی ہیں بہت تعریف یعنی بڑا حمد کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا ساتھ افضل محامد کے آپ جیسے کہ عالمِ اجسام میں اللہ تعالٰے کے نبی تھے، عالم ارواح میں بھی تھے۔ آپؐ کے نبوتؐ و رسالتؐ کا اشتہار عالم بالا میں اس وقت ہو گیا تھا جب عالم و آدم کا نشان سوائے علم الٰہی کے کہیں نہ تھا۔

حدیث شریف:۔ "کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا، جبکہ حضرت آدم علیہ السّلام درمیان روح اور بدن کے تھے۔

آپؐ سے پیشتر جتنے بھی انبیاء علیہ السّلام گزرے ہیں ان کی نبوت مخصوص ساتھ ایک قوم کے تھی۔ لیکن آپؐ کی رسالتؐ سارے عالموں کے لئے ہے فرمایا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

درودِ نامحدود سید السادات پر جنہیں کل مخلوقات پہ شرف حاصل ہے اور جن کی شان میں خود اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں فرمایا "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" یعنی اے محبوب تم لوگوں سے کہدو کہ اگر تم خدا تعالےٰ کو دوست رکھتے ہو تو پہلے مجھ سے دوستی پیدا کرلو یعنی میری پیروی کرو تو خداوند کریم تمہیں اپنا دوست بنالے گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقش قدم پہ چلنا اور ان کی محبت میں فنا ہونا ہی زندگی دوام ہے۔

حمد ذاتِ باری

جلوہ گر ہر دو جہانوں میں ہے جلوہ تیرا
ذرہ ذرہ بھی ثنا خواں ہے مولا تیرا

ہے قلم بھی تیرا اور لوح کا مالک بھی تو ہی
کون دنیا میں مٹا سکتا ہے لکھا تیرا

غنچوں کو نام تیرا لیکے چٹختے دیکھا
بلبلیں باغ میں گاتی ہیں ترانا تیرا

طوطی وقمری وبلبل پہ نہیں کچھ موقوف
باغِ عالم میں جسے دیکھا وہ ہے شیدا تیرا

یاد کرتے ہیں کلیسائی بھی دیری بھی تجھے
تجھ سے غافل نہیں ہرگز کوئی بندہ تیرا

دیدۂ دل سے ہٹایا جو دوئی کا پردہ
جس طرف دیکھا نظر آیا تماشہ تیرا

جستجو دیدۂ حاذق کو ہے مولا تیری
طالبِ غیر ہو کس واسطے بندہ تیرا

التوحید

خدا کا تصوّر ہمیشہ انسان کی رُوحانی واخلاقی زندگی کا محور رہا ہے۔ جب ہم نوعِ انسان کے تصورات الوہیت کا۔ ان کے مختلف زمانوں میں مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا انسان کے مادی تصوّرات کی طرح اُس کے خُدا پرستانہ تصوّر میں بھی ایک طرح سے تدریجی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ اور بتدریج ادنےٰ سے اعلےٰ اور پستی سے بلندی کی طرف ترقی ہوتی رہی۔ یہ بہت مشکل ہے کہ ہم اس سلسلہ کی سب سے ابتدائی کڑیاں متعین کرسکیں کیونکہ جس قدر ہم ماضی کی طرف بڑھتے ہیں تاریخ کی روشنی دُھندلی پڑتی جاتی ہے۔ تاہم اقوامِ عالم کے مختلف عہد ہمارے سامنے ہیں اور ان سے اِس سلسلہ کی مختلف کڑیاں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں۔ اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی جائیں تو صاف نظر آجائے گا کہ اس سلسلے کی سب سے آخری اور سب سے زیادہ صحیح اور ترقی یافتہ کڑی وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن کی صورت میں بنی نوعِ انسان کے سامنے پیش کی۔

لیکن یاد رہے کہ یہاں خُدا کے تصوّر سے مقصود اس کی صفات کا تصوّر ہے اس کی ذات کا نہیں۔ کیونکہ جو کچھ فی ذاتہٖ وہ ہے وہاں پر عقل و فکر اور تخیلِ انسانی کی رسائی محال ہے ؎

اے بروں از وہم و قال وقیل من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

عقلِ انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرہ میں محدُود ہے، اور جب کبھی وہ کسی ان دیکھی اور غیر محسُوس چیز کا تصور کرے گی، تو ناگزیر ہے کہ تصوّر میں وہی صفات آئیں جنہیں وہ دیکھتی اور سُنتی ہے۔ اس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا، کہ انسانی ذہن نے ہمیشہ خُدا کی ویسی ہی صورت بنائی جیسی صورت خود اس نے اور اس کے ماحول نے پیدا کرلی تھی۔ جُوں جُوں اس کا معیارِ فکر بدلتا گیا۔ وہ اپنے خدا کی شکل وشباہت بھی بدلتا گیا۔ اس کے اپنے آئینۂ تفکّر میں ایک صورت

نظر آتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ اس کے معبود کی صورت ہے۔ حالانکہ اس کے معبود کی صورت نہ تھی، خود اسی کے ذہن و صفات کا عکس تھا۔ فکرِ انسان کی پہلی درماندگی یہی ہے جو اس راہ میں پیش آئی۔ بہرحال انسان کے تمام تصوّرات کی طرح صفاتِ الٰہی کا تصوّر بھی اس کی ذہنی و معنوی ترقّی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی شکل و اسلوب میں دی جیسی کہ فہم و عقل و عمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ نوعِ انسان کے معلم و مربّی تھے۔ لہٰذا معلّم کا فرض ہے کہ متعلّمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے اُس درجہ کا سبق دے۔ پس انبیاء کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کے لئے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلہ ارتقا سے باہر نہ تھا، بلکہ اس کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے۔

اب ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ ظہورِ قرآن کے وقت خدا کے تصوّر کی عام نوعیّت کیا تھی اور قرآن نے جو تصوّر پیش کیا۔ اس کی حیثیت کیا ہے؟

نزولِ قرآن کے وقت چار مذہبی تصوّر فکرِ انسان پر حکمران تھے۔ ہندوستانی مجوسی، یہودی اور مسیحی۔

ہندوستانی:- ہندوستانی تصوّر میں سب سے پہلے اوپنشندوں کا فلسفہ نمایاں ہوتا ہے اور اوپنشندوں کے مطالب کی نوعیت کے بارے میں زمانہ حال کے شارحوں اور نقّادوں کی رائے متفق نہیں ہے۔ تاہم ایک بات بالکل واضح ہے یعنی اوپنشند مسئلہ وحدت الوجود کا سب سے قدیم سرچشمہ ہیں۔ اور اہلِ ہنود کی مشہور کتاب متبرک گیتا بھی اوپنشند ہی کی صدائے بازگشت ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود خدا کی ہستی و صفات کا جو تصوّر پیش کرتا ہے۔ اُس کی نوعیت کچھ بہت ہی پیچیدہ واقع ہوئی ہے ایک ایک طرف تو وہ ہر وجود کو خدا قرار دیتا ہے کیونکہ وجودِ حقیقی کے علاوہ اور کوئی وجود موجود ہی نہیں۔ دوسری طرف خدا کے لئے کوئی محدود اور مقیّد تخیّل بھی قائم نہیں کرتا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ تصوّر اپنی نوعیت میں اس درجہ فلسفیانہ قسم کا تھا۔ جو کسی عہد اور ملک میں بھی عامۃ النّاس کا عقیدہ نہ بن سکا۔ خود ہندوستان میں بھی اس کی حیثیت فلسفہ الٰہیات کے ایک سکول سے زیادہ نہیں رہی۔ بہترین تعبیر جو اس کی

صورتِ حالات کے لئے قرار دی گئی یہ ہے کہ وہ عوام کے لئے اصنام پرستی قرار دے گئی اور خواص کے لئے وحدت الوجود کا اعتقاد تھا۔

بدھ مذہب :- اوپنشدوں کے بعد بدھ مذہب کی تعلیم نمایاں ہوتی ہے اور ظہورِ قرآن کے وقت ہندوستان کا عام مذہب یہی تھا۔ بدھ مذہب کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ مستشرقین کا ایک گروہ اسے اوپنشدوں کی تعلیم ہی کی ایک عملی شکل قرار دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نروان کے عقیدہ پر ہی بدھ مذہب کی اصل اور اساس ہے۔ یعنی جس سرچشمۂ الوہیت سے ہستی انسانی نکلی ہے پھر اسی میں واصل ہوجانا نروان ہے۔ لیکن دوسرا گروہ اس سے انکار کرتا ہے۔ اس گروہ کی رائے میں بدھ مذہب خدا کی ہستی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتا۔ وہ دنیا کا تنہا مذہب ہے جس نے فلسفیانہ عقائد کو مذہب کا جامہ پہنایا۔ وہ صرف پراکرتی یعنی مادہ ازلی کا تصور پیش کرتا ہے۔ جسے طبیعت اور نفس حرکت میں لاتے ہیں "نروان" سے مقصود یہ ہے کہ ہستی کی انانیت فنا ہوجائے اور زندگی کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔

اگر عمیق نظروں سے بدھ مذہب کا مطالعہ کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ مہاتما بدھ دنیا میں درد اور اذیت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ زندگی اس کے لئے سر تا پا عذاب ہے وہ کہتا ہے اور زندگی کی چار بڑی اذیتیں ہیں۔ پیدائش بڑھاپا۔ بیماری اور موت۔ نجات کی راہ "اشٹانگ مارگ" ہے یعنی آٹھ راہوں کا سفر اور ان آٹھ راہوں سے مقصود علم صحیح۔ رحم و شفقت و قربانی و ایثار، ہوا و ہوس سے آزادی اور انانیت فنا کر دینا ہے۔

عملی نقطۂ خیال سے بدھ مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے تعزیر و سزا کی جگہ سرتاسر رحم و ہمدردی پر زور دیا ہے۔ کسی جاندار کو دکھ نہ پہنچاؤ۔ یہ اس کی بنیادی تعلیم ہے۔

مجوسی :- مجوسی یعنی آتش پرستوں کے تصور مذہبی کی بنیاد ثنویت پر ہے۔ یعنی خیر و شر کی دو الگ الگ قوتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ "یزدان" اور "اہرمن"۔ یزدان نور اور نیکی کا خدا ہے۔ اہرمن تاریکی اور بدی کا۔ عبادت کی بنیاد آتش پرستی اور آفتاب پرستی پر رکھی گئی ہے ان کے عقیدہ کے مطابق روشنی یزدانی صفت کی سب سے بڑی مظہر ہے۔ لہٰذا مجوسی

مذہب کے بانی نے خیر و شر کی کشمکش کی گتھی یوں سلجھائی کہ الوہیت کی قوت دو متقابل خداؤں میں تقسیم کر دی۔

یہودی:۔ یہودیوں کا تصور "الوہی" تجسم اور تنزہ کے بین بین تھا، اور صفات الٰہی میں غالب عنصر قہر و غضب کا تھا۔ خدا کا گاہ گاہ متشکل ہو کر نمودار ہونا۔ مخاطبات الالٰہیہ کا بیشتر انسانی صفات و جذبات پر مبنی ہونا۔ قہر و انتقام کی شدت اور ادنیٰ درجہ کا تمثیلی اسلوب بیان تورات کا عام تصور ہے۔

مسیحی:۔ مسیحی تصور رحم و محبت کا پیام تھا۔ اور خدا کے لئے باپ کی سی محبت و شفقت کا تصور پیدا کرنا چاہتا تھا۔ تجسم و تنزہ کے جہاں تک تورات کا تصور پہنچ چکا تھا لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد جب مسیحی عقائد کا رومی اصنام پرستی کے تخیلات سے امتزاج ہوا۔ تو اقانیم ثلاثہ کفارہ اور مریم پرستی کے عقائد پیدا ہو گئے۔ نزول قرآن کے وقت بہ حیثیت مجموعی مسیحی تصور ترحم و محبت کے ساتھ ساتھ کفارہ۔ تجسم اور مریم پرستی کا مخلوط تصور تھا۔

حکمائے یونان:۔ حکمائے یونان ان تصورات کے علاوہ ایک تصور فلاسفہ یونان کا بھی ہے۔ جو اگرچہ مذاہب کے تصورات کی طرح قوموں کا تصور نہ ہو سکا تاہم اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پانچ سو برس قبل از مسیح یونان میں توحید و تنزیہہ کا اعتقاد نشوونما پانے لگا تھا۔ اور ان میں سب سے بڑی مہتم شخصیت سقراط کی تھی۔ سقراط کے تصور الٰہی کا جب سراغ لگاتے ہیں تو ہمیں افلاطون کی مشہور و معروف کتاب جمہوریت میں حسب ذیل مکالمہ ملتا ہے۔

سقراط کہتا ہے کہ ہر حال میں خدا کی ذات و صفات کی ایسی توصیف کرنی چاہیئے جیسے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خدا کی ذات و صفات صالح ہے۔ پس لازمی ہے کہ صفات بھی صالح و حق پر مبنی ہوں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو وجود صالح ہو گا اس سے کوئی بات مُضر صادر نہیں ہوتی۔ اور جو ہستی غیر مُضر ہو گی وہ کبھی شر کی صانع نہیں ہو سکتی۔ اس طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو ذات صالح ہو گی ضروری ہے کہ نافع بھی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا صرف خیر کی علت ہے۔ شر کی علت نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا کی ہستی صالح نافع اور غیر مضر ہے۔ پس چاہیئے کہ خداوند تعالےٰ کو صرف اچھائی کیطرف

نسبت دیں۔ اور برائی کی علت کسی دوسری جگہ ڈھونڈیں۔

حکمائے یونان کے تصوّرِ الٰہی کی سب سے بہتر وہ شبیہ ہے جو افلاطون کے قلم سے نکلی ہے۔ وہ خدا کے تشکل سے انکار کرتا ہے اور صفات رذیّہ و خسیسہ سے بھی خدا کی ہستی کو پاک و منزّہ قرار دیتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی صفات حسنہ کا کوئی اعلیٰ و ارفع تصوّر نہیں رکھتا اور خیر و شر کی گتھی سلجھانے سے یک قلم عاجز ہے۔ اسے مجبوراً یہ اعتقاد پیدا کرنا پڑتا ہے کہ حوادثِ عالم اور افعال انسانی کا غالب حصّہ خدا کے دائرہ تصرف سے باہر ہے کیونکہ دُنیا میں غلبہ شر کو ہے نہ کہ خیر کو اور خُدا جو سرتا سر خیر ہی خیر ہے وہ شر کا صانع ہرگز نہیں ہوسکتا۔

بہرحال چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی خدا پرستانہ زندگی کے تصوّرات مذکورہ بالا حد تک پہنچے تھے کہ قرآن کا نزول ہوا۔ اب غور کرو کہ قرآن کے تصورِ الٰہی کا کیا حال ہے؟ جب ہم ان تمام تصوّرات کے مطالعہ کے بعد قرآن کے تصوّر پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آجاتا ہے کہ تصوّرِ الٰہی کے تمام عناصر میں اس کی جگہ سب سے الگ اور سب سے بلند تر ہے۔ اس سلسلہ کے حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

تجسّم اور تنزیہ کے لحاظ سے قرآن کا تصوّر تنزیہ کی ایسی تکمیل ہے جس کی کوئی مثال اس وقت دُنیا میں موجود نہ تھی۔ قرآن سے پہلے تنزیہہ کا بڑے سے بڑا مرتبہ جس کا انسانی ذہن متحمل ہوسکا تھا) یہ تھا کہ اصنام پرستی کی جگہ ایک ان دیکھے خُدا کی پرستش کی جاوے۔ لیکن جہاں تک صفاتِ الٰہی کا تعلق ہے انسانی اوصاف و جذبات کی مُشابہت اور جسم و ہیئت کے تمثل سے کوئی تصوّر بھی خالی نہ تھا۔ یہودی تصوّر جس نے اصنام پرستی کی کوئی شکل بھی جائز نہیں رکھی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ تشبیہ و تمثل کی آلودگی سے یکسر خالی نہ ہوسکے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا کو صحرے کے بلوطوں میں دیکھنا۔ خُدا کا حضرت یعقوب علیہ السلام سے کُشتی لڑنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خُدا کو پیچھے سے دیکھنا بنی اسرائیل کو اپنی چہیتی بیوی بنا لینا۔ پھر اس کی بدچلنی پر ماتم کرنا ہیکل کی تباہی پر خُدا کا نوحہ کرنا۔ خدا کا جوشِ غضب میں آکر کوئی کام کر بیٹھنا پھر اس پر پچھتانا وغیرہ وغیرہ، تورات کا عام اسلوبِ بیان ہے۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن سے پہلے فکرِ انسانی اس درجہ بلند نہیں ہوا تھا۔

کہ تمثیل کا پردہ اُٹھا کر صفاتِ الٰہی کا جلوہ دیکھ لیتا۔ اس لیئے ہر تصوّر کی بُنیاد تمام تر تمثیل و تشبیہ پر رکھنی پڑتی تھی۔ لہٰذا حضرت مسیحؑ نے جب چاہا کہ رحمتِ الٰہی کا عالم گیر تصوّر پیدا کریں۔ تو وُہ مجبور ہوئے کہ خُدا کے لیئے باپ کی تشبیہ سے کام لیں اسی تشبیہ سے ظاہر پرستوں نے ٹھوکر کھائی اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ پیدا کر لیا۔

لیکن ان تمام تصورات کے بعد جب ہم قُرآن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اچانک فکر و تصوّر کی ایک بالکل نئی دنیا سامنے آگئی یہاں تمثیل و تشبیہ کے تمام پردے بیک دفعہ اُٹھ جاتے ہیں۔ ہر گوشۂ دل میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور تمثیل یا تجسّم کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ تنزیہہ مرتبہ کمال پر پہنچ جاتی ہے کہ جس کی شہادت قرآن مجید خود دیتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (۴۲-۹) یعنی اس ذات مطلق کی مثل کوئی شے نہیں کسی شے سے بھی تم اسے مشابہت نہیں دے سکتے۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔ انسان کی نگاہیں اُسے پا نہیں سکتیں۔ پھر فرمایا

قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۝ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝
وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

اللہ کی ذات یگانہ ہے۔ بے نیاز ہے۔ اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ نہ تو اُس نے کسی کو جَنا ہے نہ وہ کسی سے جَنا گیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر خدا اپنی ذات میں یگانہ ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنی صفات میں بھی یگانہ ہو۔ کیونکہ اس کی یگانگت کی عظمت قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر کوئی دوسری ہستی اس کی صفات میں شریک و سہیم مان لی جائے قرآن سے پہلے توحید کے ایجابی پہلو پر تمام مذاہب نے زور دیا تھا لیکن سلبی پہلو نمایاں نہیں ہو سکا تھا۔ ایجابی پہلو یہ ہے کہ خُدا ایک ہے۔ سلبی یہ ہے کہ اس کی طرح کوئی نہیں۔ اور جب اُس کی طرح کوئی نہیں تو ضروری ہے کہ جو صفتیں اس کے لئے ٹھہرا دی گئی ہیں ان میں کوئی شریک نہ ہو۔ یعنی کوئی ہستی شریک نہ ہو۔

پہلی بات تو، توحید فی الذات سے اور دوسری توحید فی الصفات سے تعبیر کی گئی ہے۔ قرآن سے پہلے فکرِ انسانی کی استعداد اس درجہ بلند نہیں ہوئی تھی۔ کہ توحید فی الصفات کی نزاکتوں اور بندشوں کی متحمل ہو سکتی۔

اس لیئے سابقہ تمام مذاہب نے تمام تر زور توحید فی الذات پر ہی دیا۔ اور

توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں چھوڑ دی گئی۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ باوجودیکہ تمام مذاہب میں قبل از قرآن عقیدہ توحید کی تعلیم موجود تھی۔ لیکن کسی نہ کسی صورت میں شخصیت پرستی، اور اصنام پرستی نمودار ہوتی رہی اور باوجود کوششوں کے بھی رہنمائے مذاہب اس کا دروازہ بند نہ کر سکے۔

اس بارے میں سب سے زیادہ نازک معاملہ معلم و رہنما کی شخصیت کا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی تعلیم عظمت و رفعت حاصل نہیں کر سکتی جب تک معلم کی شخصیت کی شان پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن اب سوچنا اس بات کا ہے کہ معلم کی شخصیت کی عظمت کے حدود کیا ہیں؟ ہمیں اکثر سب سے قدموں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ وہ اس کی ٹھیک ٹھیک حد بندی نہ کر سکے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کبھی ایسی شخصیت کو خدا کا اوتار بنا دیا۔ کبھی ابن اللہ سمجھ لیا۔ کبھی ذات احدیت کا شریک و سہیم ٹھہرایا۔ اور اگر یہ نہیں کیا۔ تو کم از کم اس کی بندگی و نیاز کی سی شان پیدا کر دی۔

یہودیوں نے اسے ابتدائی عہد کی گمراہیوں کے بعد کبھی ایسا نہیں کیا کہ پتھر کے بت بنا کر اس کی پوجا کی ہو۔ لیکن اس بات سے وہ بھی نہ بچ سکے کہ اپنے نبیوں کے مزارات پر ہیکل تعمیر کر کے انہیں عبادت گاہوں کی سی شان و تقدیس دیدیتے تھے۔

گوتم بدھ کی نسبت معلوم ہے کہ اس کی تعلیم میں اصنام پرستی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس کی آخری وصیت یہ تھی کہ کہیں ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی خاک کی پوجا شروع کر دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کر لو کہ نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی لیکن اس کی وصیت پر جیسا عمل کیا گیا۔ وہ دنیا کے سامنے ہے۔ نہ صرف بدھ کے ذریعہ بھی یہی سمجھا گیا کہ بدھ کے مجسموں سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسمے نہیں بنائے گئے تھے جتنے گوتم بدھ کے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح ہمیں معلوم ہے کہ مسیحیت کی تعلیم حقیقی سرتاسر توحید کی تعلیم تھی لیکن ابھی ایسے ظہور پذیر ہوئے پورے سو برس بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ نشو و نما پا چکا تھا۔

لیکن قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا کہ ہر طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ اس نے توحید ہی پر زور نہیں دیا۔ بلکہ شرک کی تمام راہیں بند کر دیں، اور یہی خصوصیت ہے۔

قرآن پاک کا حکم ہے کہ ہر طرح کی عبادات اور نیاز کی مستحق صرف خدا ہی کی ذات ہے پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو۔ توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ دُعا استعانت رکوع و سجود و عجز و نیاز۔ اعتماد۔ توکل اسی طرح اس کی عظمتوں، کبریائی اور کارسازیوں اور بے نیازیوں کا اعتقاد جو تمہارے اندر خُدا کی ہستی کا تصوّر پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لئے ہونا چاہیئے۔ اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لئے پیدا کر لیا تو۔ توحید سے تم نے صریحاً رُو گردانی کی ہے جو صرف خدا کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

تمام قُرآن میں اس کثرت کے ساتھ توحید فی الصفات اور رَدِّ شرک پر زور دیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورت اس سے خالی ہو۔ سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقامِ نبوّت کی حد بندی کا تھا۔ یعنی معلّم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ میں محدود کر دینا۔ تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لئے سدّباب ہو جائے۔ اس بارے میں قرآن پاک نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جابجا پیغمبر اسلامؐ کی عبدیت اور بندگی پر زور دیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا جو بنیادی کلمہ قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ یعنی میں اقرار کرتا ہوں کہ خُدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلامؐ کی عبدیت اور درجہ رسالتؐ کا اعتراف ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے صرف اس لئے کہ پیغمبر اسلامؐ کی عبدیت اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل و اساس بن جائے۔ اور اس کا کوئی موقع باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اس معاملہ کا تحفظ اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خُدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلامؐ کی بندگی و رسالت کا اقرار نہ کرے۔

اسلام ایک سیدھا سادھا مذہب اسی لئے ہے کہ قرآن نے تصوّر الٰہی کی بنیاد نوعِ انسانی کے عالمگیر وجدانی احساس پر رکھی ہے یہ نہیں کیا کہ اُسے نظر و فکر کی کاوشوں کا ایک ایسا معمّہ بنا دیا ہو۔ جسے کسی خاص گروہ اور طبقہ کا ذہن ہی حاصل کر سکے۔ انسان کا عالمگیر وجدانی احساس

کیا ہے ؟ اس کا صحیح اور درست جواب یہ ہے کہ کائنات ہستی خود بخود پیدا نہیں ہو گئی بلکہ پیدا کی گئی ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ ایک صانع ہستی موجود ہو۔ پس قرآن مجید بھی اس کے بارے میں جو کچھ بتلاتا ہے ۔ صرف اتنا ہی ہے ۔ وہ نہ تو توحید وجودی کا ذکر کرتا ہے نہ توحید شہودی کا ۔ وہ اپنے سادہ الفاظ میں صرف ایک خالق کائنات کی ہستی کا ذکر کرتا ہے جو خوبی و کمال کی تمام صفتوں سے متصف اور نقص زوال کی تمام باتوں سے منزہ ہے اور اس سے زیادہ فکر انسانی پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا ۔

پروردگارِ عالم

ہر انسان کو وجدانی طور پر یہ یقین حاصل ہے ۔ کہ ایک پروردگارِ عالم کی ہستی موجود ہے ۔ کیا انسان کا یہ وجدان یہ باور کر سکتا ہے کہ پروردگاری موجود ہو مگر پروردگار موجود نہ ہو ۔ کارسازی موجود ہو ۔ مگر کوئی کارساز موجود نہ ہو ۔ رحمت موجود ہو ۔ مگر کوئی رحیم موجود نہ ہو ۔ حکمت موجود ہو ۔ مگر کوئی حکیم موجود نہ ہو ۔ عمل بغیر کسی عامل کے نظم بغیر کسی ناظم کے یہ قیام بغیر کسی قیوم کے ۔ عمارت بغیر کسی معمار کے نقش بغیر کسی نقاش کے ۔ یہ سب کچھ بغیر کسی موجد کے نہیں ہو سکتا ہے ۔

اور ہر راسخ العقیدہ مسلمان کا اس بات پر ایمان کامل ہے کہ وہ ربّ العالمین ہے اور اس کی ربوبیت کے فیضان کا یہ حال ہے کہ ہر ذرہ کے لئے سیرابی ۔ اور ہر چیونٹی کے لئے کارسازی رکھتی ہے تو یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی روحانی سعادت کے لئے اس کے پاس کوئی سرچشمہ نہ ہو ۔ تم دیکھتے ہو کہ جب زمین شادابی سے محروم ہو کر مردہ ہو جاتی ہے تو بارانِ رحمت نمودار ہوتی ہے ۔ اور زندگی کی برکتوں سے زمین کا ایک ایک ذرہ مالا مال ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح جب عالم انسانیت ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جاتی ہے تو اس وقت " وحی " کی صورت میں بارانِ رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو پیام زندگی پہنچا دیتی ہے تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو گئی ۔ پھر اس بات پر کیوں حیرت کا اظہار کرتے ہو کہ " وحی " الٰہی ظاہر ہوئی اور مردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی ۔

جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ تمام فیضان شب و روز دیکھ رہے ہو۔
کیا ممکن ہے کہ تمہاری جسمانی پرورش کے لئے تو یہ سب کچھ کرے۔ لیکن تمہاری روحانی پرورش
ہدایت کے لئے وہ کچھ نہ کرے۔ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ تو پھر کیا وہ
تمہاری روح کی موت کو زندگی سے بدل دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اگر تمہیں اس قادر و قیوم
کی گونا گوں نیرنگیوں اور کرشمہ سازیوں پر تعجب ہوتا ہے۔ تو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم نے
خداوند تعالےٰ کو اس کی صفتوں میں اس طرح نہیں دیکھا جس طرح دیکھنا چاہیئے۔ تمہاری سمجھ میں
یہ بات تو آجاتی ہے کہ وہ ایک چیونٹی کے لئے یہ پورا کارخانہ حیات سرگرم رکھے۔ مگر یہ بات
میں نہیں آتی کہ نوع انسانی کے لئے سلسلہ "وحی" و تنزیل قائم ہو۔ اس طرح وہ ربوبیت
معاد اور آخرت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جو چیز جتنی زیادہ نگرانی و اہتمام سے بنائی جاتی
اتنی ہی زیادہ قیمتی استعمال اور اہم مقصد بھی رکھتی ہے اور بہتر صناع وہی ہے جو اپنی صنعت
کا بہتر استعمال اور مقصد رکھتا ہو۔ پس انسان جو کرۂ ارض کی بہترین مخلوق ہے اور اس
تمام سلسلۂ خلقت کا خلاصہ ہے کیونکر ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے
گیا ہو۔ اور کوئی بہتر استعمال اور بلند تر مقصد نہ رکھتا ہو۔ اور پھر اگر خالق کائنات
رب العالمین ہے اور کامل درجہ ربوبیت رکھتا ہے۔ تو کیونکر باور کیا جاسکتا ہے۔ کہ اس
نے اپنے ایک بہترین "مربوب" یعنی پروردہ ہستی کو محض اس لئے بنایا ہو کہ مہمل اور بے
چھوڑ دے؟

چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں خود ہی فرماتا ہے:۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ
الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے
ہم نے تمہیں بغیر کسی مقصد و نتیجہ کے پیدا کیا۔ اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں۔ اللہ
تبارک و تعالےٰ جو اس کائنات ہستی کا حقیقی حکمران ہے اس سے بہت بلند ہے کہ ایک
اور عبث فعل کرے کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر وہ جو عرش بزرگ کا مالک ہے۔

چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اس کے بندوں
صرف معبود نہ ہو۔ بلکہ محبوب بھی ہو۔ قرآن شریف میں سورت (۳: ۲۹) میں حکم آیا ہے
اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو۔ اگر واقعہ ہی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو۔ تو چاہیئے

میری پیروی کرو میں تمہیں محبت الٰہی کی راہ دکھا رہا ہوں۔ لہٰذا تم مجھ سے محبت کروگے اور دین حق میں میری پوری پوری اطاعت کروگے تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

قرآن کہتا ہے کہ خدا کی محبت کی راہ اس کے محبوب بندوں کی محبت میں ہو کر گذری ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے اُسے چاہیئے کہ خدا کے محبوب بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اسلام کی جو حقیقت ہمیں بتلائی ہے۔ وہ تمام تر یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ کی موحدانہ پرستش اور اس کے بندوں پر شفقت ورحمت۔ ایک مشہور حدیث میں ارشاد مبارک ہے کہ

"انما یرحم اللہ من عبادہ الرحمان" خدا کی رحمت اُن ہی بندوں کے لئے ہے جو اس کے بندوں کے لئے رحمت رکھتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السما" یعنی زمین پر رحم کرو تاکہ وہ جو آسمان پہ ہے تم پر رحم کرے۔

قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبہ پہ رکھی ہے۔ کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور "وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" جیسے خطابات سے معزز ومشرف فرمایا۔ انسانیت کا جوہر انسانیت جو اسے حیوانات کی سطح سے بلند وممتاز کرتا ہے۔ اس لئے ہے کہ وہ صفات الٰہی کا پرتو ہے۔ اور انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفاتِ الٰہی سے تخلق وتشبہ پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ اس نے جہاں کہیں بھی انسان کی مخصوص صفات کا ذکر کیا ہے۔ انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے۔ حتیٰ کہ روح انسانیت کو خدا کی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا ہے۔ پس اگر کلام الٰہی خدا کی رحمت کا ہم میں تصور پیدا کرنا چاہتا ہے تو محض اس لئے ہے کہ ہم بھی سر تاپا رحمت ومحبت ہو جائیں۔ کلام الٰہی بار بار ہمیں پکار پکار کہتا ہے کہ خدا کی بخشش ودرگذر کی کوئی انتہا نہیں۔ اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کے لئے بخشش ودرگذر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جائے۔ اگر ہم بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی خطاؤں کے لئے اس کی بخشائیشوں کا اپنے آپ کو مستحق سمجھیں۔

وُجدان

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ ترجمہ :- میں ہر طرف سے کٹ کر اپنے پروردگار کی طرف رُخ کرتا ہوں وہی میری ہدایت کرے گا۔ خیال رہے کہ ہدایت کے بھی مختلف مراتب ہیں ۔ جو ہم سب حیوانات میں محسوس کرتے ہیں۔

سب سے پہلا مرتبہ "وجدان" کی ہدایت کا ہے۔ وجدانی طبیعت حیوانی کا فطری اور اندرونی الہام ہے ۔ سب جانتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کے لئے رونے لگتا ہے اور بغیر اس کے کہ خارجی طور پر اس کی کوئی مدد یا راہنمائی کرے ماں کی چھاتی منہ میں لے کر چوستا ہے۔ اور اپنی غذا حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وجدان کے بعد "حواس" کی ہدایت کا مرتبہ ہے اور یہ ہمیں دیکھنے سننے ۔ چکھنے ۔ چھونے اور سونگھنے کی قوتیں بخشتا ہے اور انہی حواس خمسہ کے ذریعے ہم خارج کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ہدایت فطرت کے دونوں مرتبے انسان اور حیوان میں مشترک ہیں۔ لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اِس میں ایک تیسرا درجہ ہدایت بھی موجود ہے اور "عقل" ہے۔ عقل کی ہدایت ہے جس نے انسان کے آگے غیر محدود ترقیات کے دروازے کھول دیئے ہیں ۔ اور اس نے کائناتِ ارضی میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق کی حیثیت حاصل کر لی ہے ۔

وجدان کی ہدایت اس میں سعی وطلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے ۔ حواس اس کے لئے معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور عقل نتائج واحکام مرتب کرتی ہے ۔ حیوانات کو آخری مرتبہ کی ضرورت نہ تھی ۔ اسی لئے اُن کا قدم وجدان کے بعد حواس کی ہدایت نمودار ہوئی کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ اور جس طرح حواس کے بعد عقل کی ہدایت نمودار ہوئی ۔ کیونکہ حواس کی ہدایت بھی فطرت کی مقررہ حد سے ذرہ بھر تجاوز نہیں کر سکتی ۔ ٹھیک اسی طرح ہمیں بھی یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ عقل کی ہدایت کے بعد بھی ہدایت کا کوئی مزید مرتبہ اور مرکز ضرور ہے ۔ قرآن کہتا ہے کہ اعمال وانضباط کی درستگی کے لئے ہدایت کا ان سب مراتب سے بڑھ کر بھی ایک مرتبہ ہے جسے وہ وحی ونبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے ۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے حبیبؐ ان سے کہدو یقیناً اللہ کی ہدایت ہی انسان کے لئے صحیح ہدایت ہے۔ اور ہم سب کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ تمام کائنات پروردگار عالم کے حضور سر عبودیت جھکا دے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۥ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ ۝ ترجمہ:۔ ہر طرح کی حمد و ستائش صرف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام خلقت کائنات کا پروردگار ہے اور جو رحمٰن اور رحیم بھی ہے۔ اس لئے اس کی رحمت تمام کائنات ہستی کو اپنی بخششوں سے مالامال کر رہی ہے اور وہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں صرف تو ہی ہے جس سے زندگی اور آخرت کی ساری احتیاجوں میں مدد مانگتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس کی بندگی کی جائے اور طاقت بخشش کا کوئی سہارا نہیں جس سے مدد مانگی جائے۔ خدایا ہم پر فلاح و سعادت کی سیدھی راہ کھول دے۔ وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہے۔ جن پہ تیرا انعام و اکرام ہوا۔ ان کی راہ نہیں۔ جو تیرے حضور مغضوب ہوئے۔ اور نہ ان گم گشتہ راہ لوگوں کا جو منزل سے بھٹک گئے۔

ذیل میں ایک مشہور و معروف حدیث قدسی جو صحیح مسلم میں حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

ترجمہ حدیث شریف:۔ اے میرے بندو اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس و تمام جن اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو یاد رکھو کہ اس سے میری خداوندی میں کچھ اضافہ نہ ہوتا اور فرمایا کہ اے میرے بندو اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے ہیں، اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام جن و انس اس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے۔ جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے۔ تو اس سے میری خداوندی میں کچھ نقصان نہ ہوتا اور فرمایا کہ اے میرے بندو وہ جو سب سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور جو بعد میں پیدا ہوں گے۔

ایک مقام پر سب جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے اور میں ہر ایک کو اس کی منہ مانگی مراد بخش دیتا تو میری رحمت و بخشش کے خزانہ میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی جتنی کہ سوئی کے ناکے جتنا پانی سمندر سے نکل جانے سے سمندر میں کمی ہو سکتی ہے۔ اے میرے بندو یاد رکھو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لئے انضباط اور نگرانی میں رکھتا ہوں پھر انہیں کے نتائج بغیر کسی کمی و بیشی کے تمہیں واپس کر دیتا ہوں۔ پس جو تم میں سے اچھائی پاتے۔ اس کو چاہیئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے۔ اور جس کسی کو برائی پیش آتے تو اُسے چاہیئے کہ وہ خود اپنے وجود کے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔

ترجمہ:- اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لئے فنا و زوال نہیں ہے۔ القیوم ہے یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے ۔ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے لئے نہ تو اونگھ ہے اور نہ نیند۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اسی کا ہے اور اُسی کے حکم سے ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے۔ جو کچھ انسان کے سامنے ہے ۔ اُسے بھی جانتا ہے، اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ انسان اس کے علم میں سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ سوا اس کے کہ جتنی بات کا وہ علم اُسے دینا چاہے اور دیدے اس کا تختِ حکومت آسمان اور زمین کی تمام وسعت پر چھایا ہوا ہے۔ اور اس کی نگرانی و حفاظت کے لئے اُسے کوئی تھکاوٹ نہیں۔ اُس کی ذات بہت ہی بڑی بلند تر ہے۔

يا صاحب الجمال و يا سيّد البشر

مِن وجهك المنير لقد نوّر القمر

لا يمكن الثّناء كما كان حقّه

بعد از خدا بزرگ توئی قصّه مختصر

رسالت
نبوّت کی حقیقت

نبوت کا مسئلہ ایک بہت ہی پیچیدہ اور مشکل مسئلہ ہے۔ اور یہ آسانی سے نہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق واضح ترین کلام الٰہی کی وہ آیتہ مبارک ہے جو سورۂ شوریٰ میں یوں مندرج ہے۔ اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالمشافہ بات کرے۔ مگر ہاں بشکل الہام یا پسِ پردہ یا بذریعہ فرشتہ جو اللہ کی مرضی سے اس کا پیغام اپنے خاص بندہ کو پہنچا دے اور اللہ بلند مرتبہ والا اور صاحبِ عقل و حکمت ہے۔

اس آیت میں خدا اور انسان کے درمیان مکالمت کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:۔

۱۔ جو بات خدا کی طرف سے انبیا کے دلوں میں بذریعہ الہام یا القا کے نازل ہوتی ہے اسے وحی کہتے ہیں۔

۲۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پسِ پردہ کوئی بول رہا ہے۔ آواز سنائی دیتی ہے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا۔ اسے شرفِ ہم کلامی کہتے ہیں۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ اپنے کسی خاص مقرب فرشتہ کو اپنے کسی خاص بندے کے پاس بھیجتا ہے۔ جس کو وہ اپنے ارادوں اور بعض علومِ غیبی سے خبردار کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ آخری صورت الہام یا وحی کی صاف ترین شکل ہے۔ اور قرآن مجید تمام تر اسی آخری وحی کی صورت میں نازل کیا گیا۔ یہ آخر الذکر صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے۔ باقی دو صورتیں خدا کے نیک بندوں کے لئے بھی جائز ہیں۔ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کا دل و جان سے اتباع پوری طرح کیا۔

دنیا نے بڑے بڑے انسان پیدا کئے۔ اور ان سب سے بالاتر وہ وجودِ مسعود تھے جنہیں قرآن حکیم نے انبیاء و رسل کے معزز خطاب سے پکارا ہے۔ ان میں حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسحاقؑ و حضرت یعقوبؑ و حضرت یوسفؑ و حضرت یونسؑ حضرت شعیبؑ و حضرت لوطؑ، حضرت موسےٰؑ۔ حضرت عیسےٰ علیہم السلام کا ذکر قرآن مجید میں

بکثرت اور بالتفصیل آیا ہے۔ انہیں میں لقمان وسقراط و رام چندر۔ کرشن مہاراج اور مہاتما بدھ کو شامل کر لیجئے۔ جن میں سے اکثر کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے اپنے وقتوں میں اپنی اپنی قوم اور ملک کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور ان کی زندگیوں کا جو ریکارڈ خود ان کے پیروؤں کی زبانی سے اور انہی کی مقدس کتابوں اور صحیفوں کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس کو اگر سامنے رکھ لیا جائے اور پھر اس کا مقابلہ حضور ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک اور بے عیب زندگی سے کیا جاوے تو صاف نظر آ جائے گا، کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے باقی تمام زندگیاں حضورؐ کے مقابلے میں نامکمل اور ادھوری ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی ہے کہ رسول ہمیشہ آدمیوں میں سے ایک آدمی ہوتا ہے۔ جس کی طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ تو اب ہمارے لئے یہ چیز غور طلب باقی رہ گئی ہے کہ خواجہ ہر دوسرا حبیب کبریا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام انبیائے کرام علیہ السلام کی مقدس صف میں کیا ہے۔ تو اس کا صحیح اور مفصل جواب یہ ہے انبیائے کرام برگزیدہ ترخلق ہوئے ہیں۔ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سب میں برگزیدہ ترین خلائق ہیں۔ حضورؐ ایسہ رحمت کے وجود گرامی ہیں اور آپؐ میں تمام اوصاف جمیلہ۔ اخلاق فاضلہ اور محاسن و فضائل انسانی اپنی انتہائی اور کمالی ترین شکل میں جمع ہو گئی ہیں۔ کہ اب آپؐ کا کوئی مثیل پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نوع انسانی کے فرد کامل ہیں۔ جو فلسفہ کی اصطلاح میں ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔

بالفاظ سادہ تر یوں کہنا چاہیئے کہ دنیا میں جس قدر عظیم الشان ہستیاں گزری ہیں اور ان میں سب سے بالاتر گروہ انبیاء کرام کا ہے۔ آپ کی صفات حسنہ اور ان کے شائستہ ترین اعمال جن کی وجہ سے وہ ہستیاں عظیم الشان کہلائیں۔ اگر فرداً فرداً دنیا کے سامنے پیش کی جائیں۔ تو ان کی ہر صفت اور ہر عمل صالح کی مثال اور نمونہ بغایت مکمل و اکمل شکل میں حضورؐ کی سیرت طیبہ میں مل سکتا ہے۔

آج اگر اعمال و اخلاق کا تجزیہ کیا جائے۔ ان کے مدارج و مراتب مقرر کئے جاویں اور پھر ان کے لئے سخت ترین عقلی و فعلی معیار توازن مقرر کئے جا سکیں کہ جن پر پورے اتر کر ان کی بزرگی و خوردی منقبت و مدحت اور نوع انسانی کے لئے انکے مفید و مضر ہونیکا

فیصلہ کیا جا سکے۔ تو بطور چیلنج کے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف دُنیا کے ایک عظیم الشان اور نادرۃ الدہر وجود ہیں کہ جس کا ہر عمل نوع انسانی کے لئے آفتابِ ہدایت ہے۔ اور جن کا ہر اخلاق کامل اور بے عیب ہے۔ دنیا کا تجربہ اور دُنیا کی عقل اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ اور دنیا جس قدر اپنے تجربہ کے اعتبار سے بوڑھی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس کمال کا اعتراف کرتی چلی جا رہی ہے۔ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی اللہ تبارک و تعالیٰ خود تعریف فرماتا ہے " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ " ترجمہ : لاریب تم میں سے ان لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ کی مقدس و بے عیب زندگی ایک نمونہ ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

کوئی زندگی خواہ کس قدر بھی تاریخی ہو۔ جب تک وہ کامل نہ ہو۔ ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی اور کسی زندگی کا۔ کامل اور ہر نقص سے بری ہونا اس وقت ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس زندگی کے تمام اجزا سامنے نہ ہوں۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وصال تک ان کے زمانے کے لوگوں کے سامنے رہا اور پھر وصال کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے۔ آپؐ کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جب وہ اہلِ وطن کی آنکھوں سے اوجھل رہے ہوں۔

پیدائش، شیرخوارگی، بچپن، ہوش و تمیز، جوانی، تجارت، آمد و رفت، شادی، احباب۔ قبل از نبوت۔ قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت۔ امینؐ کے لقب سے ملقب ہونا۔ اپنے دست مبارک سے خانہ کعبہ میں حجر اسود نصب کر کے ایک بہت بڑے تنازعہ کو رفع کرنا۔ رفتہ رفتہ تنہائی پسندی غارِ حرا کی گوشہ نشینی، وحی اسلام کا ظہور، دعوت تبلیغ، شدید مخالفت۔ معراج۔ ہجرت۔ غزوات، صلح حدیبیہ، دعوتِ اسلام کے نامہ و پیام، اسلام کی اشاعت۔ تکمیل دین۔ حجۃ الوداع، وصال۔ ان میں سے کونسا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں، اور آپؐ کی کونسی حالت ہے جس سے اہلِ تاریخ ناواقف ہیں۔ سب سے زیادہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جناب سرورِ کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو لوگ ابتداً ایمان لاتے وہ نہ تو دریائے اُردن کے کنارے کے ماہی گیر تھے۔ اور نہ ہی وہ مصر کی محکوم اور غلام قوم کے افراد تھے۔ بلکہ ایسی آزاد

قوم کے افراد تھے، جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ اور جنہوں نے ابتدائے آفرینش سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی اور ان میں وہ لوگ بھی تھے۔ جن کی عقل و ذہانت کے ثبوت مسائل و احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا فاتحانہ مقابلہ کیا، اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں اور قوموں پہ فرمانروایاں کیں اور حکومت کے نظم و نسق میں بہترین قابلیت کا اظہار کیا۔ کیا کوئی بھی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے ایسے پر زور اور ذی فہم لوگوں سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا ہے۔ اور وہ دھوکہ کھا سکتے تھے۔ یہ حضورؐ کا کتنا بڑا معجزہ ہے۔ آخر کار یہی لوگ تھے جنہوں نے آپکے ایک ایک حکم کی تعمیل کی آپؐ کی ایک جنبش لب پر جان نثار کرنے کو تیار رہتے تھے، اور آپؐ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا ہی اپنی سعادت جانتے تھے اور یہ آپؐ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے اور ایسی ہی کامل و مکمل و جامع جمیع صفات و کمالات ہستی ہی انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔

اِنسان کی شرف و عظمت کا دائمی اِعلان

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے ساتھ ہی سب سے پہلے نوعِ انسانی کی اس خوفناک غلطی کی اصلاح فرمائی جو وہ بدی کو دنیا اور دنیا کی ہر چیز میں راسخ پاتے تھے اس لئے اس کے ازالہ کی طرف سے بالکل مایوس تھے، اور اسے عالم انسانیت کے تمام فتنوں کا سر چشمہ سمجھتے تھے۔ اِس لئے وہ اس عقیدہ پر پختہ ہو چکے تھے کہ انسان کی سرشت ہی بری ہے۔ یہی عقیدہ "کفارہ" ابن آدم کے گنہگار ہونے وغیرہ کا ان کے مذہبی عقائد کی بنیاد ٹھہرا۔

نوعِ انسانی کی اس خوفناک غلطی کے ازالہ کے لئے پیغمبر اسلامؐ نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا۔ کہ انسان ایک پاک اور صالح فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ شر کا اس میں نام تک نہیں ہوتا۔ اس لئے دنیا میں اکتسابِ خیر کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اگر وہ اپنی فطرت اصلیہ پہ قائم رہے تو یقیناً دنیا کو صلح و امن سے بھر دے۔ خیر و برکت کا گہوارہ بنا دے خدا پرستی و خدا ترسی کا گھر بنا دے" لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم" ترجمہ:

انسان کو ہم نے بہترین ظاہری و باطنی بناوٹ پر پیدا کیا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ۔ کہ تاج خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ہماری ان بیش بہا نوازشات سے منہ موڑ کر اگر کو انسان روگردانی کر کے اکتساب شر کرتا ہے پھر وہ بدترین خلائق ہو جاتا ہے، اور وہ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ" جیسے ارذل خطاب سے پکارا جاتا ہے۔

المختصر مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو تمام کائنات سے افضل ترین بنا اور جب وہ احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو پھر وہ بدترین خلائق ہو جاتا ہے۔

حضرت آدمؑ کو سجدہ ملائکہ اور خلافتِ ارضی

حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ کا تاج اسی لئے پہنایا گیا، کہ وہ بہترین خدا کی مخلوق تھے۔ اُس کی سرشت پاک اور صالح تھی۔ وہ دنیا میں نیکی پھیلانے اور بدی کو روکنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اُن کا کام کارخانۂ قدرت کے توازن کو قائم رکھنا تھا۔ اس لئے کہ "خلاق" فطرت نے خود اس کے قویٰ کے اندر پورا توازن رکھا تھا۔

مختلف لوگوں نے سجدۂ ملائکہ کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو ملائکہ کو خالی فطرۃ اللہ کے قوائے عاملہ یقین کرتے ہیں۔ میرا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اُجلہ تابعین اور تمام آئمہ کرام کا ہے۔ جس کو تمثیلاً حضرت امام مالکؒ نے مسئلہ "استوا" میں صاف کر دیا ہے یعنی خداوند کا مستوی العرش ہونا معلوم ہے۔ اور اس کی کیفیت کا علم کسی کو بھی نہیں اور اس کی حقیقت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ حضور ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسل انسانی پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ رب کریم نے انسان کا مرتبہ نہ کُل کائنات سے بلند تر کر دیا ہے۔ بلکہ کائنات ارضی وسماوی کو انسان کا مطیع و منقاد ثابت کر دیا۔ اور بتلایا کہ ساری مخلوق کو انسان کی نفع رسانی کے لئے پیدا کیا یا بالفاظ دیگر تمام مخلوق تو انسان کے لئے ہے اور انسان خدا کے لئے۔ سورۂ لقمان میں حضرت انسان کو زمین وآسمان کی کل کائنات کا فرمانروا کہا ہے جس کے دیرینہ واحد و قہار کے سوا کسی کا ذرہ بھر بھی اقتدار نہیں۔ وہ ایک معاملہ فہم اور دانشمند آدمی کی طرح ان سب سے نفع حاصل کرتا ہے، اور یہ تمام چیزیں ایک بے دست وپا مملوک کی طرح اس کے اشاروں پہ کام کر رہی ہے۔ کیا اس عظیم الشان

اعلان کے بعد انسان کی عظمت و بزرگی تقدیس و تمجید کے لئے کسی اور اعلان کی ضرورت باقی رہتی ہے ؟ اس اعلان نے خدا کی خدائی میں رہتی دنیا تک انسان کی قدر و منزلت اور وقار کو قائم کر دیا۔ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیک جنبش لب دنیا کو اس مہلک غلطی سے نکال دیا کہ انسان فطرۃً خراب و شریر ہے۔

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"

اس زندہ جاوید اور حکیمانہ ایک چھوٹے سے جملہ میں سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ نے وہ کچھ فرمایا ہے جس کی حکمت و دانشوری کے سامنے فلسفے کی پوری دنیا ہیچ ہے۔ یعنی جو اندھا اپنی عظمت و شان سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قدوسیت و عظمت سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان نے اس نکتہ کو پا لیا کہ انسان خدا کی خدائی میں سب سے برتر مخلوق ہے اور باقی تمام مخلوق اسی کی خدمت میں مصروف ہے تو وہ اس حقیقت سے بھی ضرور روشناس ہو جائے گا۔ کہ انسان کی جبینِ نیاز صرف اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو سکتی ہے۔ جو اس سے بھی برتر ہے۔ یعنی اس کا خالق و مالک واحد و قہار ہے۔ اور اسی سے لو لگا سکتا ہے جو فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔

اور تمام ضروریات و حاجات کے وقت اسی سرکار واحد کے حضور حاضر ہو کر استمداد طلب کرتا ہے۔ تو اس کی توحید مکمل ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو بھی پہچان لیا اور اپنے خدا کو بھی پہچان لیا۔

اطاعتِ رسولؐ

کلام الٰہی میں منصبِ نبوت کے بارے میں جو کچھ ہمیں تفاصیل ملتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو رسولؐ بھیجا ہے۔ اس کی قوم کو واضح طور پر اس کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی صرف اصولی اور اہم تعلیمات پر مشتمل ہوتی ہے اور تفصیلی جزئیات اگر ملتی ہیں۔ تو رسول اللہ کی زندگی میں ملتی ہیں۔ گویا کتاب متن ہوتی ہے۔ رسولِ خدا کی زندگی اس کی شرح اور شرح بھی ایسی جس کا ہر لفظ صاحب کتاب کی منظوری اور اس کے حکم سے لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے۔ "وَمَا يَنْطِقُ

عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى" آپؐ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے اور کچھ کہتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو آپؐ کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حکم دیا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کی اطاعت اور اتباع کی جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ترجمہ:۔ اور جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی پھر فرمایا گیا۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اطاعت اور اتباع میں اصطلاحی طور پہ یہ فرق ہے کہ اطاعت کا اطلاق فرائض واجبات، عبادات اور اوامر و نواہی پر ہوتا ہے اور اتباع کا اطلاق سنن و آداب اور سیرت نبویؐ پر اور اطاعت کا یہ مطلب نہیں کہ جسم تو کسی خوف یا طمع کی وجہ سے جھک جائیں۔ لیکن دل و دماغ پر خیالات فاسدہ کی حکمرانی رہے۔ ظاہر میں اطاعت ہو۔ اور باطن میں انحراف۔ اطاعت اللہ و اطاعتِ رسولؐ کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ جسم کے ساتھ دل و دماغ بھی جھکیں اور ظاہر کے ساتھ باطن بھی مکمل طور پر رجوع ہو۔

معلوم ہوا کہ رسولِؐ خدا کو زبانی طور پر رسولؐ مان لینے کے باوجود ان کے احکام کی اطاعت نہ کرنا یہ سراسر انکار اور منافقانہ طرز عمل ہے جو انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب دوسری میری سنّت۔

مادی ترقّی

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ مادی ترقی کے اس دور میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چودہ سو سالہ پرانی طرز زندگی کو اپنانا رجعت پسندی ہے اور ترقی کے لئے مانع ہے کیا ان عقل کے اندھوں کو حضورؐ کا یہ فرمان یاد نہیں۔ کہ علم کا حاصل کرنا۔ ایک لازمی فریضہ ہے۔ علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کیوں نہ جانا پڑے۔ اس حکم کا اطلاق علمِ دین کے لئے تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ چین اس وقت تک مذہب اسلام سے واقف

تھا۔ ہاں البتہ چین اس زمانہ میں علم طب ۔صنعت وحرفت ۔ ریشم سازی ۔ پارچہ بافی اور کاغذ سازی میں صف اوّل میں شمار ہوتا تھا ۔ اور حضورؐ کا مقصد بھی انہی علوم کے حاصل کرنے کا تھا۔ اسلام ترقی میں مانع نہیں بلکہ مویّد ہے کیا آپؐ نے یہ کہیں فرمایا ہے کہ پختہ سڑکیں نہ بناؤ۔ ریل گاڑیاں نہ بناؤ۔ جہاز اور جہاز سازی کے کارخانے نہ بناؤ اسلحہ سازی کے کارخانے نہ بناؤ۔ لیکن اس مادی ترقی کے دور میں یہ سب کچھ بناؤ۔ مگر اُن حدود کا خیال رکھو جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرّر کی ہیں۔ مادی ترقی کا دائرہ مباحات کا دائرہ ہے ۔اس دائرے کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ نے انسان کو آزاد چھوڑا ہے ۔لیکن مطلقاً آزاد نہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے پہلے تو زندگی کا حدود اربعہ مقرر فرمایا ۔ پھر مباحات کا دائرہ مقرّر فرمایا اس دائرے کے باہر کی جو چیزیں ہیں۔ وہ یا تو فرض ہیں یا حرام ۔ یا ان کے قریب قریب اور مباحات کے دائرہ میں البتہ تم آزاد ہو۔ کہ جو چاہو سو کرو۔ لیکن اس کے لئے بھی تم پر اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی پابندی لازمی قرار دے گئی ہے ۔

ترقی یافتہ اقوام کی اندھی تقلید میں آج مسلمانوں کی اکثریت کا بھی یہ حال ہے کہ دنیاوی خوش حالی اور مادی ترقی کی لگن کے مقابلے میں آخرت کا تصوّر عقیدے کی شکل میں اُن کے ذہنوں میں موجود بھی ہے ۔ تو عملی زندگی پر اس عقیدے کی کوئی گرفت نہیں ۔ ہر شخص کی تمام تر جدوجہد یہ ہے کہ کسی طرح اس کی دنیا سنور جائے ۔ خواہ آخرت کی قیمت پر ہی سہی ۔

حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مادی ترقی کو ممنوع قرار نہیں دیا ۔ خوش حالی و دولت مندی سے منع نہیں فرمایا ۔ جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں اس طرح منہمک نہ ہو جاؤ کہ خدا اور اس کے رسولؐ ، حقوق العباد اور آخرت کو بھول جاؤ ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا بہترین نمونہ اگر مل سکتا ہے تو اصحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ہی مل سکتا ہے اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں اتباع رسولؐ کا جو نمونہ ملتا ہے ۔ وہ اس طرح کا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو لوگوں نے دیکھا کہ اونٹنی کی مہار پکڑے ایک مکان کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ لوگوں

نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ سوا اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح اس مکان کے گرد چکر لگاتے دیکھا تھا حضرت عمرؓ جب بیت اللہ کے طواف کے موقع پر حجرِ اسود کے سامنے ہوئے تو اُسے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک محض پتھر ہے جو کسی کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ نہ نقصان۔ اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ دیا ہے۔ تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا یہ کہا اور پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لقب کے مستحق اسی وجہ سے ہوئے تھے۔ کہ انہوں نے اسراء و معراج کے عقل میں نہ آنیوالے واقعہ کی بے چوں و چرا تصدیق کی تھی۔

جناب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع یہ نہیں کہ مذہب تو رسولؐ سے لیا اور زندگی کے طور طریقے کسی اور سے لئے جاویں۔ اتباعِ رسولؐ یہ بھی نہیں کہ عقل میں آجاتے تو اتباع کی جائے ورنہ نہیں۔ یہ عقل کی اتباع ہوئی۔ رسولؐ کی اتباع نہ ہوئی۔ رسولؐ کی اتباع یہ ہے کہ کوئی بات حدیث سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے۔ خواہ عقل و فہم میں نہ آئے تب بھی اُسے مانا جائے۔

آج دنیا میں نسلِ انسانی کی مساوات اور ہر طرف امن و امان کے لئے کوشش ہو رہی ہیں اور عہد حاضر کا منشور فرانس کا وہ مشہور منشور ہے جسے دنیا حقوق انسانی کے منشور کے نام سے جانتی ہے اور اس پر فخر کرتی ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ جن اقوام نے یہ منشور مرتب کیا ہے۔ انہی کے ہاتھوں اس منشور کی جس طرح دھجیاں اڑائی گئیں۔ کہ اس کا سلسلہ امریکہ میں غلاموں کی منڈیوں سے لے کر ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرانے تک پھیلا ہوا ہے۔

اس کے مقابلے میں محسنِ انسانیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا حقوق انسانی کا وہ منشور ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے آخری حج کے موقع پر عالمِ انسانیت کو دیا گیا۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ آج سے کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت ہے تو محض تقوےٰ کی وجہ سے۔

حضورؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات عالیہ صرف خوبصورت الفاظ ہی نہ تھے بلکہ آپؐ نے جو معاشرہ قائم کیا۔ اس کا عملاً ثبوت یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیبؓ رومی و حضرت سلمانؓ فارسی کو قریش کے معزز ترین خاندانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور عظیم فرماں روا، حضرت ابوہریرہؓ جیسے آزاد کردہ غلام کو "یا سیدنا" یعنی اے ہمارے سردار" کے الفاظ سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

انسانی برادری اور انسانوں کے درمیان معاشرتی اور قانونی مساوات کا عدیم المثال تصوّر دیکر اور تصوّر کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل میں عملی طور پر اخوت و مساوات کو نافذ کر کے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نوع انسانیت پر وہ احسان عظیم کیا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں کسی جگہ بھی نہیں ملتی۔ تہذیب حاضر آج تباہی کے جس غار پر کھڑی ہے اس سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے" اسوہ حسنہ کی پیروی کی جاوے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آپؐ کا اسوۂ حسنہ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جسے اپنا کر دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

مُواخات

اسلام میں مسئلہ مواخات یعنی اسلامی برادری یا بھائی چارہ کو ایک خاص تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ جب حضورؐ پر نور سرور لولاک فخر کائنات جناب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پر سرزمین مکہ مکرمہ بوجہ کفار مکہ کی ایذا رسانیوں کے تنگ ہو گئی تو ہجرت کا پیغام آیا۔ اس حکم کے ملتے ہی حضورؐ اکرم بیشمار دشواریوں کے بعد اپنے چند فداکاروں کے ساتھ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے۔ مہاجرین مکہ کے پاس جس قدر ان کا ذاتی سامان تھا۔ وہ کفارہ مکہ کے دست جبر کی نذر ہو گیا، اور جب مدینہ منورہ پہنچے تو حب رسولؐ اور عشق الٰہی و نشہ اسلام کے سوا کسی کے پاس کوئی دنیاوی دولت موجود نہ تھی۔ مہاجرین مکہ کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر حضورؐ اکرمؐ نے یہ تجویز فرمائی کہ انصار مدینہ اور مہاجرین میں رشتہ اخوت قائم کر دیا جائے۔ اُس وقت مہاجرین کی کل تعداد ۴۵ تھی۔ یہ تمام بزرگ درسگاہ نبوت کے تربیت یافتہ

تھے۔ کفارِ مکہ کے ظلم و ستم برداشت کر چکے تھے اور ہر قسم کی اخلاقی۔ رُوحانی دولتوں سے
سے مالا مال تھے۔ انصارِ مدینہ کو اس وقت تک شہنشاہ اخلاق و روحانیتؐ کا شرفِ
صحبت میسر نہ آیا تھا۔ اس لئے وہ رُوحانی دولتوں کیلئے ضرورت مند تھے۔ رشتۂ
اخوت کے قیام کا حضورؐ کے پیشِ نظر اصل مقصد یہ تھا۔ کہ وہ "قوم" پیدا کی جائے
جس کے سپرد اس دُنیا کی روحانی و سیاسی تاجداریاں کی جانے والی تھیں۔ انصارِ
مدینہ کو روحانی دولت کی ضرورت تھی اور مہاجرین مادی سامان کے حاجتمند تھے۔
لہذا جب حضور سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ قبا اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر
سے فارغ ہو چکے اور نماز باجماعت اور جمعہ کی نمازیں باقاعدگی کے ساتھ ادا ہونے لگیں۔
تو آپؐ نے حضرت انسؓ بن مالک کے گھر میں مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور
انصار سے فرمایا یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ پھر ایک ایک انصاری اور ایک ایک
مہاجر کو بلا کر دونوں میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا۔ اور اس طرح یہ پاک مجلس اختتام پذیر
ہوئی۔ خوش نصیب انصاری اپنے مہاجر بھائیوں کو خوشی خوشی اپنے اپنے گھر لے گئے اور
گھر کی ایک ایک چیز کا حساب انہیں دیا۔ اور کہا یہ آدھا ہمارا اور آدھا تمہارا۔ حضرت
سعد بن ربیعؓ انصاری نے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف مہاجر سے کہا کہ میری دو بیویاں
ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ حضرت
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، نے اس تمام پیش کش کا شکریہ ادا کیا، اور فرمایا کہ خداوند
تعالیٰ یہ سب تمہیں مبارک کرے مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔

انصار کی اصل جائیداد جو کچھ بھی تھی وہ ان کے نخلستان تھے۔ انہوں نے حضورِ
پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یہ باغ بھی ہم میں اور مہاجر
حضرات میں تقسیم فرما دیجئے۔ چونکہ مہاجرین فنِ زراعت سے ناواقف تھے۔ اس لئے
انہوں نے انکار کیا۔ اس پر انصار نے کہا کہ اگر ہمارے بھائی کھیتی باڑی کا کام نہیں
کر سکتے تو پروا نہیں۔ ہم کھیتی باڑی کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیں گے۔ از راہِ
نوازش مہاجرین حضرات اپنا حصہ قبول کر لیا کریں۔ مہاجر بھائیوں نے انصار کی
اس پیش کش کو قبول کر لیا اور جنگ بدر تک اس پر عمل درآمد ہوتا رہا۔
جب کوئی انصاری انتقال فرما جاتا تو اس کی تمام وراثت اس کے مہاجر

بھائیوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ جنگ خیبر تک اس دستور پر عمل ہوتا رہا۔ جب بنو نضیر کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیا گیا تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کی ناداری کو مدِنظر رکھتے ہوئے انصار سے فرمایا کہ اگر تم پسند کرو تو بنو نضیر کی مفتوحہ جائیداد مہاجرین کو دے دی جائے اور تم اپنے باغات واپس لے لو۔ انصار نے عرض کیا کہ آپ باغ بھی مہاجرین کے پاس رہنے دیں۔ اور مفتوحہ مقبوضات بھی انہیں ہی عطا کر دیں ہمارے لئے تو آپؐ کی نگاہِ لطف و کرم ہی دولت کونین سے بڑھ کر ہے۔ سُبحان اللہ کیا دنیا کے تمام مذاہب میں سے کوئی ایک مذہب بھی اس عظیم الشان ایثار کی مثال دے سکتا ہے۔ جس کی سعادت انصار مدینہ کو نصیب ہوئی۔ انشاء اللہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا جواب نفی کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

باغبانِ کائنات ؐ نے اخوت کا مقدس اور پُر بہار چمن اپنے مبارک ہاتھوں سے مدینہ منورہ میں لگایا تھا۔ دنیا اس گلزار کی مشکباریوں اور عطر پاشیوں پر ہمیشہ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ انصار مدینہ نے برادرانہ محبت اور فیاضی کا جو عظیم الشان اور بے نظیر نمونہ پیش کیا ہے۔ یہ نمونہ ہی اسلام کے قصرِ اخوت کا سنگِ اساس ہے اور اسلام ہر ایک مسلمان سے اپنے مسلمان بھائی کے متعلق اسی نمونہ کی پیروی کا مطالبہ کرتا ہے۔

مسجد

"مسجد" اسلامی اخوت کا مرکز ہے "نماز" اسلامی اخوت کی عملی تصویر ہے یعنی نماز میں تمام مسلمان شانہ بشانہ ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امیر و غریب کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا سب کا ایک ہی قبلہ ہوتا ہے۔ ایک ہی امام ہوتا ہے اور ایک ہی آواز ہوتی ہے۔ جسموں، چہروں، زبانوں، خیالات اور عقائد و اغراض و مقاصد کی اس ہم آہنگی کا نام "اخوت" ہے جس کی تصویر نماز پیش کرتی ہے۔

جمعہ

"جمعہ" اخوت کی درسگاہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم و تلقین اور وعظ و ارشاد کے ذریعے سے آپس میں بھائی بھائی بننے پر آمادہ کیا جائے۔

قرآن و حدیث میں "اخوت" کے بے شمار احکام موجود ہیں۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" (ترجمہ) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسری جگہ حکم ہوتا ہے "تم آگ کے کنارے کھڑے تھے۔ جس سے رب قدیر نے تمہیں بچایا۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے ایک مسلمان کا وجود، دوسرے مسلمان کے لئے دیوار کی اینٹوں کی طرح ہے جو ایک دوسری کو مضبوط رکھتی ہے۔ پھر فرمایا تمام مسلمان ایک جسم کی مثال ہے۔ اگر آنکھ میں درد محسوس ہو تو تمام جسم میں درد محسوس ہوتا ہے۔ اور کان میں درد ہو تو تمام جسم بیقرار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ تو خود ظلم کرے اور نہ کسی دوسرے کو ظلم کرنے دے۔ پھر فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا۔ اللہ تبارک وتعالےٰ اس کی ہر مشکل آسان کرے گا۔

قرونِ اولیٰ میں اسلام کو جس قدر ترقی ہوئی وہ اسی "اخوت" کا نتیجہ تھی اُس زمانہ میں سب مسلمان ایک جسم واحد کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں حقیقی بھائیوں کی طرح محض پیار ہی نہ تھا۔ بلکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے جسم کا ٹکڑا سمجھتا تھا اور اپنے اعضائے بدن کی طرح اس کی حفاظت کرتا تھا۔ اور اس عظیم الشان شفقت، محبت اور "اخوت" کے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ کہ چین سے لے کر ہسپانیہ تک اور روس سے لے کر راس کماری تک کے تاج و تخت خداوندِ عالم نے مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دیئے تھے اور کائنات میں انسانیت کی کوئی طاقت بھی مسلمانوں کی شریک وہمسری کی دعویدار باقی نہ رہ گئی تھی۔

موجودہ زمانے میں اخوت اسلامیہ کو سب سے بڑا نقصان جس چیز نے پہنچایا ہے۔ وہ گروہ بندی اور تکفیر بازی ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کو شدھ اور عیسائی بنانے کے لئے دن رات کوشش کرتے رہتے ہیں اور مسلمان مسلمانوں کو کافر بنانے پر کمربستہ رہتے ہیں۔

"تاجدارِ مدینہؐ" نے محبت و اخوت کے جس گلزار کی خود باغبانی فرمائی تھی۔ آہ صد افسوس کہ ہمارے مکفرین علمائے اس کو بیخ و بُن تک ہلا دیا۔ موجودہ حالات میں اس کی اشد ضرورت ہے کہ ان کفر کے لمبے لمبے فتووں کو مختصر کیا جائے۔ مسلمان مسلمانوں سے محبت کریں۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ خود مسلمان بنیں اور دوسروں کو بھی مسلمان سمجھیں مسلمانوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ روا داری سے کام لیں۔ یہی سچی زندگی ہے۔

اور یہی وہ صاف اور سیدھا راستہ ہے جس پر محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک۔ حضرت امام شافعی حضرت امام حنبل رح علیہم اجمعین کی علمی و دینی خدمات سے کون مسلمان ہے جو واقف نہیں ہے۔ ان واجب الا ہستیوں کے جو احسانات ہم مسلمانوں پر ہیں ان کا شکریہ ادا کرنے سے ہماری زبانیں قا ہیں، اور جو اہل سُنت والجماعت کا صاف سیدھا اور سچا راستہ نظر آرہا ہے۔ یہ انہ کی علمی اور دینی خدمات کا نتیجہ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہمیں صراط کا راستہ بتانے والے یہی نفوسِ قُدسی ہیں بارک اللہ علیہم اجمعین۔

بعض اجتہادی مسائل میں یہ حضرات بھی ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھتے تھے نہ تو انہوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی جماعتیں بنائیں تھیں اور نہ ہی موجودہ زمانہ کے مکفّرین علما کی ایک دوسرے کے خلاف تکفیر کا حربہ استعمال کیا تھا۔ باوجود اختلاف رائے کے ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ ان کا ایک قرآن، ایک رسولؐ، ایک کعبہ اور ایک ہی عق اہل سُنت والجماعت تھا۔ موجودہ زمانہ کے علما۔ اور سب مسلمانوں کو ان پاکیزہ نفس ا نیک سیرت ہستیوں کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنا کر مختلف قسم کی جماعتوں اور گروہ بن کو چھوڑ کر ایک جماعت اہل سنت والجماعت پر صدق دل سے عقیدہ رکھنا ہی تکمیل ایمان اور یہی صراط المستقیم ہے۔ خداوند تعالےٰ ہم سب مسلمانوں کو صراط المستقیم پر چلنے کی تو عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ صلی اللہ تعالےٰ علےٰ خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ و زینت فر وباعث خلقہٖ سیّدنا ومولانا محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ار الراحمین ط

بدعات

مسلمانوں کی یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو کر۔ مسلمان نام رکھ کر مسلمانوں جیسی وضع قطع بنا کر بھی کج فہم لوگ اس مقدّس رسولِ مقبولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ذکرِ خیر یعنی محفل میلاد کو بدعت قرار دے کر اس کی مخالفت کرتے ہیں جو دنیا کو ظلم و

غلامی سے نجات دلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور جن کے دستِ مبارک کو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے " وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ " کا مجد و شرف بخشا تھا اور جو تمام دنیا کے لئے پیامِ امن و رحمت لے کر آئے تھے۔ عیسائی۔ یہودی۔ آتش پرست۔ ہنود حتیٰ کہ وہ ناستک بھی جو خدا عزوجل کی ہستی کے بھی منکر ہیں وغیرہ وغیرہ تو اپنے بڑوں کا یومِ ولادت منائیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک قوموں اور ملکوں میں اُس وقت تک انقلاب پیدا نہیں ہوسکتا جب تک مشاہیر کی زندگی کو نمونہ کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔ اللہ اللہ اغیار تو آج چوروں۔ ڈاکوؤں اور باغیوں غداروں تک کا بھی یوم ولادت مناتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس محترم وجودِ سراپا جود کے مقدس ذکرِ خیر کو بھی بدعت قرار دے۔

بدعت کی تشریح:- میں حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بدعت دو قسم است یکے آنکہ در و معنی قبیح در ضوابط دریافت شود۔ و مثل آں در شرع نباشد و ایں بدعت سیئہ باشد دیگر آنکہ در و معنی صحیح در شرع باشد و در فوائد یعنی بہ یافت شود ایں قسم بدعت حسنہ مباح خواہد بود"

صحیح بخاری میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔ انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری ترجمہ:- میں اللہ کے نور سے ایک نور ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے بنی ہے۔ اس حدیث سے سرکار کے نور کی قدامت اور بزرگی کا پتہ چلتا ہے۔ اب ذرا غور فرمادیں۔ اس واضح حدیث کی موجودگی میں حضورؐ کے ذکرِ ولادت کو کیونکر بدعت قرار دیا جاسکتا ہے جس کے ذکر کی بلندی کو "ورفعنا لک ذکرک" سے سربلندی بخشی گئی ہے۔

اگر معترضین حضرات کو اس بات پر اصرار ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر بچھواتے تھے۔ حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے ہوکر حضور کی شان میں نعتیہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور جب حضورؐ اپنے مناقب حضرت حسانؓ کی زبان مبارک سے سنتے تھے۔ تو بہت خوش ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ حسانؓ کو فصاحت و بلاغت اور اس مداحی میں حضرت جبریلؑ کے ذریعے مدد فرماتا ہے مقام تعجب ہے کہ مذکورہ احادیث کی موجودگی میں لوگوں کو کیونکر یہ جرأت ہوتی ہے کہ

وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس تذکرہ کو بدعت کہیں۔

بدقسمتی سے زمانہ حال میں مادیت کا زور ہے اور الحاد و زندقہ کی رَو میں
کی نئی مغرب زدہ پود بہہ چلی جارہی ہے۔ اس لئے ذکرِ رسولؐ کو بھی فراموش کرا
کوشش کی جارہی ہے۔ لہٰذا محبانِ رسولؐ کا فرض ہے کہ وہ میلاد کی محفلیں کثرت
منعقد کیا کریں۔ اور حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
کو اس قدر موثر اور مسحور کن پیرایہ میں بیان کیا کریں جس سے نوجوان مسلمانوں کے د
عشقِ رسولؐ کی سچی تڑپ پیدا ہو جائے۔ مسلمانوں کی بے دینی اور گمراہی کا کوئی علاج
صرف ذکرِ رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ظہورِ رحمت

یہ رحمتِ حقیقی یہ نورِ ازلی جس کے ظہور کا زمانہ قریب آ چکا ہے اگرچہ باد
میں ہیولائے انسانی کے قبائے حق نما کے ساتھ عالم میں آشکارا کیا جاتا ہے۔ مگر حق
وہی ہے کہ آفتابِ قدرت کی ایک شعاع تجلی الٰہی کا ایک پرتو، آمنہؓ کے بطن میں
افروز ہے جس میں نہ بارِ حمل کے آثار ہیں اور نہ بشری خواص، نو ماہ گزر چکے بشارتیں
خوشخبری دینے والے جلیل و جمیل انبیا و ملائک ہیں جو نئی نئی اداؤں کے ساتھ حضورؐ کی
کی نغمہ سرائیوں میں مصروف ہیں۔

بیت المعمور عرش غفور کے محاذ میں اگر عالم بالا کی آرائشوں کا آئینہ خانہ
بیت خلیل سطح ارض پر تجلیاتِ حقیقی کی جگمگاہٹ سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ ربیع الاول
سہانا موسم ہے نسیم جنت بطحا کی خشک وادیوں میں اپنے دامنِ ناز کی ٹھنڈی اور م
ہوا دے رہی ہے۔

عالم ارواح میں تمام انبیا "سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ الرَّحِيمِ" کی نداؤں
سلام برلب ہیں۔ کعبہ کے گرد و پیش سبوحیان عرش نشین آدابِ شاہی کو ملحوظ خاطر
ہوتے صف بستہ استادہ ہیں۔ حورانِ جناں حرم سرائے آمنہؓ میں خادمانہ انداز کے
حاضر ہیں علم سبز مسقف کعبہ پہ لہرا رہا ہے جس کی ہر لہر سے "اذا جاء نصر اللہ
الفتح ورایت الناس" کا ترانہ جہاں افروز پیدا ہے۔ مشرق و مغرب صدائے تہلیل

نزول کسی کی آمد کے مشتاق ہیں "روح الامین" کمال آرزوؤں کے ساتھ بصد عجز و نیاز
گزار ہیں "اظہر یا سید المرسلین، اظہر یا سید المرسلین، اظہر یا رحمۃ للعالمین۔
یا اشرف الخلق، اظہر یا افضل البشر، اظہر یا شفیع المذنبین"
یکایک رحمت الٰہی کے پردے اٹھے۔ قدرت باری سے ہر طرف رحمت کی گھٹائیں
یں کعبہ کے درو بام سجدہ تہنیت کو جھکے، طیور ہواہیں مصروف سلام ہوئے۔
ربیع الاول دوشنبہ کی صبح پیر کی مبارک سحر رحمت قدیم کے نورانی چاند کو اپنی آغوش
لئے ہوئے نمودار ہوئی۔

باعث ایجاد عالم سبب تخلیق کائنات و بنی آدم خلق کے تاجدار، غریبوں کے
نبیوں کے سردار، عرب کے شہریار۔ دنیا کی آنکھوں کی آنکھوں کے نور، جہان
کے سرور، شافع یوم النشور، حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہوئے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا
اللہ۔

دریاؤں کی طغیانی رک گئی۔ پایاب ندیاں جاری ہوئیں۔ ابر رحمت کا نزول ہوا
تاریک ختم ہوئی۔ "والضحیٰ" ہدایت و نورانیت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ بشارت
اس آفتاب کی شعاعیں پھوٹ چکی ہیں۔ اس کا اجالا گھر گھر پھیل چکا ہے۔ سفارس کا
آتشکدہ آن کی آن میں بجھ گیا۔ نوشیرواں کے بلند و بالا محل کے چودہ کنگرے لرز کر
پڑے اور صنم کدوں کے بت اوندھے منہ گر پڑے ہیں۔

یا صاحب الجمال و سید البشر ‏ من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثنا کما کان حقہٗ ‏ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہوتا اگر ثنا خوان خالق اکبر محمدؐ کا ‏ تو ہوتا خلق پہ کیونکر عیاں رتبہ محمدؐ کا
ہے کیونکر نہ محبوبؐ دو عالم پھر جہاں سارا ‏ کہ خود ہی عاشق صادق ہے حبیب داور محمدؐ کا
نشان مخلوق کا ہوتا نہ بنتی یہ کبھی دنیا ‏ نہ آتا صورت انسان میں گر پیکر محمدؐ کا
فرشتوں نے پڑھی جھک کر نمازیں ان کے دامن پہ ‏ نظر آیا جب سایہ قدِ اطہر محمدؐ کا
جہاں سیراب زمزم سے کیا ہے تشنہ کاموں کو ‏ کرم کو دیکھنا چل کر لب کوثر محمدؐ کا
نظر آتی ہے جو صورت سمجھتا ہوں کہ آپ آئے ‏ ہوا کرتا ہے دھوکا خواب میں اکثر محمدؐ کا

نہ ڈر تر دامنی کا ہے نہ کچھ خوف معاصی ہے — بھروسہ ہے پئے بخشش سر محشر محـ

محمدؐ کی بشارت دینے کو پیغمبری پائی — غرض ممنون ہے ہر ایک پیغمبر محـ

وہ ذات مقدس ہے رسالت ختم ہے جس پہ

ہوا ہے نہ ہوگا کوئی ہمسر محمدؐ کا

فرمانِ خدا در شانِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قال رب الخلق فی قرانہ — اکرموا خیر الوریٰ فخر الرسـ

حق تعالےٰ قرآن میں اصحابہ کرام کو حکم دیتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کا
احترام کرو اور آپؐ کے ساتھ ادب کے ساتھ پیش آؤ

انتم لا ترفعوا اصواتکم — فوق صوت المجتبےٰ خیر الـ

پھر فرمایا کہ تم اپنی آوازوں کو آپؐ کی آواز پر بلند مت کیا کرو۔
کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے

فاعلموا ما اقسم اللہ القوی — بحیاۃ الانبیاء والرسـ

اور سنو حق تعالےٰ نے کسی نبی کی حیات کی قسم نہیں کھائی
(جو انتہائی الفت ومحبت کی علامت ہے)

ما سویٰ حیات ختم الانبیا — ورحمۃ للعالمین والرسـ

سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم الانبیاء رحمت اللعالمین کی حیات طیبہ کے

دین سلطان الوریٰ خیر البشر — ناسخ الادیانِ محیاء الملـ

آپؐ کا دین دنیا کے تمام ادیان اور ملل کے لئے ناسخ ٹھہرایا گیا

سوف روح اللہ عیسیٰ یتبع — دین سلطان الہدیٰ لما نز

حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی جب قیامت کے قریب آسمان سے
اُتریں گے تو آپؐ ہی کا دین قبول فرماویں گے

النبیون الالیٰ کانوا کلیماً — ذبیحاً او خلیلاً ذا ینـ

پہلے انبیا میں کسی کو حق تعالیٰ نے اپنا کلیم فرمایا کسی کو ذبیح اللہ اور خلیل اللہ
کے لقب سے یاد کیا

نبی المصطفی قد کان عبداً مطیعا خاضعاً مثل اندلل

لیکن آپ کو عبد کے لفظ سے ممتاز فرمایا جس کا درجہ کل القابات سے بلند تر ہے۔

رئی مولاہ اذا سرے الے المسجد الاقصیٰ اسلے اعلے محل

حق تعالیٰ شانہٗ کا دیدار آپ ہی نے حالت بیداری میں کیا۔

مثل المسک طیبا مائہ الذی من جسمہ الازکیٰ نسل

آپ کے جسمِ اطہر سے جو عرق نکلتا تھا وہ مشک و عنبر سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتا تھا

ہٗ مخدوم کل انبیاء سیّد الکونین مقدام الرسل

آپ تمام انبیاء و رسل کے مخدوم اور دو جہان کے سردار بنائے گئے

ستہ المخدوم ایضاً ھکذا فی المثانی "خیرامۃ" قد نزل

اسی طرح آپ کی امت بھی دوسری اُمم کی مخدوم کہہ کر پکاری گئی

ھو فی الاعمال والاخلاق قد کان محمودا وفیھا قد کمل

غرض آپ اپنے اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے بہرحیثیت سب سے افضل و محمود تسلیم کئے گئے

بنا صل علٰے خیر الورٰی وعلٰے اصحابہ والآل صل

ربِّ قدیر تو آپ پر اور آپ کی آل و اصحاب پر درود بھیج۔ آمین

دُنیا کا مصلحِ اعظمؐ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

حضور سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ حضورِ پرنور کی مقدس زندگی کے حالات جس قدر تفصیل اور تحقیق کے ساتھ قلمبند ہوئے ہیں، ایسے کسی اور نبی کے نہیں ہوئے۔ متقدمین علمائے اسلام میں

ایک بڑی تعداد ان اصحاب کی ہے جنہوں نے اپنی عمروں کا بیشتر حصہ سیرت نبوی کی تدوین اور تالیف میں صرف کیا۔ اور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے تمام حالات اور واقعات بے کم وکاست ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ اس لئے یہ غیر ممکن ہے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو جامع جمیع کمالات وصفات ہیں۔ ان کی زندگی کے کسی ایک شعبہ کے مختصر حالات بھی ایک مضمون کی وُسعت میں سما سکیں۔ لیکن مسلمان کی زبان سے اور قلم سے حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے بارے میں جو بھی نکل جائے وہی باعث رحمت اور موجب سعادتِ دارین ہے۔ خداوند تعالٰی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے اپنے کمال فضل سے رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبینؐ ختم المرسلینؐ کے امتی ہونے کا شرف بخشا۔ اور امت بھی وہ جو تمام سابقہ امتوں سے خیر الامم ہونے کے عظیم الشان لقب سے ملقب ہوئی۔ لہٰذا ہم تمام مسلمانوں کا یہ فرضِ عین ہے کہ ہم حضورؐ پر نور کی خدمتِ اقدس میں ہر وقت درود وسلام کا تحفہ بھیجتے رہا کریں۔

الصلوٰۃ والسلام اے مظہر نور خدا ‏ ‏ ‏ شمع بزم لی مع اللہ نور صبح والضحیٰ
خسرو اقلیم اتممت علیکم نعمتی ‏ ‏ ‏ شاہ سبحان الذی اسریٰ معراج دنیٰ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اس باب میں ان غیر مذاہب کے مورخین ومحققین کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب ہوگا جنہوں نے حضورؐ پر نور کے متعلق اپنی بے لاگ ناقدانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔

۱۔ کارلائل جو ایک کٹر عیسائی مورخ تھا۔ سوال کرتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزورِ شمشیر دُنیا کو مسلمان بنایا۔ میں اُن لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ تیغ ستم کونسی تھی جس کے ذریعے دُنیا کو مسلمان بنایا تھا۔ تو ان سب اعتراضات کا جواب صرف ایک ہی ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلقِ عظیم تھا۔ اور وہ اخلاق اثرات ہی تھے جو حضرت محمدؐ کی کامیابی کا باعث بنے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو

تمام دنیا کے اربابِ انصاف نے تسلیم کیا۔

۲۔ گاڈمری ہینکسی نے یوں کہا۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ مسلمان اور ان کے مذہب اور اُن کی ہر چیز پہ نظرِ حقارت ڈالتے ہیں۔ لیکن وہ اگر تحقیق کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اہلِ اسلام اپنے کردار کی پختگی اور اپنے مذہب کی پابندی کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تمام رُوئے زمین پر سب سے زیادہ باعلم قوم ہو گئے۔

۳۔ دیباچہ قرآن راڈول صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے کام اس نیک نیتی کی تحریک سے شروع ہوئے کہ لوگوں کو جہالت، ذلت اور بت پرستی جیسی قبیح رسوم سے چھڑائیں۔ ان کی انتہائی خواہش یہ تھی کہ سب سے امر حق یعنی توحید کو تسلیم کرائیں اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔

۴۔ مسٹر گبن لکھتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبرؐ نے اپنی انتھک کوششوں و سرگرمیوں سے بتوں۔ انسانوں اور ستاروں کی پرستش کو قوی و مقبول دلائل سے رد کیا۔

۵۔ مسٹر ڈین پول لکھتا ہے کہ حضرت محمدؐ کی شخصیت رحم و شجاعت دونوں کا مجموعہ ہے۔ وہ برسوں تک اکیلے اپنے ہم وطنوں کا مقابلہ کرتے رہے جو لوگ محض تعصب کی وجہ سے حضرت محمدؐ پر ظلم۔ عیش پرستی اور مکاری وغیرہ جیسے قبیح الزام عائد کرتے ہیں وہ سراسر لغو اور بے بنیاد ہیں۔

۶۔ جارج سیل جیسا کٹر عیسائی مؤرخ لکھتا ہے۔ دنیا اسلام کو وہ قبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال موجود نہیں۔ اِسے نہ صرف عربوں نے قبول کیا۔ بلکہ جہاں کہیں بھی اس کا غلغلہ بلند ہوا وہیں گردنیں جھک گئیں لیکن کیوں؟ وہ اس لئے کہ اسلام کی تعلیم کے لئے جو شخص مقرر ہوا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک ایسا دردبھرا دل تھا جو اپنے جیسے انسانوں کی مصیبت دیکھ کر تڑپ جاتا تھا۔

۷۔ کارلائل ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ محمدؐ اسلام نہیں لاتے بلکہ بم کا گولہ لاتے جو عرب کے ریگستان میں پھٹا یہاں کا ریت بارود بن کر اس بم سے جل اٹھا اور ایک شعلہ پیدا ہوا جس کے نور سے ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی کی

دیواریں روشن ہوگئیں اور وہ بم کیا تھا۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ"

دنیا جانتی ہے کہ اسلام نے عربوں کو کیا بنا دیا۔ راہزن سے رہنما اور جاہل سے عالم بن گئے۔ خائن، امین اور انسانوں پر ظلم و ستم کرنے والے انسانیت کے محافظ بن گئے۔ بوریہ نشین، تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوگئے۔

۸۔ شری راج وید پنڈت گدادھر رئیس آلہ آباد اپنا ہدیہ عقیدت بایں الفاظ پیش کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ تمام اوصاف حسنہ کے مجسمہ تھے اور پیروان رسولؐ آپکی تعلیمات پر چل کر تمام دنیا کو پیغام حق سناتے رہے۔ انہوں نے اس بارے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ نہ ہی کبھی تنگدلی سے۔ وہ تہہ دل سے چاہتے ہیں کہ ساری دنیا نجات آخروی کی حق دار بن جائے۔ جاہلوں کو علم کی نعمت سے مالامال کیا جائے۔ دنیا میں جہاں کہیں گئے، علم کی مشعل اپنے ساتھ لیتے گئے۔ پیروانِ رسولؐ کا ایک بڑا وصف یہ بھی ہے کہ وہ نہ تو کسی کو بڑھتے دیکھ کر حسد کرتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔

۹۔ جناب رائے بہادر لالہ پارس داس جینی مجسٹریٹ وشاہی تحرائچی فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی رہنمائے قوم، پیشوائے مذہب اور بانی ملت کی اعلیٰ ہستی اور بلند شخصیت کا اندازہ کرنا ہو تو اس کی اخلاقی وسعت اور لطف و کرم کی ہمہ گیر پر غور کرنا چاہیئے۔ جہاں تک میں نے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے پیغمبر اسلامؐ کے متعلق دو باتیں خصوصیت کے ساتھ معلوم کی ہیں، اور وہ دونوں باتیں اس مقدس کتاب سے ثابت ہوتی ہیں جو پیغمبر اسلامؐ پہ نازل ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ آپؐ کی ذات سب کے لئے رحمت بلکہ سراپا رحمت ہے۔ دوسرے یہ کہ آپؐ کا اخلاق اعلیٰ اور وسیع ہے۔ وہ ہستی جس کو سب ذی روحوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو اس کی توصیف و ثنا کے متعلق یہ عنوان قائم کرنا کہ اس کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ کیا تھا۔ گویا ایک سمندر کو پیالہ و ساغر میں محدود کر دینا ہے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ ذاتؐ جو تمام عالم ارواح کے لئے رحمت تھی۔ اس کا برتاؤ

عالمِ موجودات کی ہر ہستی کے ساتھ کیا تھا۔

۱۰۔ لالہ رام رکھا صاحب جرنلسٹ :۔ اس عالیشان رہنما کو قدرت نے ایسا درد بھرا دل عطا کیا تھا جو الفت انسانی میں اس قدر سرشار اور عشقِ الٰہی میں اتنا مخمور تھا کہ انہوں نے جسم و جان میں رشتہ رکھنے والی ضروریات کو بھی کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ دوسروں کو کھلاتے مگر خود بھوکے رہتے۔ اکثر کھجوروں اور پانی پر گزارہ بارہا تین تین دن تک چولہا نہ جلتا۔ مساکین آپؐ کے دوست تھے۔ غربا پر آپؐ کی خاص نظرِ عنایت تھی۔ آپؐ نے مذہب کی بنیاد عالمگیر محبت اور عشقِ الٰہی پہ رکھی۔ اپنے عمل سے آپؐ نے پیروؤں کو اخوت اور مساوات کا سبق دیا۔
جمہوریت کا خیال رواداری اور مساوات کی خوبیاں آپؐ ہی نے دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں۔ آپؐ کا دل خدا پرستی سے معمور تھا۔ آپؐ نے باطل پرستی کو تباہ کر کے توحید کا نور پھیلایا۔ آپؐ نے کہا اللہ ایک ہے وہ سمیع و خبیر ہے اس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ راج کماری ماہوری صاحبہ بی اے :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لحاظ سے بھی سب سے زیادہ کامیاب مصلح تھے کہ آپؐ کی تعلیمات کو آپؐ کی زندگی میں ہی عالمگیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہو گئی۔ آپؐ کی تعلیمات کا مقصد انسان کو فرشتہ یا کوئی اور چیز بنانا مقصود نہ تھا بلکہ "انسانِ کامل" بنانا تھا۔ آج کی مہذب اور متمدن دنیا اور کامیابیوں پر جس قدر چاہے ناز کرے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اگر دنیا میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا ظہور نہ ہوتا تو علم و فن اور تمدن و تہذیب سب یورپ کے تنگ نظر اور نفس پرست عیسائی راہبوں اور پادریوں کے ہاتھوں کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے اور آج دنیا ترقی کی اتنی اونچی منزل پر پہنچنے کی بجائے پستی اور ذلت کے غار میں پڑی ہوتی۔
دنیا سے غلامی اور شہنشاہی کو مٹا کر مساوات قائم کرنا اور دنیا کی آدھی آبادی، یعنی فرقۂ نسواں کو ذلت اور غلامی کے گڑھے سے نکال مردوں کے پہلو بہ پہلو لا بٹھانا اسلام کے کارہائے نمایاں ہیں جن پر تمدن مدت العمر ناز کرے گا۔ اور حصولِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کر دینا، اور علم کی تلاش میں انہیں ساری دنیا میں

مسلمانوں سے پھرنے کا حکم دینا۔ یہ حضرت محمد صاحب کے ایسے بے مثل کارنامے ہیں کہ جن کے حساب سے تہذیب کبھی سر نہیں اُٹھا سکتی۔ یونان کے علوم و فنون مردہ ہو چکے تھے اور عیسائی پادریوں کے فتوے کے مطابق ہر وہ شخص کافر و گردن زدنی تھا جو ان کے خود ساختہ دینیات کے محدود علم کے علاوہ کسی اور علم کی طرف توجہ کرے اگر مسلمان اندلس کو فتح نہ کرتے اور یونانی علم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی مبارک کوشش نہ کی جاتی تو وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آج انسان موٹروں اور ہوائی جہازوں وغیرہ عصر جدید کی سہولتوں سے فائدہ مند ہونے کی بجائے پتھر کے اس دور میں ہی پہنچ جاتا۔ دنیا والے بھول جائیں لیکن اہل عقل و خرد انسان کے اس احسان عظیم کو کبھی نہیں بھول سکتے جو کہ انہوں نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا اور تہذیب و تمدن کو پھر ترقی کے راستے پر گامزن کر دیا۔

۱۲۔ جناب بابو بہاری لال بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ دہلی:۔

حضرت محمد صاحب امن و صلح و آشتی کے فرشتے تھے۔ جس مذہب کی انہوں نے بنیاد ڈالی اس کا نام اسلام رکھا جس کے معنی ہیں سلامتی۔ حضرت صاحب خیالات کے پکے اور سچے توحید پرست تھے۔ اور اللہ کی واحدنیت بلا خوف و خطر بیان کرنے والے تھے اور حق بات کہنے میں کسی بڑی سے بڑی طاقت سے کبھی نہیں ڈرتے تھے۔ اہل عرب باوجود مذہبی اختلاف کے اُن کو سچا پاکباز اور امین کے لقب سے پکارتے تھے لیکن ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کے بتوں کو بُرا نہ کہا جائے اور اسی بات کو منوانے کے لئے ایک مرتبہ بڑے بڑے عمر رسیدہ بزرگ اور صاحب عزت و مال سرداران قریش آپ کے پاس آئے اور کہا اے بھتیجے آپ اگر بادشاہی چاہتے ہیں تو ہم سب آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ اگر مال و دولت کی خواہش ہو تو ہم آپ کو اتنا مال و دولت دینے کو تیار ہیں کہ تمام عرب میں آپ سب سے زیادہ دولتمند شمار کئے جاویں گے۔ اگر عورتوں کی تمنا ہو۔ قریش کے بڑے سے بڑے سرداروں کی لڑکیاں موجود ہیں جو حسین ترین شمار کی جاتی ہیں حاضر خدمت کرنے کو تیار ہیں صرف ایک شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ حضرت صاحب نے ان بزرگوں کی ان باتوں کو سن کر اپنے اخلاق حمیدہ سے جن کا ڈنکا آج تک تمام عالم میں بج رہا ہے

آپؐ نے ذرا تامّل فرمایا تو فوراً ہی سورۃ یا ایہا الکفرون نازل ہوئی اور ہدایاتِ بارگاہِ ایزدی ہوئی کہ اے نبیؐ ان سے کہہ دو کہ تم اپنے دین پر رہو۔ ہم اپنے دین پر رہیں اور ہم کو کوئی ضرورت مال و دولت اور عیش و عشرت کی نہیں۔

۱۲۔ جناب لالہ کرم چند مدیر اعلیٰ اخبار پارس لاہور۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت محمدؐ صاحب نے جب کروڑوں کی بستی میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا پیغام سنایا۔ تو اس وقت ایک بھی خدا پرست نہ تھا۔ کوئی پرستارِ سنگ تھا تو آب و آتش کا پجاری۔ کوئی ستارہ پرست تو کوئی سورج پرست یعنی سورج دیوتا کی پوجا کرتا تھا۔ لہٰذا جب حضرت محمدؐ صاحب نے عرب کے بیشمار خداؤں کے ہجوم سے بغاوت کر کے اہل عرب کو تلقین کر کے کہا کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے اور وحدہٗ لاشریک ہے تو انہیں وہ وہ تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں جن کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ خود ان کی قوم ان کی دشمن بن گئی۔ ان کو مارا گیا۔ ان کا گلا گھونٹا گیا۔ پتھر برسائے گئے ان پر غلاظت پھینکی گئی۔ عدم تعاون کیا گیا قتل کرنے کی سازشں کی گئی۔ مدّت العمر کی اذیتیں برداشت کرنیکے بعد جب آپؐ فاتح مکّہ کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور تمام دشمن پابجولاں آپؐ کے سامنے لائے گئے تو آپؐ نے بدترین انسانوں کے ساتھ جو سلوک کیا۔ وہ صحیفۂ عالم پر ہمیشہ ثبت رہے گا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تم نے اپنی طرف سے ہمیں ہر طرح کے دکھ اور تکالیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ تو دشمن ندامت سے سر جھکا لیتے ہیں، اور حضرت پیغمبرِ اسلامؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ جاؤ تم آزاد ہو لیکن آہنی زنجیروں سے آزادی دے کر آپؐ نے انہیں محبّت کی زنجیروں میں اسیر کر لیا۔ بدترین دشمن آپؐ کے اس طرزِ عمل سے بہترین دوست بن گئے اور حضرت محمدؐ صاحب پہلے نبیؐ ہیں جنہوں نے دنیا کی ہر قوم میں نبیؐ ہونے کا فرما کر تمام پیغمبروں کی بعثت کی تصدیق کر دی عالمِ امکان پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ کاش ہمارے مسلمان بھائی سُنّت رسولؐ پہ آج بھی پوری طرح عمل کرتے تو یقیناً دنیا کا ایک بہت بڑا حصّہ اسلام کا غلام بے دام بن جاتا۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کی تعلیمات

کو کسی نہ کسی صورت میں تمام مذاہب نے قبول کر لیا ہے۔ خاص کر ہندو دھرم تعلیم اسلام سے بہت متاثر ہوا۔ مثلاً تعداد ازدواج، طلاق، بیوہ کی شادی وغیرہ کے بارے میں حکومت سے قانون منظور کرائے جا چکے ہیں۔ یہ سب اسلام ہی کا نتیجہ ہے

۱۴۔ از جناب گورچرن سنگھ بی۔ ایس۔ سی۔

پیغمبر اسلامؐ نے سب سے پہلے تو لوگوں کو یہ بتایا۔ کہ پیڑ ہوں، یا پتھر، سورج ہو یا چاند ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہے۔ آپؐ نے ببانگ دل اس بات کا بھی اعلان فرمایا۔ کہ حکومت صرف خدا کے لئے ہے اور کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے ہی جیسے انسان کو اپنی طاقت یا اپنے روپیہ کے زور سے اپنا غلام بنا لے۔ فحش اور زنا سے لوگوں کو محترز رہنے کی سخت تاکید فرمائی۔ اور انہیں بتلایا کہ عورتیں بھی اسی قدر قابل احترام ہیں کہ جس قدر مرد ہیں۔ مغرور اور خود پرست انسانوں کو آپؐ نے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ تمام دنیا کے انسان ایک ہی کنبہ ہیں۔ اس لئے کوئی حبشی ہو یا ایرانی، ترکی ہو یا افغانی، عربی ہو یا عجمی سب آپس میں بھائی ہیں۔ آپؐ نے ہر مسلم اور مسلمہ سے فرمایا کہ علم حاصل کرنا تم پر فرض ہے اور حصول علم کی خاطر تمہیں چین تک سفر کرنا پڑے تو کرو۔ یہ سچ ہے کہ آج دنیا جس بام و عروج تک پہنچی ہے۔ وہاں تک اسے مسلمانوں نے ہی پہنچایا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ تہذیب و تمدن کے نام سے ہمارے کان ناآشنا ہوتے اگر حضور انور کی تعلیم نے مسلمانوں کو اس قدر با حوصلہ اس قدر "وسیع النظر" اور ہر قسم کے علم و فن کا ایسا سچا قدر شناس نہ بنا دیا ہوتا۔

اسی طرح اور بھی بے شمار مؤرخین محققین اور حقیقت شناس وغیر متعصب اصحاب نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے بارے میں اپنی قیمتی اور بے لاگ رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ ہم سب مسلمان ان کے شکر گزار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان حقیقت پسند حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سر تھامس کارلائل جو ایک راسخ العقیدہ عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ اور زبان دانی کی فضیلت کی وجہ مشہور و معروف ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی جیسے دار العلوم کا مسلمہ اُستاد ہے جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے جب وہ "ہیرو زنا ف ہیروز"

لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیا علیہ السلام میں فقط حضورِ پُر نور سرور دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام نامی واسمِ گرامی ہی کیوں انتخاب کرتا ہے: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ناواقف تھا؟ کیا وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے کارناموں سے ناواقف تھا؟ جنہوں نے بنی اسرائیل کے متفرق شدہ شیرازہ میں جمیعت پیدا کی اور ایسی سلطنت کو بنایا اور پائیدار کیا کہ اس سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی بنی اسرائیل نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مثلاً نابینوں کو بینائی بخشنا۔ کوڑھیوں کو اچھا کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ اسلام کی آمد کی پیشین گوئی کرنا مُردوں کو زندہ کرنا۔ ان تمام کارہائے نمایاں سے ناواقف تھا۔ نہیں وہ سب کچھ جانتا اور پہچانتا تھا۔ لیکن جب کارلائل نے اپنی مؤرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تب اسے ہزاروں سال کے عہد وسیع کے آسمان پہ اور کوئی بھی درخشاں کوکبِ نبوت نظر نہ آیا جیسے وہ آفتاب کے دوش بدوش وہ اپنے اوراق پہ جلوہ گر کر سکتا۔ ہزاروں انبیاء علیہ السلام کی صداقت پہ ایمان رکھتا ہُوا اور سینکڑوں انبیاء علیہ السلام کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہُوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا تو جناب سیدنا مولانا حضرت محمد النبی الامی ہی کے وجود مسعود کا ذکر کر سکا، اور وہ نوشتہ پورا ہُوا جو قرآن حکیم کی آیت مبارک لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی ملیں گے۔ کیا رفعتِ ذکر کی کوئی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے۔ آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت۔ کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں کسی صدر یا وزیر کو اپنی سلطنت میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اس مُبارک نام أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ کا اعلان ہر روز و شب اس طرح پر کیا جاتا ہو۔ کہ پردہ ہائے گوشں کو چیرتا ہُوا دل کی گہرائی تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ بے شک یہ اعلےٰ خصوصیت صرف اسی برگزیدہ امامؐ کے نام نامی کو حاصل ہے جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ دار خود رَبُّ العٰلمین بنا۔

نجات کا راستہ

اسلام ایک زندہ جاوید اور تمام دنیا کے لئے عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام خدا عزوجل کا آخری پیغام ہے۔ اسلام سب سے اعلےٰ اور سب پر غالب طاقت ہے۔ اسلام تمدن و معاشرت کا ایک جہانگیری نظام ہے۔ اسلام کی زندگی اور طاقت جس شخص سے ہے۔ وہ خدا کا آخری پیغام اور آخری پیغامبر ہے، اور یہ دونوں معجزانہ طریقے سے حیات جاوید ہیں۔ قرآن کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ اصلی حالت میں موجود اور صاحب قرآن کی پوری زندگی کی ایک ایک ادا اس شان سے محفوظ ہے کہ گویا آج بھی بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہیں۔ علاوہ ازیں روحانین کی جماعت تھی۔ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام سے موسوم تھی۔ رزم و بزم صلح و جنگ۔ جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغ دعوت اسلام " غرضیکہ ہر میدان میں یہی جماعت اور اس کی روحانی طاقتیں کارفرما آتی ہیں۔ آج ان ہی پاک قدم کے نشان منزل حقیقی دین کا راستہ ہیں، اور انہی کی پیروی میں دین اور دنیا کی نجات ہے۔ گمراہی اور الحاد سے بچانے کے لئے صحابہ کبارؓ کے بعد تابعین تبع تابعینؒ، اولیاء کرامؒ و علماء عظامؒ کے پاک زندگیوں کے نشان قدم موجود ہیں۔ انہیں کی پیروی کتاب و سنت کا اتباع ہے۔ اور یہی حقیقت اور نجات کا سیدھا راستہ ہے۔ جو مفاد و ملت کی آمیزش و پیکار سے بہت بالاتر ہے۔ خلاصہ مطلب پس اس تمام بحث کا جو ہم نے مجمل طریق پر مذکورہ بالا مضمون میں بیان کیا اس کا ماحاصل بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ تمام عالم انسانیت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام نہایت ہی بلند ہے۔ وہ صرف ایک ہی کامل فرد ہے۔ جو تمام انسانی محاسن اور مناقب کو بدرجہ بغایت وکمال اپنے اندر مجتمع رکھتا ہے۔ کہ نہ صرف خوبیوں کا ایسا مکمل اجتماع کسی دوسرے شخص میں پایا جانا بالکل خارج از امکان ہے بلکہ کسی ایک ظاہری و باطنی خوبی کا بھی اس اتمام وکمال کے ساتھ کسی دوسرے شخص میں موجود ہونا۔ محالات میں سے ہے جیسا کہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سراپا برکات میں تھا۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

جواہرالقرآن

خُدا پرستی

خُدا پرستی انسانی فطرت کا خمیر ہے۔ اس لئے خدا پرستی کی کوئی بھی سچی بات انسان کے لئے انوکھی اور غیر معلوم بات نہیں ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت کے لئے سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی بات یہی ہے کہ خالق کائنات کا اقرار کرے۔ خدا پرستی کا جوش انسان میں نزول قرآن سے پہلے بھی موجود تھا۔ اس کی ربوبیت اور رحمت کے جلوے کبھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔ جزا و سزا کا اعتقاد سمندروں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ پرانا ہے ٹیڑھے راستے سے بچنے اور سیدھے راستے پر چلنے کی طلب نہ صرف انسان میں ہے بلکہ کیڑے مکوڑوں تک میں موجود ہے۔ انسان اپنی معیشت کے کسی عہد میں بھی اس درجہ مسخ نہیں ہوا کہ ان وجدانی تصورات سے اس کا ذہن خالی ہو گیا ہو۔ لیکن اس کی ساری محرومی یہ تھی کہ اپنے وجدان کی ٹھیک ٹھیک تعبیر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خدا کی ربوبیت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اُسے رب کہہ کر پکارنا نہیں جانتا تھا۔ اُس کی رحمت کے جلوے ہر آن اس کے سامنے تھے۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا۔ کہ اپنے دل کا احساس کیونکر لفظوں اور ناموں میں ادا کرے۔ جزا و سزا اس کے دل کے ایک ایک ریشے کا اعتقاد تھا۔ لیکن اسے معلوم نہ تھا۔ کہ اس کی صحیح تعبیر کیا ہے۔ ہدایت کی طلب اور گمراہی سے گریز تو عقل حیوانی کا فطری خاصہ ہے لیکن انسان کی ساری درماندگی یہ تھی کہ اس بات کی زیادہ سے زیادہ طلب رکھنے پر بھی طلب گاری کی راہ سے آشنا نہ تھا۔

دنیا میں جب بھی کبھی "وحیِ الٰہی" کی ہدایت نمودار ہوئی تو اُس نے یہ نہیں کہا کہ انسان کو نئی نئی باتیں سکھلا دی ہوں۔ کیونکہ خدا پرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھلائی ہی نہیں جا سکتی اس کا کام صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتا دے۔

اَللہ جل جلالہٗ

نزول قرآن سے پہلے عربی میں لفظ اللہ خدا کے لئے بطور اسم ذات کے مستعمل تھا

جیسا کہ شعرائے زمانہ جاہلیت کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی تمام صفات اس کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کے لئے نہیں بولا جاتا تھا لہٰذا قرآن نے بھی یہی لفظ بطور اسم ذات کے اختیار کیا۔ اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی اور جب ہم اس لفظ کے معنوی دلیلوں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس غرض کے لئے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

چنانچہ معبودیت کے لئے عبرانی، سُریانی، حمیری اور عربی وغیرہ تمام زبانوں میں اس کا جو لغوی اور معنوی خاصہ پایا جاتا ہے یہ الف۔ لام اور ہ کا مادہ ہے اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے۔ مثلاً کلدانی و سریانی کا "الاہیا" عبرانی کا "الوہ" اور عربی "اِلٰہ" اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی اِلٰہ جو حروف و تعریف کے اضافہ کے بعد "اللہ" ہو گیا ہے اور تعریف نے اِسے خالق کائنات کے لئے مخصوص کر دیا۔

لیکن اگر "اللّٰہ" اِلٰہ سے ہے تو اِلٰہ کے معنی کیا ہیں؟ علمائے لغت و اشتقاق کے مختلف اقوال ہیں مگر سب سے قوی قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ اِس کی اصل "اَلہٰ" "اَلہ" کے معنی تحیّر اور درماندگی کے ہیں پس خالق کائنات کے لئے یہ لفظ اس لئے اسم پایا کہ اس بارے میں انسان جو کچھ جانتا ہے اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیّر اور ادراک کی درماندگی کے سوا کچھ نہیں۔ انسان جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی کے بارے میں غور و خوض کرے گا۔ اس کی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی جائے گی آخر کار اس کو ماننا اور یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس راہ کی ابتدا بھی عجز و حیرت سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز و حیرت ہی ہے ؎

اے برون از وہم و قیل و قالِ من | خاک بر سر فرقِ من و تمثیلِ من

السَّلام

نزولِ قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیّل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا نسلوں، خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حد بندی کی طرح مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کرلی گئی تھی۔ ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا کہ دین کی سچائی صرف اس کے حصے میں آئی ہے اور جو انسان اس کی مذہبی گروہ بندی میں داخل ہے وہ نجات یافتہ ہے ا

جو داخل نہیں وہ نجات سے محروم ہے۔

ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل حقیقت محض اس کے ظاہری اعمال و رسوم تھے جو نہی ایک انسان اختیار کر لیتا یہ یقین کیا جاتا کہ نجات و سعادت اُسے حاصل ہو گئی مثلاً عبادت کی شکل و طریقہ۔ قربانیوں کے رسوم و قواعد، کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع قطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا

چونکہ یہ اعمال و رسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے اس لئے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ اُن کے علاوہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے کیونکہ اس کے اعمال و رسوم ویسے نہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔

ہر مذہبی گروہ کا دعوے صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچّا ہے بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے اور ہر گروہ صرف اتنے پر قانع نہیں تھا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا تھا کہ دوسروں کے خلاف تعصّب و نفرت پھیلائے اس صورت حال نے نوع انسانی کو ایک دائمی جنگ و جدال کی حالت میں مُبتلا کر رکھا تھا۔ مذہب اور خُدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اس کا خون بہانا جائز سمجھتا تھا

لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی سچائی کا ایک صحیح اور سادہ .ل پیش کیا۔

ا۔ اس نے نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذہب سچّے ہیں، اس نے کہا کہ دین خُدا کی عام بخشش ہے اس لئے ممکن نہیں کسی ایک قوم اور جماعت کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو، اور دوسروں کا کوئی حق نہ ہو۔

ب۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ خداوند تعالےٰ کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسانوں کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لئے ہے۔ پس پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں، اور ہر گروہ دُوسرے گروہ سے لڑ رہا ہے۔

ج۔ قرآن نے تو یہ بتلایا کہ خدا کا دین اس لئے تھا کہ نوعِ انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دُور ہو۔ اس لئے نہ تھا۔ کہ تفرقہ اور نزاع کی عِلّت بن جائے۔ پس اس سے بڑھ کر گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دُور کرنے کے لئے آئی تھی اُسی کو تفرقہ بنا لیا۔

د۔ دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح سب کو دیا گیا ہے۔ البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا۔ اور یہ اختلاف ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی۔ اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو۔ ویسے ہی احکام و اعمال اس کے لئے اختیار کئے جاویں۔ پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جاتا تم نے دین کی اصل حقیقت تو فراموش کر دی ہے محض شرع و منہاج پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

ہ۔ قرآن نے یہ بھی بتلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیاں اور ان کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دینِ حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی جو انسان بھی ایمان باللہ اور نیک اعمال کی راہ اختیار کرے گا اس کے لئے نجات ہے خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں داخل ہو یا نہ ہو۔

و۔ قرآن کی دعوت کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی کو از سرِ نو اختیار کر لیں تو دنیا میں صرف ایک ہی مذہب باقی رہ جائیگا جس کا نام "الدّین" اور "اسلام" ہے۔ یعنی امن و سلامتی کا گہوارہ۔

ز۔ خدا کا دین اس لئے نہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے بلکہ اس لئے ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے سے محبّت کرے اور سب ایک ہی پروردگار کے رشتۂ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں۔ جب سب کا پروردگار ایک ہے۔ جب سب کا مقصود اُسی کی بندگی ہے۔ جب ہر انسان کے لئے

وہی ہوتا ہے جیسا اس کا عمل ہے تو پھر مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ و نزاع کیوں ہے۔

پس اگر کوئی صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے تو وہ۔ وہی ہے جس کی دعوت لے کر قرآن مجید نمودار ہوا۔ قرآن میں یہ ارشاد ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور وہ سب کو دیا گیا ہے لیکن پیروانِ مذہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے دین کی حقیقت اور وحدت فراموش کر دی۔ اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں۔ اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آجائیں اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائیں، تو یقیناً مذاہب کے تمام تنازعات ختم ہو جائیں گے۔ ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی راہ بھی اصلاً وہی ہے جو اور تمام گروہوں کی راہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ حقیقت "الدین" ہے اور اسی کو "السلام" کے نام سے پکارا جاتا ہے

صراطِ المُستقیم

چنانچہ اسی پیام پر سورۃ فاتحہ میں جس دعا کی تلقین کی گئی وہ "صراط المُستقیم" پر چلنے کی طلب گاری ہے "صراط" معنی راہ کے ہیں اور "مستقیم" کے سیدھی راہ ہے جس میں کسی طرح کا پیچ و خم نہ ہو اور پھر اس راہ کی پہچان یہ بتلائی "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝" یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر خدا کا انعام ہوا۔ ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے اور نہ ان کی جو گمراہ ہیں۔

انعام یافتہ انسان:- انعام یافتہ انسان کون ہیں جن کی راہ سیدھی ہوتی ہے تو ان میں سب سے اعلیٰ و ممتاز درجہ انبیا علیہم السلام کا ہے۔ ان کے بعد صدیقین، شہدا و صالحین کا ہے "انبیا" سے مقصود وہ تمام برگزیدہ ہستیاں ہیں جو خدا کی وحدانیت اور سچائی کے پیامبر ہیں جو نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے "صدیقین" سے خدا کی وہ سعید ہستیاں ہیں جن کی فطرت سچائی کے سانچے میں کچھ اس طرح ڈھلی ہوتی ہو کر سچائی کے خلاف کوئی بات اس میں اثر نہ کر سکے "شہید" کے معنی گواہ کے ہیں یعنی

اپنے قول و فعل سے حق و صداقت کا اعلان کرنے والے ہوں "صالحین" سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو نیک اعمال کی راہ میں استقامت رکھیں اور ہر قسم کی برائیوں سے اپنا دامن پاک رکھیں امر و نہی کے درمیان راہ اختیار کرنے والے ہوں۔

دنیا کے تمام نبیؑ۔ تمام صدیق۔ تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان خواہ وہ کسی قوم و ملک میں ہوئے ہوں قرآن کے نزدیک "انعام یافتہ انسان ہیں اور انہی کی راہ" صراط مستقیم ہے۔

دین کی حقیقی راہ کا سیدھی ہونا اور خود ساختہ گروہ بندیوں کی راہوں کا پُر پیچ و خم ہونا ایک ایسی حقیقت ہے۔ جسے ہر انسان بغیر کسی عقلی کاوش کے سمجھ سکتا ہے خدا کا دین اگر انسان کی ہدایت کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ خُدا کے تمام قوانین کی طرح یہ بھی صاف اور واضح ہو۔ اس میں کوئی راز اور پیچیدگی نہ ہو۔ ناقابل حل مُعمّہ نہ ہو اعتقاد میں سہل اور عمل میں ہلکا و عام فہم ہو۔ اور ہر شخص اس سے مطمئن ہو جائے۔ غور کرو یہ تعریف کس راہ پر صادق آتی ہے۔ ان مختلف راہوں پر جو پیروانِ مذاہب نے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے بنالی ہیں یا اس ایک ہی راہ پر جسے قرآن اصل دین کی راہ بتلاتا ہے ان گروہ بندیوں میں سے کوئی گروہ بندی ایسی نہیں ہے جو اپنے لوگوں عقیدوں۔ ناقابل فہم عقدوں اور ناقابل برداشت عملوں کی ایک طول و طویل فہرست نہ ہو۔ لیکن قرآن جس راہ کو دینِ حقیقی کی راہ کہتا ہے۔ تو وہ راہ اتنی واضح اتنی سادہ اتنی سہل اور اتنی مختصر ہے کہ عقائد و اعمال کی پوری فہرست دو لفظوں میں ختم کردی گئی "**ایمان اور عمل صالح**" یعنی خُدا پرستی اور نیک عملی اس کے عقائد میں عقل کے لئے کوئی بوجھ نہیں۔ اس کے اعمال میں طبیعت کے لئے کوئی سختی نہیں۔ ہر طرح کے پیچ و خم سے پاک ہر معنی میں اعتقاد و عمل کی سیدھی راہ۔

بہر حال "قرآن کا پیرو" وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے۔ وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ۔ کسی خاص عہد کی خود ساختہ راہ ہو۔ بلکہ خُدا کی عالمگیر سچائی کی راہ ہو۔ اور جو ہر جگہ و ہر عہد میں نمایاں ہوتی ہے اور ہر طرح کی جغرافیائی اور جماعتی حد بندیوں کے امتیازات سے پاک ہے۔

پس صراطِ مستقیم پر چلنے کی طلب زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت

کی راہ پہ چلنے کی راہ ہوتی۔ اور اسی لئے سعی و عمل کے ہر گوشہ میں انعام یافتہ گروہ ہی ہو سکتا ہے جسکی راہ صراط مستقیم ہو۔ قرآن حکیم میں صراط مستقیم کی پہچان صرف اس کے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی بلکہ اس کا ضد و مخالف پہلو بھی واضح کر دیا گیا ہے "غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیہِم وَلَا الضَّآلِّینَ ٥ یعنی ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوتے اور نہ ان کی راہ جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے ہوں۔

مغضوب علیہ کون ہیں ؟

"مغضوب علیہ گروہ" منعم علیہ کی بالکل ضد ہے۔ کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے اور قانون الٰہی یہی ہے کہ راست باز انسانوں کے حصے میں انعام آتا ہے اور نافرمانوں کے حصے میں غضب اور "گمراہ" وہ ہیں جو راہ حق نہ پا سکے اور اس کی جستجو میں بھٹک گئے۔ پس مغضوب وہ ہوئے جنہوں نے راہ پائی اور اس کی نعمتیں بھی پائیں۔ لیکن پھر بھی اس سے منحرف ہو گئے۔ نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کر لی اور یہ گروہ "یہود" ہے اور گمراہ وہ ہیں جو راہ ہی نہ پا سکے اس لئے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور "صراطِ مستقیم" کی سعادتوں سے محروم ہیں یہ نصاریٰ ہیں۔

مجرم دونوں گروہ ہوئے مگر یہ ظاہر ہے کہ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے کیونکہ اس نے نعمت حاصل کر کے پھر اس سے روگردانی کی۔ اسی لئے اسے مغضوب کہا گیا ہے۔ اور دوسرے کی حالت صرف جہالت کی وجہ سے گمراہی سے تعبیر کی گئی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کو گمراہ کرنے والے بھی یہود ہی ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید ایک طرف تو انعام یافتہ جماعتوں کی کامرانیوں کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ دوسری طرف مغضوب اور گمراہ جماعتوں کی محرومیوں کو بار بار سناتا ہے پھر جا بجا ان سے عبرت و بصیرت کے نتائج سے متنبہ کرتا ہے۔ جن نتائج پہ قوموں اور جماعتوں کے عروج و زوال کا انحصار ہے وہ کھول کھول کر بتاتا ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی ان ان اعمال کا انعام تھے۔ اور مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی ان بد اعمالیوں کی پاداش میں تھی۔ اچھے نتائج کو انعام کہتا

ہے کیونکہ یہ فطرت الٰہی کی قبولیت ہے اور برے نتائج کو "غضب" کہتا ہے۔ کیونکہ یہ قانون الٰہی کی پاداش ہے۔ قرآن شریف ارشاد فرماتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ ترجمہ: تم سے پہلے بھی دنیا میں (خدا کے) احکام قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں۔ پس ملکوں کی سیر کرو۔ دیکھو ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنھوں نے اللہ کے احکام و قوانین کو جھٹلایا تھا۔

خداوند عالم کے تمام رسولوں کی دعوت "صراطِ مستقیم" کی دعوت تھی۔ سورہ نحل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ہے "وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝" (۱۶: ۱۲۱) سورہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی سے ارشاد ربانی سنیئے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ" سورہ انعام میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا پھر سلسلہ ابراہیمی کے بہت سے نبیوں کا، جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے اس کے بعد کہا ہے۔ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۶: ۸۷)

اصل یہ ہے کہ خداوند عالم کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے صراطِ مستقیم سے بہتر اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی تھی۔ تم کسی مقام تک پہنچنے کے لئے کتنی ہی راہیں نکال لو۔ لیکن سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہی ہوگی۔ اور اسی پر چل کر ہر مسافر منزل مقصود تک بحفظ و امان پہنچ سکے گا۔ علاوہ بریں سیدھی راہ ہی ہمیشہ شاہراہ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ تمام مسافر خواہ کسی گوشہ کے رہنے والے ہوں لیکن سب اس پر چل کر وہی راہ اختیار کریں گے اور کبھی یہ نہ کریں گے کہ الگ الگ ٹولیاں بنا کر ٹیڑھی ترچھی راہوں میں متفرق ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اسی طرح دین کی راہ بھی ایک ہی ہے بہت سی نہیں ہو سکتیں اور وہ اوّل دن سے موجود ہے۔ ہر عہد، ہر قوم، ہر ملک اور ہر گروہ اسی پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا ہے۔ بعد کو پیروان مذاہب نے ایسا کیا کہ بہت سی ٹیڑھی ترچھی راہیں نکال لیں۔ اور ایک راہ پر متفق رہنے کی بجائے الگ الگ ٹولیاں بنا کر متفرق ہو گئے۔ اب اگر تم چاہتے ہو کہ منزلِ مقصود کا سراغ پاؤ تو چاہیئے کہ ایسی سیدھی

راہ پر اکٹھے ہو جاؤ۔ فهو طريقاً مستقيماً وسهلاً۔ مسلوكاً ء واسعاً موصلاً الی المقصود۔ قرآن کہتا ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ اور اے پیغمبر بلاشبہ تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو۔" صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۔ صراط اللہ یعنی اللہ کی راہ کی طرف وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ ہاں یاد رکھو (کائنات خلقت) کے تمام کاموں کا مرجع اس کی ذات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یوں سمجھ لو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے۔ بالکل سیدھا۔ اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا کہ یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنائے گئے ہیں اور ان میں سے کوئی راستہ ایسا نہیں جس کی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی۔" وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا الی اخرہ۔"

بابِ رحمت

خداوند تعالےٰ کو رحمٰن۔ رحیم۔ غفار۔ حلیم۔ غفور۔ کریم۔ برّ۔ عفو۔ رؤف کہتے ہیں اور ان ناموں کا ورد کرتے ہیں۔ آدمی کتنا ہی پارسا اور پرہیز گار ہو۔ اپنی اطاعت اور عبادت پر ہرگز بھروسہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے تمام لوگ خواہ کسی مذہب کے ہوں۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور مغفرت کے ہی طالب ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کے عفو و کرم کے ہی اُمیدوار ہوتے ہیں۔ خدا سے عدل و انصاف کا کبھی کسی طالب نے تقاضہ نہیں کیا۔ نہ کوئی کر سکتا ہے۔ اس کے غضب سے تمام دُنیا ڈرتی ہے۔ اور سوائے اس کی آغوشِ رحمت کے کسی کا کوئی ملجا و ماوا نہیں۔ انسان کی رُستگاری صرف اس کی مغفرت پر منحصر ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اُس کا دامن عاطفت وسیع نہ ہو تو اس کے قہر و غضب سے کسی کی نجات نہیں ہو سکتی۔ انسان خطا وار اور نسیان کا پتلا ہے اگر اس کے حساب کتاب میں رحمت و فضلِ الٰہی شامل حال نہ ہوں

تو اس کی عبادت و پرہیزگاری اس کو رہائی نہیں دلا سکتی۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ
ارشاد ہے۔ "سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ" یعنی میری رحمت میرے غضب پر
سبقت لے گئی ہے۔

حقیقت میں اگر انسان کی جزا و سزا اس کے نامۂ اعمال کے موازنہ پر ہی مو
ہو۔ تو نتیجہ معلوم ہے کسی حساب کی چنداں ضرورت نہیں۔ اسی لئے شیخ سعدی علیہ
فرماتے ہیں ؎

اگر خشم گیری بقدر گناہ
بدوزخ فرست و ترازو مخواہ

پس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آدمی ہر وقت خدا کی مغفرت کا طالب
اور اس کے لطف و کرم پر بھروسہ رکھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خدا
رحمت پر مغرور ہو کر آداب شریعت کا لحاظ نہ کرے۔ گناہوں سے نہ ڈرے
اعمال میں کوتاہی کرے۔ شیخ سعدی علیہ رحمۃ نے بہت درست فرمایا ہے ؎

اے غرّہ بر رحمت خداوند ۔۔۔ در رحمت او کسے چہ گوید
ہرچند موثر است باراں ۔۔۔ نادانہ نیفگنی نہ روید

قرآن نے رحمتِ الٰہی کی وسعت اور اس کی مغفرت و بخشش کی فراوانی کا
نقشہ کھینچا ہے۔ اس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ کتنے ہی گناہ ہوں۔ کتنے ہی سخت
گناہ ہوں۔ کتنی ہی مدت کے گناہ ہوں لیکن ہر اس انسان کے لئے جو اس کے
دروازۂ رحمت پر دستک دے۔ محبت و قبولیت کے سوا اور کوئی صدا نہیں ہو سک
چنانچہ قرآن نے جا بجا حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اس کے بندوں
رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے جس کے لئے معبود
صرف معبود ہی نہ ہو۔ بلکہ محبوب بھی ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط ترجمہ:۔ اور (دیکھو) انسان میں سے کچھ انسان
ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو خداوند تعالیٰ کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ انہیں اسی طرح
چاہنے لگتے ہیں۔ جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے حالانکہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں

ان کی زیادہ سے زیادہ محبّت صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے (۲ : ۱۶۵)

اطاعتِ پیغمبرؐ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳ : ۲۹) ترجمہ: اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے کہدو۔ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ تو تمہیں چاہیئے کہ میری پیروی کرو اگر تم نے ایسا کیا تو صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبّت کرنے والے ہوجاؤگے بلکہ خود اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہاری سب خطائیں بخشدے گا۔ وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

حقوق العباد ہی خدا تک پہنچنے کا آسان راستہ ہے۔

قرآن جابجا اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیّت ہے۔

لیکن بندے کے لئے خدا کی محبّت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبّت میں سے ہوکر گزری ہے جو انسان خدا کی محبّت کا طلبگار ہے۔ اسے چاہیئے خدا کے بندوں سے محبّت کرنا سیکھے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝ (۷۶ : ۸) ترجمہ: اور جو اپنا مال اللہ کی محبّت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں۔ اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کھانا کھلانا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لئے ہے۔ نہ تو ہم تم سے کچھ بدلہ چاہتے ہیں۔ نہ کسی طرح کی شکر گزاری۔

قرآن اوّل سے لے کر آخر تک رحمتِ الٰہی کا پیام ہے۔

اسی طرح قرآن نے اعمال و عبادات کی جو شکل و نوعیت قرار دی ہے

اخلاق وخصائل میں جن جن باتوں پہ زور دیا ہے۔ اوامر ونواہی میں جو جو اصول ومبا
ملحوظ رکھے ہیں۔ اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو ان سب میں بھی اس کی رحمت ہی جلوہ گر نظر
آتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت کے ساتھ نہیں د
ہے۔ اور نہ کوئی مطلب اس قدر اس کے صفات میں نمایاں ہے۔ جس قدر "رحمت" ہے
اگر قرآن کے وہ تمام مقامات جمع کئے جاویں جہاں "رحمت" کا ذکر ہے تو تین س
سے زیادہ مقامات ہوں گے۔ اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر لئے جائیں جہاں اگرچہ
لفظ رحمت استعمال نہیں ہوا ہے لیکن ان کا تعلق رحمت ہی سے ہے۔ مثلاً ربوبیت
رافت، کرم، حلم عفو وغیرہ تو پھر یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مفسرین کے لفظو
میں "قرآن اول سے لے کر آخر تک" اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمتِ الٰہی کا
پیغام ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول و فعل و عمل سے اسلام
جو حقیقت ہمیں بتلائی ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ خدا کی موحدانہ پرستش اور اس کے
بندوں پر شفقت و رحمت، ایک حدیث جس کے راوی طبرانیؒ و ابن جریرؒ ہیں ہمیں بتلا
ہے انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء خدا کی رحمتِ الٰہی بندوں کے لئے
ہے جو اس کے بندوں کے لئے رحمت رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا مشہو
کلمہ وعظ" زمین والوں پہ رحم کرو، تاکہ وہ جو آسمانوں پہ ہے تم پہ رحم کرے اور اسی
طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الرحمٰن تبارک تعالیٰ ارحمو
من فی الارض یرحمکم فی السماء، اتنا ہی نہیں، بلکہ اسلام نے انسانی رحمت و شفقت
کی جو ذہنیت پیدا کرنا چاہی ہے وہ اس قدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہ
نہیں ہیں۔ بہت سی حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں
کے لئے ہے۔ اگرچہ یہ رحم ایک چڑیا کے لئے کیوں نہ ہو۔

انسان صفاتِ الٰہی کا پرتو ہے

اصل یہ ہے کہ قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اسی جذبہ پر رکھی ہے کہ انسان خدا
کی صفت کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے وہ انسان کے وجود کو ایک ایسی سرحد قرار دیتا

ہے جہاں حیوانیت کا درجہ ختم ہو جاتا ہے اور ایک ما فوق حیوانیت درجہ شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ انسان کا جوہر انسانیت جو اسے حیوانات کی سطح سے بلند و ممتاز کرتا ہے سا اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان صفاتِ الٰہی کا پَرتو ہے۔ اور انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ صفاتِ الٰہی سے تخلق اور تشبہ پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں کہیں بھی انسان کے مخصوص صفات کا ذکر کیا ہے انہیں براہِ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے حتیٰ کہ جوہرِ انسانیت کو خدا کی اپنی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا ہے۔ پس اگر وہ خدا کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس لئے ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم بھی سرتاپا رحمت اور محبت ہو جائیں۔ اگر وہ اس کی ربوبیت اُس کی رافت و شفقت کا ذکر کرتا ہے۔ اُس کے لُطف و کرم کا جلوہ دکھاتا ہے۔ اس کے جُود و احسان کا نقشہ کھینچتا ہے تو اسی لئے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم میں بھی ان الٰہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہو جائے۔ وہ بار بار ہمیں سُناتا ہے کہ خدا کی بخشش و درگزر کی کوئی انتہا نہیں۔ اور اس طرح یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کے لئے بخشش و درگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جانا چاہیئے۔ اگر ہم اُس کے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی خطاؤں کے لئے اس کی بخشائشوں پر اُمید رکھیں۔

اللہ "اَلْحَیُّ" ہے یعنی زندہ ہے اس کے لئے فنا نہیں زوال نہیں "اَلْقَیُّوْمُ" یعنی ہر چیز اس سے قائم ہے وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے حیّ و قیّوم ہونے کا مقتضیٰ یہی تھا کہ انسان کی زندگانی و قیام کی تمام احتیاجات مہیا کر دے۔ احتیاجات دو طرح کی ہیں۔ جسمانی و روحانی، اُس نے جس طرح پہلی کا انتظام کیا ہے اسی طرح دوسری کا بھی سر و سامان کیا ہے۔

رُوحانی احتیاجات کے لئے انسان کو دو چیزیں دی گئیں۔ اَلْکِتَاب اور اَلْفُرْقَان الکتاب خدا کی وحی ہے۔ جو ہدایت وسعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے الفرقان جوہرِ عقل ہے جو اسے سمجھتا اور قبول کرتا ہے۔ پہلی چیز تعلیم ہے۔ دوسری تعلیم کی استعداد ہے پہلی ہدایت کی قوت کی فاعلہ ہے دوسری منفعلہ ہے۔

سُنتِ الٰہی اس بارے میں یہ ہے کہ جو لوگ کفر و سرکشی کے ساتھ الکتاب کا مقابلہ

کرتے ہیں۔ اور القرآن یعنی جو ہر عقل و تمیز سے کام نہیں لیتے تو ان کے لئے دنیا میں نامراد ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب ہو گا جس حیّ و قیوم کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اس کو مناسب و موزوں صورت دے دیتا ہے۔ کیا ضروری نہیں کہ پیدائش کے بعد روحانی و فلاح و سعادت کی بھی صورت آرائی کر دیتا۔

آیاتِ محکم و متشابہ

کتاب اللہ کی تعلیم ہمیشہ دو اصولی قسموں پر مشتمل ہوتی ہے محکم اور متشابہ محکم سے مقصود وہ مطالب ہیں جو اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس لئے انسانی عمل کے لئے صاف صاف کھلے احکام ہیں مثلاً توحید و رسالت، اوامر و نواہی، حلال و حرام۔ متشابہ سے مقصود وہ مطالب ہیں جن کا تعلق ماوراء عقل و حقائق سے ہے اور انسان علم و حواس کے ذریعے ان کا ادراک نہیں کر سکتا۔ مثلاً خدا کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، عالمِ آخرت کے احوال، عذاب و ثواب کی حقیقت، پس ناگزیر طور پر ان کا بیان ایسے پیرایہ میں کیا جاتا ہے۔ کہ فہم انسانی کے لئے ناقابل برداشت نہ ہو اس لئے تشبیہ اور مجاز سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کج فہمی سے کاوش کرے تو طرح طرح کے معانی و مباحث کے احتمالات پیدا کر سکتا ہے۔

پس جو لوگ عقل و علم میں پکے ہوتے ہیں۔ وہ عمل و ہدایت کے لئے محکمات کو الکتاب کی اصل سمجھتے ہیں اور متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے۔ کیونکہ ان میں مغز زنی سود مند عمل نہیں۔ اور جو الرّاسخون فی العلم ہیں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ متشابہات کی حقیقت کا ادراک عقل انسانی کی پہنچ سے باہر ہے گو وہ خلافِ عقل نہیں ہیں مگر ماوراء عقل ضرور ہیں۔ انسان ان پر یقین کر سکتا ہے۔ مگر ان کی حقیقت نہیں پا سکتا۔ پس وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی اللہ کے کلام میں ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس سے آگے قدم نہیں بڑھانا چاہتے۔ لیکن جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہوتی ہے۔ وہ متشابہات کی طرح طرح کی من گھڑت تاویلیں کر کے ایمان و یقین کے لئے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں (مختص خلاصہ سورہ آل عمران آیتہ ۱ تا ۵)

دینِ الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کا قانون کیا ہے؟ میزانِ عدل کا قیام ہے جس پر تمام کائناتِ عالم چل رہا ہے۔ اس کی معرفت دین حاصل ہو سکتی ہے۔ کائناتِ ہستی کی شہادت پر غور و تدبّر کیا جائے۔

شہادتیں تین ہیں۔ اللہ کی بذریعہ وحی و ملائکہ کی یعنی مدبّرات ارضی و سماوی کی۔ اولو العلم کی یعنی اصحابِ علم و بصیرت کی یہ تینوں شہادتیں اعلان کر رہی ہیں کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اور اس نے تمام کارخانہ ہستی میزانِ عدل پر استوار کیا ہے۔

انسان کو اوّل دن سے ایک ہی دین دیا گیا ہے اور وہ یہی "اسلام" ہے تمام رہنمایانِ عالم نے ہمیشہ اسی کی تعلیم دی، اور تفرقہ و اختلاف سے روکا۔ یہود اور نصاریٰ کا باہمی تفرقہ اور گروہ بندی اس لئے پیدا ہوئی کہ انہوں نے اصل دین سے انحراف کیا آپس کی ضد اور تعصب میں پڑ گئے (خلاصہ آیت نمبر ۱۹ آل عمران)

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت ہی خدا کی محبّت ہے

جو کوئی اللہ سے محبّت رکھنے کا دعویدار ہے تو اُسے چاہیئے کہ اللہ کے رسُولؐ کی پیروی کرے۔ اللہ کی محبّت کا دعوےٰ اور اس کی راہ بتانے والے سے انکار ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ خُدا کا قانون یہ ہے کہ ہدایتِ خلق کے لئے اپنے رسُولوں کو مبعوث کرتا ہے جو ان کی اطاعت و پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔ کامیاب ہوتے ہیں جو انکار و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کی نصرت سے محروم رہتے ہیں چنانچہ اسی قانون کے ماتحت اللہ کے رسُول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہے جو ان کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔ کامیاب ہوتے ہیں جو انکار و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کی نصرت سے محروم رہتے ہیں چنانچہ اسی قانون کے ماتحت اللہ کے رسول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کا نتیجہ ظہور میں آیا۔ پیروی اور اطاعت کرنے والوں نے کامیابی پائی۔ اور مقابلہ کرنیوالوں کے حصّے میں نامرادی آئی۔ (آل عمران آیت ۲۹)

خَیرُ الاُمم

تُم تمام امتوں میں سے بہتر اُمّت ہو جو ہدایت. وارشاد خلق کے لئے وجود میں

آئی۔ یہ حیثیت ایک جماعت کے تمہارا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ نیکی کا حکم دینے وا
اور برائی سے روکنے والے اور اللہ پہ ایمان رکھنے والے ہو قرآن نے مسلمانوں کا
نصب العین یہ نہیں قرار دیا کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور نہیں یا سب سے زیادہ ط
بنیں یا سب سے زیادہ " برتر" گروہ ہوں۔ کیونکہ طاقت اور برتری میں جماعتی گھ
اور قومی حرص و آز کا لگاؤ تھا۔ اور یہ بات انسانیت کے امن و سلامتی اور مساو
اخوت کے منافی تھی۔ پس خیر اور بہتر ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی تمام تر رو
اخلاق اور معنوی محاسن پہ مبنی ہے۔ جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا کہ
سب سے اچھی اور نیک ہو۔ وہ کبھی مادی طاقتوں کے غرور اور قومی نخوت و
کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہو سکتی۔

اگر یہود و نصاریٰ سے ایمان و ہدایت کی روح مفقود نہ ہو گئی ہوتی تو
آج اس نعمت خیر و برکت کے مستحق ہوتے۔

اِفراط و تفریط سے بچو

اہل کتاب کی ایک بہت بڑی گمراہی دین میں " غلو" ہے۔ یعنی حقیقت و اعتد
سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے جانا۔ اگر کسی کی محبت و تعظیم پر آئے تو اتنی تعظ
کی کہ اُسے خدا کے درجے تک پہنچا دیا مخالفت پر آئے تو اتنی مخالفت کی کہ اس ک
صداقت سے ہی انکار کر دیا۔ اگر زہد و عبادت پہ آئے تو اتنی عبادت کی کہ اتنی دُو
چلے گئے کہ " رہبانیت " تک پہنچ گئے۔ اگر دُنیا کے پیچھے بھاگے تو اتنے چھوٹے
ہو گئے کہ نیک و بد کی تمیز اُٹھا دی۔ (خلاصہ آیت ۱۶۹ النسآء)

یہود و نصاریٰ اسی گمراہی کا شکار رہتے۔ یہاں خطاب عیسائیوں سے
ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و تعظیم میں اس قدر " غلو" کیا کہ انہیں
خُدا کا بیٹا بنا دیا۔ اور ایک خُدا کی جگہ تین خداؤں کا اعتقاد پیدا کر لیا۔ یعنی باپ
بیٹا، اور رُوحُ القدس ہے۔

نورِ مُبین

دینِ حق "برہان" ہے یعنی سرتا سر دلیل و حُجّت اور قرآن "نورِ مُبین" ہے۔ یعنی واضح و آشکار روشنی برہان کے ساتھ جہل وگمان جمع نہیں ہو سکتا اور روشنی کے ساتھ تاریکی راہ نہیں پا سکتی۔ (خلاصہ آیات النساء ۱۷۴)

دین کے بارے میں انسان کی عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ وہ ہمیشہ ماورائے فطرت عجائب و غرائب کا خواہشمند رہتا ہے۔ اس کی عجائب پسند طبیعت اس پہ قانع نہیں ہوتی کہ سچائی اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو جائے۔ یہی گمراہی جس نے پیروانِ مذاہب کی راہ کو۔ توہم پرستیوں کی راہ بنا دیا۔ اور اسی گمراہی کا نتیجہ ہے۔ کہ داعیانِ مذاہب کو انسانیت کی سطح سے بلند کر کے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا۔

لیکن قرآن اس لئے آیا تھا کہ اس قسم کی تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دے چنانچہ سورہ انعام آیۃ (۵۰) نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت واضح کر دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرا دعوٰی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ کی وحی نے مجھے وہ راہ دکھلا دی ہے۔ خود بھی اس پر چلتا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہوں۔

مومن و مُنکر

"مومن" وحی و نبوّت کی ہدایت اور علم و یقین کی روشنی اپنے سامنے رکھتا ہے اس لئے فلاح و سعادت کی راہ سے کبھی نہیں بھٹک سکتا۔ لیکن مُنکرِ حق کے سامنے کوئی روشنی نہیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک شخص بیابان میں کھو گیا ہو اور حیران و سرگردان پھر رہا ہو۔ کبھی ایک طرف کو دوڑے کبھی دوسری طرف کوئی معین اور یقینی راہ اُس کے سامنے نہ ہو۔

ایمان اور کفر کی حیثیت سمجھنے کے لئے اس مثال پہ غور کرو اور جس قدر غور کرتے جاؤ گے حقیقت کی وضاحت بڑھتی جائے گی۔ (خلاصہ آیۃ ۷، سورہ انعام)

تخلیقِ بالحقّ

آیت (۷۲، الانعام) میں "تخلیقِ بالحقّ" کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی کائنات خلق
کی تمام باتیں یقین دلاتی ہیں کہ کارخانۂ علم و حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ وہ خالق ما
جو اس کارخانہ ہستی کا بنانے والا ہے۔ جو چاہتا تھا کہ ایک منتظم، مرتب کامل ا
حسن وخوبی رکھنے والا کارخانہ وجود میں آجائے (دیکھو آل عمران : ۱۸۸) الانعام ۷
جن چیزوں کو ہم اپنے پانچ حواس ظاہری سے محسوس کر سکتے ہیں وہ ہمارے
مشہود ہیں اور جنہیں محسوس نہیں کر سکتے وہ پوشیدہ ہیں۔ پس قرآن ان کے لئے
شہادت اور عالم غیب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کی یہ تمام شخصیتیں جن کا ذکر سورہ ا
(۸۴ تا ۸۷) تک ذکر کیا گیا ہے دین حق پر کہ توحید کی راہ ہے کاربند ہوئے اور
نے انہیں کتاب و نبوّت کی برگزیدگی کے لئے چن لیا پس اے پیغمبر تم بھی اُن ہی
نقشِ قدم پر چلو۔ عنقریب خدا ایک گروہ سچے مومنوں کا پیدا کر دے گا جو اس
کی پیروی و حفاظت اپنے ذمہ لے گا، اور انکار کرنے کی جگہ سچائی کا شناسا ہوگا
چنانچہ مہاجرین اور انصار کا گروہ پیدا ہوگیا جس نے دینِ حق و توحید کی راہ اپنے
لے لی۔ (خلاصہ آیات ۸۸-۸۹، انعام)

منکرینِ وحی کا رد

(سورہ انعام آیات ۹۱ سے ۹۴) میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو وحی و کتاب
تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے، خدا کی طرف سے کوئی کتاب کسی انسان پر نازل نہیں
سکتی یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

منکرین تنزیلِ وحی دو طرح کے لوگ تھے۔ پہلا گروہ علماء اہل کتاب کا تھا۔ یہ ل
اگرچہ وحی و تنزیل کے منکر نہ تھے لیکن تعصب اور نفسانیت کی وجہ سے نزولِ قرآن

اظہار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کا کلام کبھی اس طرح نازل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ عرب میں یہی لوگ پڑھے لکھے اور باخبر سمجھے جاتے تھے اس لئے مشرک بھی ان کی باتوں سے حجت پکڑتے۔ یہ دوسرا گروہ منکرینِ وحیؔ و نبوت کا تھا اس کے بعد آیات (۹۵ تا ۹۹ الانعام) منکرین تنزل وحی کو حقیقی جواب دیا گیا ہے۔

جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ حال ہے کہ اس نے تمہاری زندگی معیشت کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا ہے اور کارخانہ خلقت کی کوئی چیز ایسی نہیں جو فیضان وافادہ نہ رکھتی ہو کیونکر ممکن تھا کہ تمہارے جسم کی ہدایت و پرورش کے لئے تو سب کچھ کر دیتا مگر تمہاری رُوح کی پرورش و ہدایت کے لئے کچھ بھی نہ کرتا۔

رُوح کی پرورش و ہدایت کا یہی سروسامان ہے جو وحی و تنزیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تم کہتے ہو کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تو یقیناً تم نے خدا کی صنعتوں اور کاموں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اُسے اس کی منزلت سے گرا دینا چاہا جس کی تمام کائنات ہستی شہادت دے رہی ہے۔

وہ جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ کیا تمہاری رُوح کی موت کو زندگی سے بدل دینے پر قادر نہیں۔ روشن علامتوں سے بیابانوں اور سمندروں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ کیا تمہاری روح کو چھوڑ دے گا کہ بھٹکتی رہے اور اس کی رہنمائی کے لئے کوئی روشنی نہ ہو؟ تم اس بات پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ کھیت لہلا رہے ہیں۔ اور آسمان سے بارانِ رحمت برس رہی ہے پھر اس بات پر کیوں تعجب کرتے ہو کہ انسان کی رُوحانی پرورش کے لئے سامان حیات مہیا ہے اور خدا کی وحی نازل ہو رہی ہے۔ افسوس تم پر۔ تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی ہے۔ (۹۶، ۹۷ سورہ انعام)

گذشتہ آیات میں ایک طرف منکرین وحی و تنزیل کو جواب دیا ہے۔ دوسری طرف کارخانہ ہستی کے "نظامِ ربوبیت" سے خدائے واحد کی ہستی پر استدلال کیا ہے، اور یہ قرآن کا عام اسلوب بیان ہے۔ "نظام ربوبیت" سے مقصود یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کائنات خلقت ہماری پرورش اور کارسازی میں سرگرم عمل ہے۔ اور اس کی تمام باتیں کچھ اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے بڑی حکمت اور دقیقہ سنجی کے

ساتھ ہماری ہر طرح کی احتیاجات پرورش کا اندازہ کیا ہے اور اس کے لئے ایک پورا کارخانہ جاری کر دیا ہے۔

بُرہانِ ربُوبیّت

قرآن کہتا ہے۔ اگر ایک پروردگار کی ہستی موجود نہیں۔ تو پھر وہ کون ہے جس نے ربُوبیّت کا پُورا نظام و انتظام قائم کر رکھا ہے؟ وہ توحید پر بھی استدلال کرتا ہے۔ تم نے خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو معبُود بنا رکھا ہے ان میں سے کون ہے جسے اس کارخانہ ربُوبیّت کے بنانے چلانے میں دخل ہو۔ قرآن کا یہ استدلال برہان ربُوبیّت کا استدلال ہے۔

(آیت ۱۰۰ الانعام) میں مُشرکین عرب کے مُشرکانہ عقائد کا رد کیا ہے۔ یہ لوگ جنّوں کی نسبت طرح طرح کے توہّم پرستانہ خیالات رکھتے تھے اور سمجھتے وہ جس انسان کو چاہیں مافوق الفطرت طریقہ پر نقصان پہنچا دیں اور جسے چاہیں عجیب وغریب طاقتیں بخشدیں۔ نیز ان کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور کارخانہ عالم میں طرح طرح کے تصرّفات کر سکتے ہیں۔

(آیت ۱۲۲ سورہ انعام) میں ایمان وکفر کی مثال بیان کی۔ ایمان زندگی ہے اور علم و بصیرت کی روشنی ہے۔ کفر موت ہے اور اوہام و ظنون کی تاریکی۔ پھر کیا وہ آدمی جس کے روشنی ہو اس جیسا ہو سکتا ہے جس کے چاروں طرف تاریکی ہو؟

پس مومن کے لئے جس کے تمام عقائد و اعمال علم ویقین پر مبنی ہیں۔ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ کفر و شرک کے اوہام وخرافات کا اثر قبول کرے؟ (آیت ۱۲۳ الانعام) فرمایا کہ جب کسی آبادی میں کوئی داعیِ حق کھڑا ہوتا ہے تو وہاں کے سردار دیکھتے ہیں کہ دعوتِ حق کامیاب ہوگئی تو اُن کی سرداری اور اُن کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہو جائے گا اس لئے انہیں ایک ذاتی دُشمنی اور کد ہو جاتی ہے۔ وہ طرح طرح کی مکاریاں کرتے ہیں تاکہ لوگ دعوتِ حق کو قبول نہ کریں۔

مُشرکینِ عرب کا اعتراض

(اگر خُدا چاہتا تو ہم گمُراہ نہ ہوتے)

(آیت ۱۴۹، الانعام) مُشرکین عرب کہتے تھے اگر ہمارا اور ہمارے باپ دادا کا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے تو کیوں خُدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ کیوں اس نے ایسا نہ چاہا کہ ہم گمراہ نہ ہوتے؟ جب سب کچھ اس کی مشیئت سے ہوتا ہے۔ تو جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ بھی اسی کی مشیّت ہے۔

قرآن ان کے اس خیال کو سرتا سر جہالت قرار دیتا ہے۔ اس بارے میں ان کے سامنے کوئی روشن دلیل نہیں۔ بلاشبہ اگر خدا چاہے تو سب کو ایک ہی راہ پہ چلا دے۔ اس کی قدرت سے باہر نہیں لیکن اس کی مشیّت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو عقل اور ارادہ قُدرت دے اور ہر حالت کے لئے سبب اور ہر عمل کے لئے نتیجہ ٹھہرا دے پس یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی، حق کے ساتھ باطل اور ہدایت کے ساتھ گمراہی کی راہیں بھی کھل گئیں۔ اب جس کا جی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے گمراہی کی۔ اس آیۂ مُبارک سے معلوم ہُوا کہ قرآن کے نزدیک یہ کہنا کہ "اگر خدا چاہتا تو ہم بُرائی نہ کرتے" جہل اور کفر کی بات ہے ایمان و بصیرت کی بات نہیں۔

(خلاصہ آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲) سورہ الانعام) پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں اور ایک دوسرے کے مخالف جتھے بنا لئے نتیجہ یہ نکلا کہ نجات و سعادت کا دارومدار ایمان و عمل پہ نہ رہا۔ گروہ بندیوں پہ آ ٹھہرا۔ پس فرمایا اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جن لوگوں کا شیوہ یہ رہا ہے تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں۔ تم جس بات کی تصدیق کرتے ہو وہ اصل دین ہے نہ کہ ان کی بنائی ہوئی مختلف گروہ بندیاں۔

چونکہ پچھلی آیات میں توریت و انجیل کا ذکر کیا تھا اور اہلِ عرب سے کہا تھا کہ نزولِ قُرآن کے بعد تم کتُبِ سماوی سے بے خبر رہنے کا عُذر نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہاں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اصل دین سب کے لئے ایک ہی تھا اور قرآن کی دعوت

اسی اصل کے لئے ہے یہودیوں اور عیسائیوں کی گروہ بندیوں کے لئے نہیں ہے۔

اصلِ دین

اس کے بعد فرمایا کہ اصل دین، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اس وقت نہ تو یہودی گروہ بندی پیدا ہوئی تھی نہ مسیحی گروہ بندی۔ ایک خدا کی پرستش کرو اس کے احکام کے آگے جھک جاؤ، اور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے، جیسا کچھ اس کا عمل ہوگا یہی ملتِ ابراہیمی ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہر آزمائش میں پورا اترنا۔ منصبِ امامت کا عطیہ، دینِ الہٰی کی دعوت۔ مسجدِ کعبہ کی تعمیر اور امتِ مسلمہ کے ظہور کی دعا۔ یہ ذکر اس محل میں چار بصیرتیں رکھتا ہے۔

۱۔ یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت ایک مسلّمہ شخصیت تھی۔ اس لئے ان کی دعوت ان تینوں گروہوں کے لئے توحید الہٰی تھی۔

۲۔ مذہبی گروہ بندی کے خلاف توحید الہٰی و ملتِ ابراہیمی جو ان تینوں گروہوں کے لئے ایک حجت قاطع ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں گروہ بندیاں اور ان کے عقائد و رسوم حضرت ابراہیمؑ کے بعد پیدا ہوئے سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا دین اور طریقہ کیا تھا۔ یقیناً وہ ان گروہ بندیوں کا طریقہ نہ تھا۔ پس جو طریقہ ان کا تھا۔ اسی کی دعوت قرآن دیتا ہے۔

۳۔ یہودیوں کی جماعتی سرگرانی زیادہ تر نسلی غرور کا نتیجہ تھی۔ وہ کہتے تھے۔ کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔ اور تورات میں ہے کہ خدا نے اس کی نسل کو برکت دی ہے۔ اس بیان نے واضح کر دیا کہ اوّل تو نسل کے شرف میں نبی اسحاقؑ کی طرح نبی اسمعیلؑ بھی شریک ہیں۔ پھر جو کچھ بھی ہو۔ خدا کا عہد نیک کرداروں کے لئے تھا۔ نہ کہ بدکرداروں کے لئے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھودی ان کے لئے نسل کا امتیاز کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔

دعائے خلیلؑ

۴۔ پچھلی اُمتوں کی محرومیوں کے ذکر کے بعد یہ حقیقت واضح کرنی تھی کہ اب توفیقِ الٰہی نے پیروانِ دعوتِ قرآن کو خدمتِ حق کے لئے چُن لیا ہے، اور اقوامِ عالم کی ہدایت کا سررشتہ ان کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ پہلے دعوت قرآن کے ظہور کی معنوی تاریخ بیان کر دی جائے چنانچہ معبد کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم کی دُعا کا ذکر اسی غرض سے کیا گیا ہے کہ آنے والے بیان کے لئے ایک قدرتی تمہید کا کام دے۔ (سورۃ البقرۃ خلاصہ آیات ۱۸ تا ۱۲۲)

تحویلِ قبلہ

دعوتِ ابراہیمی سے وحدت دین کے استشہاد کا بیان ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے اس کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جو پچھلے بیان کا قدرتی نتیجہ ہے۔ حضرت ابراہیم کو اقوامِ عالم کی امامت ملی۔ انہوں نے مکہ میں عبادت گاہ کعبہ تعمیر کی۔ اور اُمتِ مسلمہ کے ظہور کی الہامی دُعا مانگی۔ مشیّتِ الٰہی میں اس ظہور کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا جب وہ وقت آ گیا۔ تو پیغمبرِ اسلام کا ظہور ہوا۔ اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہو گئی۔ اس اُمت کو "نیک ترین اُمت" ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا۔ اور اقوامِ عالم کی تعلیم و ہدایت اس کے سپرد کی گئی۔ ضروری تھا کہ اس کی روحانی ہدایت کا دائمی مرکز و سرچشمہ بھی ہوتا۔ یہ مرکز قدرتی طور پہ عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ تحویلِ قبلہ سے پہلے اس کی مرکزیت بیت المقدس ہی رہا۔ اور اس لئے عبادت کے وقت سب کا رُخ بھی اس کی طرف رہتا تھا۔ لیکن جب دعوتِ حق کا مرکز مکہ مکرمہ قرار پایا۔ تو ہر ایک مسلمان کے لئے لازم ہوا کہ وہی قبلہ قرار پائے۔ اور اقوامِ عالم کے رُخ اسی طرف پھر جائیں" چنانچہ "سَیَقُولُ السُّفَهَاءُ" سے یہی بیان شروع ہوتا ہے۔ پیروانِ دعوت قرآنی مخاطب ہیں۔ اور انہیں بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت

ابراہیمؑ کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا۔ وہ بار آور ہو گیا ہے اب مرکز اُمم خانہ کعبہ ہے اور "نیک ترین اُمت" تم ہو۔ (خلاصہ آیات ۲: ۱۴۶ - ۱۴۷)

کتاب و حکمت کی تعلیم، تشخص نبوت کی پیغمبرانہ تربیت، مرکز ہدایت کا قیام، اور نیک ترین اُمت ہونے کا نصب العین۔ یہی وہ بنیادی عناصر تھے جن کی موعودہ اُمت کی نشو و نما کے لئے ضرورت تھی۔ جب یہ تمام مراتب ظہور میں آ گئے تو اب ضروری ہوا کہ پیروان دعوت قرآنی کو مخاطب کیا جاوے اور سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" سے یہی مخاطبہ شروع ہوتا ہے۔ اور پھر چونکہ سرگرم ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ راہ عمل کی مشکلیں اور آزمائش پیش آئیں۔ اس لئے دعوت عمل کے ساتھ ہی صبر و استقامت اور جانفروشی و قربانی کی بھی دعوت دے دی گئی اور واضح کر دیا گیا کہ اس راہ میں آزمائشوں سے گزرنا ناگزیر ہے ساتھ ہی اُن اصول و مہمات کیطرف بھی اشارہ کر دیا گیا۔ جن میں ثابت قدم ہو جانے کے بعد گمراہی و ناکامی سے قدم محفوظ ہو جاتے ہیں۔

۱۔ صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہو جائے نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو تقویت ملتی رہے۔ جس جماعت میں یہ دونوں قوتیں پیدا ہو جائیں گی، وہ کبھی ناکامیاب نہیں ہو سکتی ہے (خلاصہ آیات ۲: ۱۴۷ تا ۱۵۰)

۲۔ راہ حق میں موت، موت نہیں ہے۔ بلکہ سرتا سر زندگی و ابدیت ہے پس موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کرو۔

اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ پس اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو بھی ویسی چاہت سے ماننے لگے۔ جیسی چاہت سے ماننا صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ تو پھر یہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو ہم پلہ بنا دینا ہوا۔ اور توحید الٰہی کا اعتقاد درہم برہم ہو گیا۔ مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو۔ پچھلی اُمتوں کی تباہی کا ایک بنیادی سبب پیشوایان باطل کا اتباع ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس میں مبتلا ہو جاؤ۔ (خلاصہ آیات ۲: ۱۶۰ تا ۱۶۲)

دین و دُنیا

دِین اور دُنیا کے معاملہ میں انسانوں کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ یا تو افراط میں پڑ گئے یا تفریط میں اور وہ اعتدال گم ہو گئی ہے۔ یعنی یا تو دُنیا کا انہاک اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ آخرت سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ یا آخرت کے استغراق میں اتنے دُور نکل جاتے ہیں کہ ترک دُنیا و رہبانیت کا دم بھرنے لگتے ہیں لیکن دین حق گوئی کی راہ ہر گوشہ عمل کی طرح یہاں بھی اعتدال و توسط کی راہ ہے اور صحیح زندگی اسی کی ہے جو کہتا ہے:" خدایا میں دُنیا و آخرت دونوں کی سعادتیں چاہتا ہوں۔ (خلاصہ آیت ۲ : ۱۹۴)

دین حق دُنیا کا نہیں، لیکن دنیا پرستی کے غرور و سرشاری کا مخالف ہے۔ یہی دُنیا پرستی کا غرور ہے جو انسان کو خدا پرستی و راستبازی سے بے پروا کر دیتا ہے اور جب اُسے طاقت اور حکومت مل جاتی ہے تو غرض و نفس کی پرستش میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو دُنیا میں انسان کا ظلم و فساد کر سکتا ہے۔

لیکن جو لوگ سچے خدا پرست ہیں وہ دُنیا میں خواہ کتنے ہی مشغول ہوں مگر ان کا مطمح نظر نفس پرستی نہیں ہوتی بلکہ رضاء الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ ایک دُنیا پرست انسان اپنے نفس کے لئے دوسروں کو قربان کر دے گا لیکن خدا پرست انسان رضاء الٰہی کی راہ میں خود اپنے نفس کو قربان کر دیں گے۔

ایک شخص کی دُنیاوی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما ہو، اور اپنی نیک دلی کا کتنا ہی دعوےٰ کرے لیکن ان باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصلی کسوٹی یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ طاقت و اختیار پا کر اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ حرث و نسل کی تباہی انسانی غرور و طاقت کا بہت بڑا فساد ہے۔ (خلاصہ آیات ۲ : ۲۰۰-۲۰۱)

اَلرَّحمٰن الرَّحِیمْ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رحمت کو دو الگ الگ اسموں سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ اس لیئے

قرآن خدا کے تصوّر کا جو نقشہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے۔ اس میں سب سے نمایاں اور زیادہ چھائی ہوئی صفت۔ رحمت ہی کی صفت ہے۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ تمام تر رحمت ہی رحمت ہے " وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ " (۷: ۱۵۵) اور میری رحمت دُنیا کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے (۷: ۱۵۵)

پس ضروری تھا کہ خصوصیّت کے ساتھ اس کی صفتی اور فعلی دو نوں حیثیتیں واضح کردی جائیں یعنی اس میں رحمت ہے کیونکہ وہ "اَلرَّحْمٰنُ" ہے اور صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اس سے رحمت کا ظہور بھی ہو رہا ہے کیونکہ وہ اَلرَّحْمٰنُ کے ساتھ وہ اَلرَّحِيْمِ بھی ہے۔

لیکن اللہ کی رحمت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی و کمال ہے، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کہ رحمت الٰہی کی صفت و فعل کا ظہور ہے۔

انسان کے علم و دانش کی کاوشیں بتلاتی ہیں کہ کائنات ہستی کا یہ بناؤ اور سنوار عناصر اولیہ کی ترکیب اور ترکیب کے اعتدال و تسویہ کا نتیجہ ہے۔ مادہ علم کی کمیت میں اعتدال ہے اور کیفیت میں بھی اعتدال ہے یہی اعتدال ہے جس سے سب کچھ بنتا ہے اور جو کچھ بنتا ہے، خوبی اور کمال کے ساتھ بنتا ہے یہی اعتدال و تناسب دُنیا کے تعمیری اور ایجابی حقائق کی اصل ہے۔ وجود، زندگی، تندرستی، حسن، خوشبو و نغمہ، بناؤ اور خوبی کے بہت سے نام ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے اور اعتدال ہے۔

لیکن فطرت کائنات میں یہ اعتدال و تناسب کیوں ہے؟ کیوں ایسا ہوا کہ عناصر کے وقائق جب ملیں تو اعتدال و تناسب کے ساتھ ملیں۔ اور مادہ کا خاصہ یہی ٹھہرا کہ اعتدال و تناسب ہو۔ انحراف اور تجاوز نہ ہو؟ انسان کا علم دم بخود اور متحیّر ہے۔ فلسفہ کے غور و فکر کی سرحد یہاں پر ختم ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے، یہ اس لئے ہوا کہ خالق کائنات میں رحمت ہے، اور اس کی رحمت اپنا ظہور بھی رکھتی ہے۔ لہٰذا جس میں رحمت اور ظہور کی دونوں صفتیں ہوں تو جو کچھ اس سے صادر ہوگا اس میں خوبی و بہتری ہی ہوگی، حسن و جمال ہی ہوگا، اعتدال و تناسب ہی ہوگا۔ اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔

افادہ وفیضانِ رحمت

"قرآن" پر غور و فکر کرنے کے بعد سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے وہ کائنات ہستی اور اس کی تمام اشیا کا افادہ و فیضان ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت کے کاموں میں، کامل نظم و یکسانیت کے ساتھ مفید اور بکار آمد ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ اور اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تمام کارگاہِ عالم صرف اس لئے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہماری حاجت روائیوں کا ذریعہ ہو، چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے۔" وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۔ ترجمہ:۔ اور آسمان اور زمین جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے (یعنی ان کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو) بلاشبہ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں (معرفت حق) کی بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

اس آیہ شریف میں اور اس کی ہم معنی تمام آیات میں "سخر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی گئی ہیں۔ جس طرح چاہو ان سے کام لو، غور کرو، انسانی قوی کی عظمت و سروری کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ بلند اور موزوں اور کیا ہو سکتی تھی؟ قرآن کے نزول سے پہلے اقوام عالم کی دینی ذہنیت انسان کی عقلی امنگوں کے قطعاً خلاف تھی لیکن قرآن نے صرف یہی نہیں کیا، کہ اس کی عقلی امنگوں کی جرأت افزائی کر دی۔ بلکہ اس کی ہمت عقلی اور اولوالعزمی علم کے لئے ایک ایسی بلند نظری کا نقشہ کھینچا ہے جس سے بہتر نقشہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس لئے ہے کہ انسان کے آگے مسخر ہو کر رہے اور انسان اس میں تصرف کرے۔ انسانی عقل و فکر کے لئے اس سے زیادہ بلند نصب العین اور کیا ہو سکتا ہے۔

پھر یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ فطرت کائنات نے کائنات ہستی کے

افادہ و فیضان کا نظام کچھ اس طرح بتایا ہے کہ وہ بیک وقت ہر مخلوق کو یکساں طور پہ نفع پہنچاتا ہے اور ہر مخلوق کو یکساں طور رعایت ملحوظ رکھتا ہے اگر امیر کبیر انسان اپنے محل میں بیٹھ کر محسوس کرتا ہے کہ تمام کارخانہ ہستی صرف اس کی کاربرداریوں کے لئے بنا ہے تو ٹھیک اُسی طرح ایک چیونٹی بھی اپنے بِل میں یہ کہہ سکتی ہے کہ فطرت کی ساری کارفرمائیاں صرف اسی کی کاربرداریوں کے لئے ہیں، اور کون ہے جو اس حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت کر سکتا ہے۔ دراصل فطرت کی بخشش کا قانون کچھ ایسا عام اور ہمہ گیر واقع ہوا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں، ایک ہی طرح سے ایک ہی نظام کے ماتحت ہر مخلوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور ہر مخلوق کو یکساں طور پہ فائدہ اُٹھانے کا موقع دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہر وجود اپنی جگہ محسوس کر سکتا ہے کہ پورا کارخانہ عالم صرف اسی کی کامجوئیوں اور آسائشوں کے لئے سرگرم کار ہے۔

" وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم " (۶ : ۳۸) ترجمہ:۔ اور زمین کے تمام جانور اور پروں سے اڑنے والے تمام پرندے دراصل تمہاری طرح اُمتیں ہیں۔

اور پروردگار عالم نے انہیں اسی طرح زندگی و معیشت کا سروسامان دے رکھا ہے جس طرح تمہیں دے رہا ہے۔

عالمِ کون و فساد

البتہ اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ دنیا " عالمِ کون و فساد" ہے یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے اور ہر سمٹنے کے ساتھ بکھرنا ہے لیکن جس طرح سنگ تراش کا توڑنا پھوڑنا بھی اس لئے ہوتا ہے، تاکہ خوبی و دل آویزی کا ایک پیکر تیار کر دے، اسی طرح کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اس لئے ہے تاکہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے تم ایک عمارت بناتے ہو لیکن بنانے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ بہت سی بنی چیزیں بگڑ گئیں؟ چٹانیں نہ کاٹی جائیں بھٹے اگر نہ سلگائے جاتے۔ درختوں پہ آرہ اگر نہ چلتا، تو ظاہر ہے عمارت کا بناؤ بھی ظہور میں نہ آتا پھر یہ راحت اور سکون جو تمہیں ایک عمارت

کی سکونت سے حاصل ہوتا ہے، کس صورت حال کا نتیجہ ہے؟ یقیناً اسی شور و شر اور ہنگامۂ تخریب کا۔ جو سر و سامان تعمیر کی جد و جہد نے عرصہ تک جاری رکھا تھا۔ اگر تعمیر کا یہ شور و شر نہ ہوتا۔ تو عمارت کا عیش و سکون بھی وجود میں نہ آتا پس یہی حال فطرت کی تعمیری سرگرمیوں کا بھی سمجھو۔ وہ عمارت ہستی کا ایک ایک گوشہ تعمیر کرتی رہتی ہے وہ اس کارخانہ کا ایک ایک کیل پرزہ ڈھالتی رہتی ہے اور اُس کی درستگی و بحالی کی حفاظت کے لئے ہر نقصان کا دفیعہ اور ہر فساد کا ازالہ چاہتی ہے تعمیر و درستگی کی یہی سرگرمیاں ہیں جو تمہیں بعض اوقات تخریب و نقصان کی ہولناکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ حالانکہ یہ تخریب کب ہے؟ جو کچھ ہے تعمیر ہی تعمیر ہے سمندر میں تلاطم۔ دریا میں طغیانی۔ پہاڑوں میں آتش فشانی۔ پہاڑوں پر برف باری گرمیوں میں باد سموم، بارش میں ہنگامہ ابد باد تمہارے لئے خوش آئند مناظر نہیں ہوتے۔ لیکن تم نہیں جانتے ان میں سے ہر حادثہ کائنات ہستی کی تعمیر و درستگی کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جس قدر تمہاری نگاہ میں دنیا کی مفید سے مفید چیز ہو سکتی ہے۔ اگر سمندر میں طوفان نہ اُٹھتے، تو میدانوں کو زندگی و شادابی کے لئے ایک قطرہ بارش میسر نہ آتا۔ اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی، تو بارانِ رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا۔ اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ کرہ کی سطح کو پارہ پارہ کر دیتا۔ تم سوال کرو گے کہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوت نشوونما کا ایک ضرور عنصر مفقود ہو جاتا۔ یہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے جابجا اشارات کئے ہیں مثلاً سورہ رُوم میں ہے

آیۃ: "وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔

ترجمہ:۔ اور دیکھو اسکی قدرت و حکمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بجلی کی چمک و کڑک نمودار ہوتی ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں حالتیں طاری ہو جاتی ہیں پھر ایسا ہوتا ہے کہ وہ آسمانوں سے پانی برسا دیتا ہے۔ جس سے مُردہ زمین دوبارہ جی اٹھتی ہے۔ بلا شُبہ اس صورتِ حال میں ان لوگوں کے لئے جو عقل و بینش رکھتے ہیں (حکمت الٰہی) کی بڑی نشانیاں ہیں۔

حسن و جمال

فطرت کے افادہ و فیضان کی سب سے بڑی بخشائش اس کا عالمگیر حسن و جمال ہے "فطرت" صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں۔ بلکہ اس طرح بناتی سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائی کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افروزی و رعنائی کی نمود پیدا ہو گئی ہے۔ کائنات ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو۔ یا اس کے ایک ایک گوشہ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رُخ ایسا نہیں جس پر حسن و رعنائی کی ایک نقاب زیبائش نہ ڈالدی ہو۔ ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضا آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں۔ بارش کا سماں اور اس کے تغیرات سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب و فراز۔ حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع۔ نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی۔ صبح کا چہرہ خنداں اور شام کا محجوب، غرضیکہ تمام تماشہ گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس پردہ ہستی کے پیچھے حسن افروزی و جلوہ آرائی کی ایک ایسی باکمال قوت کام کر رہی ہے۔ جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے۔ کارخانہ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لئے نشاط، سماعت کے لئے سرور، اور رُوح کے لئے راحت و سکون کا سامان بن جائے۔

دراصل کائنات کا مایہ خمیر ہی حسن و زیبائی ہے۔ فطرت نے جس طرح اس کے بناؤ کے لئے مادی عناصر پیدا کئے ہیں اسی طرح اس کی خوبروئی و رعنائی کے لئے معنوی عناصر کا بھی رنگ و روغن آراستہ کر دیا ہے۔ روشنی، رنگ، خوشبو اور نغمہ حسن و رعنائی کے وہ عناصر ہیں جن سے مشاطۂ فطرت چہرہ وجود کی آرائش کر رہی ہے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ۔ یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوبی اور درستگی کے ساتھ بنایا ہے۔

پھر یہ فوائد ہیں جو تمہیں اپنی جگہ محسوس ہو رہے ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ فطرت نے یہ تمام چیزیں کن کن کاموں اور کن کن مصلحتوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور کار فرمائے عالم کارگاہِ ہستی کے بنانے اور سنوارنے کے لئے ان سے کیا کیا کام نہیں لے رہا ہے؟

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ؕ اور تمہارا پروردگار اس کارزارِ ہستی کی کارفرمائیوں کے لئے جو فوجیں رکھتا ہے اُن کا حال اس کے سوا کون جان سکتا ہے۔

انسانی علم و نظر کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ خالقِ کائنات الرحمٰن اور الرحیم ہے یعنی اس میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور و فعل بھی رکھتی ہے۔ رحمت کا متقضا یہی تھا کہ بخشش ہو، فیضان ہو، جودٌ و احسان ہو۔ پس اس نے ایک طرف تو زندگی اور زندگی کے تمام احساس و عواطف بخش دیئے جو خوشنمائی اور بدنمائی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیف و سُرور حاصل کرتے ہیں۔ دوسری طرف کارگاہِ ہستی کو اپنی حُسن آرائیوں اور دل فریبیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا ہے کہ اُس کا ہر گوشہ نگاہ کے لئے سُرور، سامعہ کے لئے شیرینی اور رُوح کے لئے سرمایہ عیش و نشاط بن گیا ہے "سُبْحَانَ اللهِ" فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔ پس کیا ہی بابرکت ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی بنانے والوں میں سب سے زیادہ حُسن و خوبی کے ساتھ بنانے والا۔

فضل و رحمت

قرآن اس تدریجی رفتارِ عمل کو فائدہ اٹھانے کا موقع دینے، ڈھیل دینے، عفو درگزر کرنے اور ایک خاص مدت تک فرصت حیات بخشنے سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے یہ اس لئے ہے کہ کائنات ہستی میں "فضل و رحمت کی مشیت کام کر رہی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ ہر غلطی کو درستگی کے لئے ہر نقصان کو تلافی کے لئے، ہر لغزش کو سنبھل جانے کے لئے زیادہ سے زیادہ اور بار بار مہلت اصلاح جو مل سکتی ہے، اس کا دروازہ بند نہ ہو۔ اگر تدریجی رفتارِ عمل کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصتِ حیات سے فائدہ نہ اُٹھا سکتا۔ ہر غلطی، ہر کمزوری، ہر نقصان، ہر فساد

اچانک بیک دفعہ بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا: قرآن فرماتا ہے ۔

آیۃ :- وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا۔

ترجمہ :- اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کمائی کرتا ہے ۔ اگر اس پر اللہ فوراً مواخذہ کرتا تو یقین کرو زمین کی سطح پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا لیکن اس کی رحمت کہ اس نے ایک مقررہ وقت تک فرصتِ حیات دے رکھی ہے ۔ البتہ جب وقت آجائے گا تو پھر (یاد رہے کہ) اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے بے خبر نہیں اس کی آنکھیں ہر وقت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں ۔

قدرتی طور پر یہ مہلت اچھائی اور بُرائی دونوں کے لئے ہے ۔ اچھائی کے کہ اور زیادہ نشوونما پائے ، برائی کے لئے اس لئے تاکہ متنبہ اور خبردار ہو کر اصلاح و تلافی کا سامان کرلے ۔

اگر قوانینِ فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اُٹھا کر نقصان و فساد کی اصلاح کرلی جائے ۔ مثلاً احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ترک کردو ۔ بدکرداری سے باز آجاؤ ۔ پھر اسی فطرت کا یہ بھی قانون ہے کہ اصلاح و تلافی کی ہر کوشش قبول کرلیتی ہے ۔ نقصان و فساد کے جو نتائج نشوونما پانے لگے تھے ۔ اُن کا نشوونما فوراً رُک جاتا ہے ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اصلاح بروقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی ہے ۔ تو پچھلے مضر اثرات بھی اس طرح محو ہو جائیں گے گویا کوئی خرابی پیش ہی نہیں آئی تھی ۔ اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں تم نے رائیگاں کردیں ، اور متنبہ کرنے کے باوجود تم اپنی اصلاح نہ کرسکے تو پھر بلاشبہ وہ آخری حد نمودار ہو جاتی ہے ۔ جہاں پہنچکر فطرت کا آخری فیصلہ ہو جاتا ہے ۔ اور پھر جب اس کا آخری فیصلہ صادر ہو جائے ، تو پھر نہ تو اس میں چشم زدن کی تاخیر ہوسکتی ہے اور نہ کسی حال میں بھی تبدیلی اور تبدیلی ہوسکتی ہے

معرکہ حق و باطل

اس سلسلہ میں قرآن دو لفظ استعمال کرتا ہے "حق و باطل" سورۂ رعد میں جہاں "بقائے انفع" کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی کہدیا ہے۔ کہ اس بیان سے مقصود "حق" اور "باطل" کی حقیقت واضح کرنی ہے (ترجمہ ۱۳:۱۷) پس دیکھو میل کچیل سے جو جھاگ اٹھتا ہے وہ رائیگاں جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کے لئے نفع نہ تھا۔ لیکن جس چیز میں انسان کے لئے نفع ہے، وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ (اپنے قوانین عمل کی) مثالیں دیتا ہے (سو) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا ان کے لئے خوبی و بہتری ہے اور جن لوگوں نے قبول نہ کیا۔ اور حق کی جگہ باطل کی راہ اختیار کی۔ ان کے لئے (اپنے اعمال بد کے) سختی کے ساتھ حساب دینا ہے۔ اگر ان لوگوں کے قبضے میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اس پر اور بڑھا دیں اور بدلہ میں دے کر نتائج عمل سے بچنا چاہیں جب بھی نہ بچ سکیں گے۔

عربی میں "حق" کا لفظ ثبوت اور قیام کے لئے بولا جاتا ہے۔ یعنی جو بات ثابت ہو۔ اپنی جگہ اٹل ہو۔ امٹ ہو اسے "حق" کہیں گے "باطل" ٹھیک ٹھیک اس کی ضد ہے یعنی ایسی چیز جس میں ثبات و قیام نہ ہو۔ مٹ جانیوالی۔ باقی نہ رہنے والی چنانچہ قرآن خود جابجا فرماتا ہے "يُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ" (۸:۸)

وہ کہتا ہے جس طرح تم مادیات میں دیکھتے رہتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے جو چیز نافع ہوتی ہے۔ اسے باقی رکھتی ہے جو نافع نہیں ہوتی ہے۔ اسے محو کر دیتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے جو عمل حق ہوگا، قائم اور ثابت رہے گا۔ جو باطل ہوگا۔ مٹ جائے گا اور جب کبھی حق اور باطل متقابل ہوں گے تو بقا حق کے لئے ہوگی نہ کہ باطل کے لئے۔

قرآن نے اس حقیقت کی تعبیر کے لئے "حق" اور باطل کا لفظ اختیار کر کے حقیقت کی نوعیت واضح کر دی ہے۔ کیونکہ حق اسی چیز کو کہتے ہیں۔ جو ثابت و قائم

اور اٹل ہو اور باطل کے معنی یہ ہیں کہ مٹ جانا اور قائم و باقی نہ رہنا۔

چنانچہ وہ اللہ کی نسبت بھی "الحق" کی صفت استعمال کرتا ہے کیونکہ اس ہستی سے بڑھکر اور کونسی حقیقت ہے جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے۔ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ (۱۰ : ۳۲) پس یہ ہے تمہارا پروردگار "الحق"۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (۲۰ : ۱۱۴) پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا والملک (یعنی فرما) الحق (یعنی ثابت)

وحی و تنزیل کو بھی وہ "الحق" کہتا ہے۔ کیونکہ وہ دنیا کی ایک قائم و ثابت حقیقت ہے۔ جن قوتوں نے اسے مٹانا چاہا وہ خود مٹ گئیں۔ حتیٰ کہ آج کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ لیکن وحی و تنزل کی حقیقت ہمیشہ قائم رہی اور آج تک قائم ہے۔

یہ جو قرآن المجید۔ جا بجا حق اور باطل کی نزاع کا ذکر کرتا ہے اور پھر بطور اصل و دستور کے اس پر زور دیتا ہے کہ کامیابی حق کے لئے ہے اور ہزیمت و خسران باطل کے لئے تو یہ تمام مقامات بھی اسی قانون "قضا بالحق" کی تفسیر ہیں اور اسی حقیقت کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط او ہمارا قانون یہ ہے کہ حق باطل سے ٹکراتا ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے اور پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہو گیا۔

اور پھر حق و صداقت کے لئے ہی اللہ کی وہ شہادت ہے جو اپنے مقرر وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتلا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا۔ اور باطل کا پرستار تھا۔ یعنی "قضاً بالحق" کا قانون حق کو قائم و ثابت رکھکر اس کے حریف باطل کو نیست و نابود کرکے حقیقت حال کا اعلان کر دیتا ہے۔

ترجمہ:۔ آیت (۲۹ : ۵۱) اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو اب کسی اور رد و کد کی ضرو نہیں میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے۔ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے علم میں ہے۔ پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی صداقت کے منکر ہیں۔ تو یقیناً ناکامی و تباہی انہی کے لئے ہے۔

قرآن کہتا ہے تم اپنی اوقات شماری کے
پیمانے سے قوانینِ فطرت کی رفتارِ عمل کا اندازہ نہ لگاؤ فطرت کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہے کہ
تمہارے معیارِ حساب کی بڑی سے بڑی مدت اس کے لئے ایک دن کی مدت سے زیادہ
نہیں ۔ ترجمہ آیات (۲۲ : ۴۶-۴۷) اور یہ لوگ عذاب کے لئے جلد بازی کر رہے
ہیں ۔ یعنی (انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں) اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو
وہ کہاں ہے ؟ سو یقین کرو خدا اپنے وعدہ میں کبھی خلاف کرنے والا نہیں ۔ لیکن
بات یہ ہے کہ خدا (کے قوانین عمل) کا ایک دن ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ان کے
حساب کا ہزار برس ۔ چنانچہ کتنی ہی بستیاں جنہیں عرصہ دراز تک ڈھیل دی گئی حالانکہ
وہ ظالم تھیں، پھر (جب ظہور نتائج کا وقت آگیا) تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا ۔
قرآن جا بجا منکرینِ حق کے یہ فاسد خیالات نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر
کائناتِ ہستی میں رحمتِ الٰہی کا ظہور نہ ہوتا تو انسان اپنی بداعمالیوں کے ساتھ کبھی
زندگی کا سانس نہ لے سکتا لیکن یہاں سارے قانونوں اور احکام سے بالا تر "رحمت"
کا قانون ہے اور اس کا اصل مقصد یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت
کی مہلتیں دے اور توبہ و رجوع اور عفو و درگزر کا دروازہ ہر حال میں کھلا رکھے فطرت
کائنات میں اگر یہ "رحمت" نہ ہوتی تو یقیناً وہ جزائے عمل میں جلد باز ہوتی لیکن اس میں کوئی
سرتا سر رحمت ہے اس لئے نہ تو اس کی مہلت بخشیوں کی کوئی حد ہے اور نہ اس کے
عفو و درگزر کے لئے کوئی کنارہ ۔
ترجمہ: آیت (۲۷ : ۷۳) اے پیغمبر ان (حقیقت فراموشوں کو) اگر تم (نتائج
ظلم و طغیان سے ڈراتے ہیں) پیچھے ہو ۔ تو وہ بات کب ہونے والی ہے ؟ اور کیوں نہیں ہو
چکتی ؟ ان سے کہدو گھبراؤ نہیں جس بات کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو، عجب نہیں
اس کا ایک حصہ قریب آگیا ہو (اور بہت جلدی) اس کا ظہور اپنے سامنے دیکھ لیں)
اور اے پیغمبر! تمہارا پروردگار انسان کے لئے بڑی فضل رکھنے والا ہے (کہ ہر حال میں
اصلاح و تلافی کی مہلت دیتا ہے) لیکن افسوس انسان کی غفلت پر! بیشتر ایسے ہیں کہ
اس کے فضل و رحمت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں ۔

قوموں کا عُروج و زوال

قرآن میں جہاں کہیں ظلم و فساد اور فسق و کفر وغیرہ اعمال بد کے لئے کامیابی و فلاح نفی کی گئی ہے اور اعمال نیک کے لئے فتح مندی و کامرانی کا اثبات کیا ہے۔ تو ان تمام مقامات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مثلاً اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۱ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰ : ۱۷) اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳ : ۱۱۰) اِنَّ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ (۹ : ۳۸) وغیرہا۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو فلا نہیں دیتا، اللہ ظلم کرنے والوں پر راہ ہدایت نہیں کھولتا۔

پھر اصطلاح قرآنی میں یہی وہ "تمتع" ہے یعنی زندگی سے فائدہ اُٹھانے کی مہ ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے اور جو یکساں طور پر سب کو دی گئی ہے۔

ترجمہ:۔ (۲۱ : ۴۵) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے آباؤ اجداد کو حیات سے بہرہ مند ہونے کے لئے موقع دیئے یہاں تک کہ (خوشحالی کی) اُن پر بڑ بڑی عمریں گزر گئیں۔

اسی طرح وہ قانون "قضاء بالحق" کو جماعتوں اور قوموں کے عروج و زوال بھی منطبق کرتا ہے اور کہتا ہے جس طرح فطرت کا قانون انتخاب، اجسام میں جاری ہے اسی طرح اقوام و جماعت میں بھی جاری ہے جس طرح فطرت، نافع اشیا کو باقی رکھتی ہے۔ غیر نافع کو چھونٹ دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جماعتوں میں بھی صرف اسی جماعت کے لئے بقاؤ ثبات ہوتا ہے جس میں دُنیا کے لئے نفع ہو جو جماعت غیر نافع ہو جاتی چھانٹ دی جاتی ہے قرآن کہتا ہے کہ یہ سب اس کی "رحمت" ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا میں انسانی ظلم و طغیان کے لئے کوئی روک تھام نظر نہ آتی۔ قرآن میں یہی حقیقت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے

ترجمہ:۔ آیت (۲۲ : ۴۰) اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ بعض جماعتوں کے ذریعے بعض کو ہٹاتا رہتا تو یقین کرو تو دنیا میں انسان کے ظلم و فساد کے لئے روک باقی نہ رہتی) اور نہ تمام خانقاہیں۔ گرجے۔ عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں بکثرت اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

منہدم ہو کر رہ جاتیں لیکن یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری ظالم جماعت کو مٹا دینے کا سامان کر دیا ہے۔

درِ توبہ و مُہلتِ حیات

جس طرح فطرت کائنات کے تمام کاموں میں تدریج و مہلت کا قانون کام کر رہا ہے۔ اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے معاملہ میں بتدریج کرتی ہے اور اصلاح و درستگی اور رجوع و انابت کا دروازہ آخر وقت تک کھلا رکھتی ہے۔ "کیونکہ" رحمت" کا مقتضا یہی ہے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔ آیت (۷: ۱۶۷) کا ترجمہ:۔ اور ہم نے ایسا کیا کہ ان کے الگ الگ گروہ زمین میں پھیل گئے۔ ان میں بعض تو نیک عمل تھے۔ بعض اور طرح کے پھر ہم نے انہیں اچھائیوں اور برائیوں، دونوں طرح کی حالتوں سے آزمایا تاکہ نافرمانی سے باز آجائیں۔

جس طرح اجسام کے ہر تغیر کے لئے فطرت نے اسباب و علل کی ایک خاص مقدار اور مُدت مقرر کر دی ہے اسی طرح اقوام کے زوال و ہلاکت کے لئے بھی موجبات ہلاکت کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر ہے۔ اور یہ ان کی "اجل" ہے اور جب تک یہ اجل نہیں آچکتی، قانونِ الٰہی یکے بعد دیگرے انہیں تنبیہ و ڈھیل کی مُہلتیں دیتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے (ترجمہ آیت ۹: ۱۲۶) کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان پر کوئی برس ایسا نہیں گزرتا کہ ہم انہیں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائشوں میں نہ ڈالتے ہوں (یعنی ان کے اعمال بد کے نتائج پیش نہ آتے ہوں) پھر بھی یہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ حالات سے نصیحت پکڑتے ہیں۔

لیکن اگر انتباہ و اختیار کی یہ تمام مہلتیں رائیگاں گئیں۔ اور ان سے فائدہ نہ اُٹھایا گیا۔ تو پھر فیصلہ امر کا آخری وقت نمودار ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ وقت آجاتے تو پھر یہ فطرت کا آخری، اٹل اور بے پناہ فیصلہ ہے نہ تو اس میں ایک لمحہ کے لئے تاخیر ہو سکتی ہے نہ یہ اپنے مقررہ وقت سے ایک لمحہ پہلے آسکتا ہے۔

قرآن پر غور و تدبر کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انفرادی زندگی کے
اعمال کی جزا و سزا دنیوی زندگی سے تعلق نہیں رکھتی۔ آخرت پر اٹھا رکھی گئی ہے
دُنیا میں نیک و بد سب کے لئے یکساں طور پر مہلت حیات اور فیضان معین
ہے۔ اسی حقیقت کا نتیجہ ہے کہ یہاں فیضانِ "رحمت" کی کار فرمائی ہے در رحمت
کا مقتضا یہی تھا کہ اس کے فیضان و بخشش میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہو۔ اور مہلت
حیات سب کو پوری طرح ملے۔ قرآن نے انسان کی انفرادی زندگی کے دو حصے
کر دیئے ہیں ایک حصہ دُنیوی زندگی کا ہے جو سرتاسر مہلت ہے۔ دوسرا حصہ
کے بعد کا ہے اور جزا و سزا کا دن اسی سے تعلق رکھتا ہے

چنانچہ قرآن ارشاد فرماتا ہے، ترجمہ آیت (۱۸: ۵۷) اور اے پیغمبر یقین
کرو) تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا صاحب رحمت ہے۔ اگر وہ ان لوگوں سے
ان کے اعمال کے مطابق مواخذہ کرتا تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا لیکن یہ سب
رحمت ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اور ان کے لئے ایک میعاد مقرر کر دی گئی ہے جلد
کچھ بھی انہیں پاداش عمل اسی وقت ملے گی۔ البتہ اُس مقررہ معیاد کا آنا اٹل
یہ اس سے بچنے کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکیں گے۔

اور پھر یہ حقیقت ہے کہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں۔ جہاں کہیں خدا نے گنہگار
انسانوں کو مخاطب کیا ہے یا اُن کا ذکر کیا ہے تو عموماً یائے نسبت کے ساتھ کیا
ہے جو شرف و محبت پر دلالت کرتی ہے۔ مثلاً۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا
عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ، یا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ (۲۵: ۱۸) وَ قَلِیْلٌ مِّنْ
عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (۳۴: ۱۳) اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک باپ جوش
محبت میں اپنے بیٹے کو پکارتا ہے تو خصوصیت کے ساتھ اپنے رشتہ پدری
پر زور دیتا ہے "اے میرے بیٹے" "اے میرے فرزند" حضرت سیدنا امام جعفر صادق
علیہ السلام نے سورہ زمر کی آیت رحمت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے
جب ہم اپنی اولاد کو اپنی طرف نسبت دے کر بلاتے ہیں تو وہ بے خوف و خطر
ہماری طرف دوڑ کر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہم ان پر غضبناک نہیں ہیں
اگر غضبناک ہوتے تو اس طرح پیار و محبت سے نہ پکارتے۔ قرآن میں خداوند تعالیٰ

نے بیسیوں سے زیادہ موقعوں پر ہمیں "عبادی" کہکر اپنی طرف نسبت دی ہے اور سخت سے سخت گنہگار انسانوں کو بھی "یٰعبادی" کہہ کر پکارا ہے کیا اس سے بڑھ کر بھی اس کی رحمت و آمرزش کا کوئی پیام ہو سکتا ہے ؟

خداوند تعالےٰ کو فرمانبردار بندوں کی تمکنت و غرور سے کہیں زیادہ گنہگار بندوں کا عجز و انکسار زیادہ محبوب ہے -

جزا و سزا

ربوبیت اور رحمت کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے - وہ عدالت ہے - اور اس کے لئے "مالک یوم الدین" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے " الدین " کے معنی عربی میں بدلہ اور مکافات کے ہیں خواہ اچھائی کا بدلہ ہو - خواہ برائی کا پس " مالک یوم الدین " کے معنی ہوئے وہ جزا و سزا کے دن کا حکمران ہے یعنی قیامت کے دن کا -

نزولِ قرآن کے وقت تمام پیروانِ مذاہب کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ جزا و سزا محض خدا کی خوشنودی اور اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہے - اعمال کے نتائج کو اس میں کوئی دخل نہیں - الوہیت و شاہیت کا تشابہ - تمام مذہبی تصورات کی طرح اس معاملہ میں گمراہی فکر کا موجب ہوا تھا - لوگ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہوکر انعام و اکرام سے نوازتا ہے کبھی بگڑ کر سزائیں دینے لگتا ہے ، اس لئے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال کہ وہ کبھی خوش ہو جاتا ہے کبھی غیظ و غضب میں آ جاتا ہے - طرح طرح کی قربانیوں اور چڑھاووں کی رسم اسی اعتقاد سے پڑی تھی - لوگ دیوتاؤں کا جوش و غضب ٹھنڈا کرنے کے لئے قربانیاں کرتے اور ان کی نظر التفات حاصل کرنے کے لئے نذریں چڑھاتے تھے -

یہودیوں اور عیسائیوں کا عام تصوّر دیوبانی تصورات سے بھی بلند ہو گیا تھا لیکن جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے ان کے تصور نے بھی کوئی خاص ترقی نہیں کی - یہودی بہت سے دیوتاؤں کی جگہ خاندان اسرائیل کے خدا کو مانتے تھے -

لیکن پرانے دیوتاؤں کی طرح یہ خدا بھی شاہی اور مطلق العنانی کا خدا تھا۔ وہ کبھی خوش ہو کر انہیں اپنی چہیتی قوم بنالیتا کبھی جوشِ انتقام میں آکر بربادی و ہلاکت کے حوالہ کر دیتا۔ اور عیسائیوں کا اعتقاد یہ تھا کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اس کی پوری نسل مغضوب ہوگئی اور جب تک خدا نے اپنی صفت ابنیت کو بشکلِ مسیحؑ قربان نہیں کر دیا۔ اس کے نسلی گناہ اور مغضوبیت کا کفارہ نہ ہوسکا لیکن قرآن نے جزا و سزا کا اعتقاد ایک دوسری شکل و نوعیت کا پیش کیا ہے۔ وہ اسے خدا کا کوئی ایسا فعل نہیں قرار دیتا جو کائنات خلقت کے عام قوانین و نظام سے الگ ہو۔ بلکہ اُسی کا ایک قدرتی گوشہ قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے۔ اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے ممکن نہیں یہاں کوئی شے اپنا وجود رکھتی ہو۔ اور اثرات و نتائج کے سلسلہ سے باہر ہو پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں۔ اسی طرح اعمال میں بھی نتائج و خواص ہیں اور اعمال کے بھی قدرتی خواص و نتائج ہیں۔ جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے بُرے عمل کا نتیجہ برائی اور یہ عذاب ہے "لَا يَسْتَوِي أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ۝ اصحاب جنت اور اصحابِ دوزخ (اپنے اعمال و نتائج میں) یکساں نہیں ہو سکتے۔ کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحاب جنت ہیں۔

علاوہ بریں۔ صاف صاف لفظوں میں جا بجا قرآنِ حکیم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ دینِ الٰہی نیک عملی کی ترغیب دیتا ہے اور بد عملی سے روکتا ہے، تو یہ صرف اس لئے ہے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب و قہر اُسے عذاب دینا چاہتا ہو اور اس سے بچنے کے لئے مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کی ضرورت ہو۔

آیتہ:۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ترجمہ: جس کسی نے نیک کام کیا، تو اپنے لئے کیا اور جس نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی۔ اور (یاد رکھو) تمہارا پروردگار اپنے

بندوں کے لئے ظالم نہیں ہے (کہ انہیں اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنائے۔
ایک مشہور حدیث قدسی میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔
ترجمہ حدیث قدسی (صحیح مسلم بہ روایت عن ابی ذر رضی اللہ عنہ) اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے ہیں اور سب جو بعد کو پیدا ہونگے اور تمام انس اور تمام جن اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی پرہیزگار ہے۔ تو یاد رکھو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا اے میرے بندو اگر وہ جو سب سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس و تمام جن اس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے۔ تو اس سے میری خداوندی میں کچھ نقصان نہ ہوتا اے میرے بندو اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے ہیں اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے ایک مقام پر جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے اور میں ہر شخص کو اس کی منہ مانگی مراد بخش دیتا تو میری رحمت و بخشش کے خزانے میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی۔ جتنی کمی سوئی کے ناکے جتنا پانی نکل جانے سے سمندر میں ہو سکتی ہے۔ اے میرے بندو یاد رکھو یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے انضباط اور نگرانی میں رکھتا ہوں۔ اور پھر انہیں کے نتائج بغیر کسی کمی بیشی کے تمہیں واپس دے دیتا ہوں۔ پس جو کوئی تم میں اچھائی پائے۔ اسے چاہیئے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے۔ اور جس کسی کو برائی پیش آئے تو اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

فی الحقیقت صفاتِ الٰہی کا یہی مقام ہے جہاں فکرِ انسانی نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے یہ ظاہر ہے کہ فطرت کائنات ربوبیت و رحمت کے ساتھ۔ اپنے مجازات بھی رکھتی ہے اور اگر ایک طرف اس میں رحمت و بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ و مکافات بھی ہے فکرِ انسانی کے لئے فیصلہ طلب سوال یہ ہے کہ فطرت کے مجازات اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہیں۔ یا عدل و انصاف کے؟ اس کا فکرِ نارسا عدل و انصاف کی حقیقت معلوم نہ کر سکا اس نے مجازات کو قہر و غضب پر محمول کر لیا اور یہیں سے خدا کی صفات میں خوف و دہشت کا تصور پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اگر وہ فطرت کائنات کو زیادہ قریب ہو کر دیکھتا تو معلوم کر لیتا کہ جن مظاہر کو قہر و غضب محمول کر رہا ہے۔ وہ قہر و غضب کا

نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ عین مقتضا رحمت ہیں۔ اگر فطرت کائنات میں مکافات کا مواخذ
نہ ہوتا۔ یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کے لئے تخریب نہ ہوتی تو میزان عدل قائم نہ رہتا اور تما
نظام ہستی درہم برہم ہو جاتا۔

توحیدِ وجُودی

قرآن نے تصور الہٰی کی بنیاد نوع انسانی کے عالمگیر وجدا
احساس پر رکھی ہے۔ یہ نہیں کیا ہے کہ اُسے نظر و فکر کی کاوشوں کا ایک مُعمّہ بنا دیا
جسے کسی گروہ اور طبقہ کا ذہن ہی حاصل کر سکے انسان کا عالمگیر وجدانی احساس کیا
یہ ہے کہ کائنات ہستی خود بخود پیدا نہیں ہو گئی۔ بلکہ پیدا کی گئی ہے۔ اور اس لئے
ضروری ہے۔ ایک صانع ہستی موجود ہو۔ پس قرآن اس بارے میں جو کچھ بتلاتا
صرف اتنا ہی ہے۔ وہ نہ توحید وجودی کا ذکر کرتا ہے۔ نہ توحید شہودی کا وہ صر
ایک خالقِ کائنات ہستی کا ذکر کرتا ہے جو خوبی اور کمال کی تمام صفتوں سے مُتصف ا
نقص و زوال کی تمام باتوں سے منزّہ ہے۔ اور اس سے زیادہ فکر انسانی پر کوئی
نہیں ڈالتا۔

توحید وجودی سے مقصود وحدت الوجود کا عقیدہ ہے یعنی خُدا کی ہستی
سوا کوئی ہستی وجود نہیں رکھتی وجُود ایک ہی ہے۔ باقی جو کچھ ہے تعینات کا فریب
ہے۔ مگر کہ کثرت اشیا نقیض وحدت ہست۔ تو درحقیقت اشیا نظر فگن
ہمہ اوست۔

ان حضرات کے عقائد کے مُفصّل حالات باب ہمہ اوست میں ملاحظہ فر

اِسلامی نظامِ حیات

ہر مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسلام خدا
آخری دین ہے اور حضرت محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے آخری پیغمبر ہیں

اور قرآن خداوند تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب ہدایت ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے جو ہدایت اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس بھیجی ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل اور اکمل ہے اور اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی حاجت نہیں لہٰذا ہمارا اس بات پہ پختہ یقین اور غیر متزلزل ایمان ہونا چاہیئے کہ ہماری دینی اور دنیوی فلاح و کامرانی کا انحصار اس پر کہ ہم اللہ کی اس آخری ہدایت پر عمل کریں اور اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی معاملات میں اس کو نافذ کریں۔ لیکن اسلام ایسا دین نہیں ہے جس پر جنگل کی وسعتوں اور پہاڑوں کی غاروں میں چھپ چھپ کر عمل کیا جاتا ہو اور نہ یہ خالی خولی چند دینیاتی مسائل اور عقائد کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اسلام ایک نظام زندگی اور طرزِ حیات ہے جو زندگی کی ساری جہالت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تو ان حالات میں یہ ممکن نہیں کہ اسلام کا واسطہ دوسرے مذاہب اور افکار سے نہ پڑے یہ ضروری ہے کہ ان کی خارجی افکار کے مقابلہ میں مسلمان دانشوروں میں اتفاق رائے ہونا اشد ضروری ہے اور اگر آپس میں کوئی اختلاف رائے ہو بھی تو اس کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ اگر تمہارے درمیان اختلاف رائے ہو جاتے تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پھیر دو (سورۃ النسا)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ ایک مسلمان کے نزدیک کسوٹی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا فرمان ہے اور وہ حکم یا چیز جو اس کے خلاف ہے وہ ناقابلِ قبول ہے چنانچہ ہمیں ہر وہ عقیدہ اور فکر ٹھکرا دینا چاہیئے جو اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہو اور ایسے کسی عقیدے اور فکر پہ ہرگز عمل نہیں کرنا چاہیئے جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ اسلام کے خلاف نہیں۔ آج وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کہ مغربی استبداد مسلمانانِ عالم اور دانشور مغرب اور مشرق کے جدید معاشی و سیاسی نظریات کے سامنے مغلوبانہ سر نہ جھکا دیں بلکہ ان پر جرأت مندانہ تنقید کر کے ان کا خلاف حق اور خلاف فطرت ہونا پورے دلائل کے ساتھ عام مسلمانوں پہ ثابت کر دیں تاکہ وہ پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ دینِ حنیف پر عمل کرتے رہیں اور خارجی سازشیں ان کو صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکیں اور نہ عالم اسلام کو ذہنی انتشار اور فکری ژولیدگی میں مبتلا کر کے ان کی نشاۃِ ثانیہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ کیونکہ آج اگر استعمار کو خواہ وہ مشرقی ہو یا مغربی۔ اگر خطرہ ہے تو

صرف "اسلام" سے ہے مسلمانوں سے ہے اس لئے وہ ہر صورت و ہر حیلہ سے ہماری تباہی و بربادی کے درپے ہیں۔ اس وقت جو دنیا میں اقتصادی افکار غالب ہیں۔ وہ دو ہیں۔ نظام سرمایہ داری اور نظام کمیونزم و سوشلزم جو ان دونوں اقتصادی نظاموں میں مشترک ہے وہ ان کا مادی نقطہ نظر ہے یعنی ان کے پیش نظر صرف انسان کی مادی فلاح ہے۔ اخلاقی نقطہ نظر کے یہ قائل ہی نہیں ہیں۔ کمیونسٹ تو سرے سے کسی مذہب اور اخلاق کے قائل ہی نہیں ہیں۔ کیونکہ کمیونزم کے بانی، کارل مارکس نے کہا تھا کہ مذہب ایک افیون ہے جسے سرمایہ دار طبقہ مذہب کے نام پر غریب عوام پر ٹھونستا ہے تاکہ وہ اپنی تقدیر پر شاکر اور قانع رہیں۔ اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوں اور جہاں تک کیمونزم کا تعلق ہے وہ تو کھلے طور پر منکر خدا ملحد اور بے دین و مذہب دشمن ہیں لہٰذا ان کے ہاں کسی اخلاقی نقطہ نظر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک سرمایہ دارانہ یورپ اور امریکہ کا تعلق ہے یہ بحیثیت عیسائی ہونے کے بظاہر آخرت اور اس کی جوابدہی پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن تین چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے ان کے تصور آخرت کو مجروح ہی نہیں کیا بلکہ ختم کر کے رکھ دیا۔

ا۔ ان کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو کر ان کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ اس عقیدے نے آخرت کی جوابدہی کا احساس ختم کر دیا اور اگر آخرت کی جوابدہی کا احساس ختم ہو جائے تو عقیدہ آخرت بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک روز جزا آنے والا ہے جس میں ہر آدمی اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہوگا۔ نیکو کار کی نیکی صرف اسی کے کام آئے گی اور برائی کا پھل صرف برائی کرنے والا ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یہ وہ دن ہے جس دن کسی کی ناجائز سفارش کام نہیں آئے گی اور نہ آدمی کے پاس مال و دولت یا اور کوئی دوسری ایسی چیز ہوگی جو اس کی جان چھڑا سکے۔ اور آخرت کا یہی تصور ہے جو ایک مومن کو گناہ سے باز رکھتا ہے اور یوم حساب کے خوف سے نیکی کے راستے پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ اس کے برعکس عیسائیوں میں یہ فرض کر لینے کے بعد کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مصلوب ہو کر ان کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں جواب دہی کا احساس

ختم کر دیتا ہے اور اب وہ شتر بے مہار ہو کر جو چاہیں کریں ان کے عقیدے کے مطابق بخشے تو بہر حال ان کو جانا ہی ہے۔ لہٰذا آخرت کے لئے ایثار و تگ و دو کرنے کا فائدہ کیا ہے۔

۲۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم صحیح و سالم اور غیر محرف صورت میں موجود تھی وہ عین السلام تھی لیکن جب راہبوں اور بشپوں نے اس تعلیم میں کمی و بیشی کر دی اور خدا کی کتاب کو ضائع کر دیا اور ساری قوم گمراہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ایک مکمل شریعت دنیا کے سامنے پیش کریں جو قیامت تک کے لئے کارفرما رہنے والی ہو۔ اس وقت بھی جو چند خدا کے نیک بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار تھے وہ تو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے باقی سب قوم گمراہ کی گمراہ رہی لہٰذا موجودہ دور میں جو عیسائیت موجود ہے چونکہ وہ خدائی تعلیمات پر مبنی نہیں ہے۔ اور نہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے معاملات پر حاوی ہے۔ اس لئے وہ یورپ کی مشینی اور سائنسی زندگی کا ریلا برداشت نہ کر سکی اور معمولی کشمکش کے بعد مغلوب ہو گئی اور اس وقت غیر موثر بلکہ عضوِ معطّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے کروڑوں عوام کی انفرادی زندگیوں اور ان کے معاشرے کے اجتماعی معاملات پر ان کا ذرہ برابر اثر بھی باقی نہ رہا ہے یہی وجہ ہے اس وقت یورپ و امریکہ کے معاشرے میں اخلاقی نقطہ نظر کے لحاظ سے کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہے۔

۳۔ تیسری چیز جس نے ان کے اخلاقی نقطہ نظر کو بالکل ختم کر دیا ہے وہ ان کی خود غرضی قوانین کی من مانی تحویل اور ان کا دوغلا پن ہے۔ مثلاً لوٹ مار ایک قبیح جرم ہے اگر ان کے ڈکیتی کی کوئی واردات ہو جائے تو پولیس فوراً حرکت میں آجاتی ہے اخبارات آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں لیکن برطانیہ۔ فرانس۔ اٹلی۔ پرتگال وغیرہ سینکڑوں سال تک مسلمان ممالک کو لوٹ لوٹ کر کھاتے رہے اور ہندوستان کو بھی جو کبھی سونے کی چڑیا کے نام سے مشہور تھا۔ اس کو برطانیہ نے لوٹ لوٹ کر قلاش کر دیا لیکن انہیں بحیثیت قوم کے کبھی احساس تک نہ ہوا کہ وہ کس قسم کے ظالمانہ اور قبیح ناقابلِ معافی جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ گویا انفرادی اور اجتماعی معاملات میں انہوں نے

الگ الگ پیمانے بنا رکھے ہیں۔ ایک کام اگر فرد کرے تو وہ جرم ہے لیکن قوم کرے تو کوئی جرم نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک قومی مفاد کا عین تقاضہ ہے یہ خود ساری دنیا میں سازش کرتے رہتے اور حکومتوں کا تختہ اُلٹتے رہتے ہیں لیکن جب ایک مسلمان حکومت نے آئرلینڈ تحریک آزادی کی امداد کا اعلان کیا تو پورا مغرب چیخ اُٹھا۔ مختصر یہ کہ اخلاقی اصولوں کو انہوں نے اپنے ہاتھ کی چھڑی بنا رکھا ہے جس طرف چاہتے ہیں گھما دیتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر یورپی معاشرے میں سے اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل چکا ہے اس وقت دُنیا میں جو دو اہم اقتصادی نظام ہیں یعنی کمیونزم اور سرمایہ داری اس لحاظ سے مشترک ہیں کہ دونوں مادیت پر یقین رکھتے ہیں۔ بظاہر اس دنیا میں انسان کی بہتری اور فلاح چاہتے ہیں جو کہ خود ان کے اخلاقی دیوالیہ پن کی وجہ سے ناممکن اس کے برعکس اسلام پورے خلوص سے انسانیت کی فلاح چاہتا ہے اسلامی نظام حیات ہی مکمل ضابطہ حیات ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے افراد کی اور معاشروں کی تقدیر بنتی ہیں۔ قرآن حکیم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ قومیں اس لئے عروج نہیں پاتیں کہ ان کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو جاتی ہے اور نہ وہ اس لئے قعرِ تنزل میں گر جاتی ہیں کہ وہ غریب ہو جاتی ہیں۔ بلکہ قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قوموں کا عروج و زوال کا انحصار اس رویّہ پر ہے جو وہ خدائی تعلیم کے ساتھ روا رکھتی ہے۔ عاد و ثمود اور بعد میں رومی و شامی تہذیبیں اپنے عروج پر تھیں اور عین اس عروج کی حالت میں تباہ ہوئیں کیونکہ انہوں نے خدائی تعلیم کو ٹھکرا دیا تھا۔ قارون کو اس کا خزانہ نہ بچا سکا اور عاد و ثمود کو ان کی بلند و بالا عمارتیں پناہ نہ دے سکیں اور فارس کے حکومت کے دن اسی وقت پورے ہو چکے تھے جب کسریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک چاک کر دیا تھا

دوسری چیز یہ کہ اسلام میں فلاح اور کامرانی کا یہ تصور سرے سے موجود ہی نہیں کہ اس سے صرف اس دنیا کی کامیابی مقصود ہو ایک آدمی کے پاس اگر بہت سا مال و دولت ہو، اولاد ہو۔ زمینیں ہوں کارخانے ہوں اور باغات ہوں لیکن اگر اس نے آخرت کے لئے کچھ نہیں کمایا۔ اسلام کے اصولوں کی خلاف ورزی کر کے یہ چیزیں حاصل کی ہیں۔ تو وہ امیر نہیں غریب ہے خوش قسمت نہیں بدقسمت ہے اور اس کے برعکس اگر ایک آدمی غریب ہے مفلس ہے لیکن توشۂ آخرت رکھتا ہے تو اسلامی نقطہ نظر

امیر ہے کامیاب اور بامراد ہے اور یہی نہیں کہ اسلام میں دنیا و دین کی فلاح پر مقدّم رکھا گیا ہے ۔ آخرت کی بربادی کا خوف ہو تو دنیا کے مفاد کو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن دنیاوی مفادات کے لئے آخرت کی بربادی کا خطرہ مول لینا کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں ہے ۔ اکثر لوگ جھوٹ بول کر کم تول کر چور بازاری اور رشوت وغیرہ کے ذریعے دولت زر تو کما لیتے ہیں لیکن اپنی آخرت خراب کر لیتے ہیں ۔ مگر ایک سچا و پکا مسلمان ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ ایسا قبیح فعل کرنے سے اس کی عاقبت خراب ہو جائے گی ۔ کل یوم حساب وہ اللہ کے ہاں کامیاب نہیں ہو سکے گا یہ دُنیا تو چند روزہ ہے یہاں کا وقت تو گذر ہی جائے گا ۔ اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے یہاں کی زندگی تھوڑی ہے وہاں کی زندگی طویل ہے یہاں فنا ہے وہاں بقا ہے ۔ یہاں عیش و عشرت محدود ہے وہاں لا انتہا ہے یہاں خوشی کم اور غم زیادہ ہے وہاں خوشی ہی خوشی ہے ۔ اب خود ہی ذرا عقلِ سلیم سے سوچئے کون سا سودا بہتر ہے اس دنیا کا یا اُس دنیا کا ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کمیونزم اور سرمایہ داری دونوں نظام ناقص ہیں ۔ مردود ہیں اور ناقابل قبول ہیں ان کے برعکس اسلامی نظام حیات دین و دنیا دونوں کی بہتری چاہتا ہے ۔

موجودہ صدی کے اوائل سے لے کر اب تک دنیا دو بار عالمی جنگ میں مبتلا ہو چکی ہے اور تیسری جنگ اقوام عالم کے سروں پہ منڈلا رہی ہے ۔ اگر ان حالات کا بہ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لئے کوئی بھی لمحہ امن و آشتی کا پیغام نہیں لایا ۔ باہمی انتشار نے عالم انسانی کی تباہی کو جنم دیا ۔ اور کشت و خون نے انسان کو خود اپنے ہی لئے درندہ بنا لیا ۔ جنگی تصور نے انسان کو اپنی تباہی کے لئے مہلک ترین ہتھیار بنانے پر مجبور کیا ۔ جنگ جیتنے کے جنون نے انسان کو اس حد تک احساس کرا دیا کہ وہ جنگ میں کامیابی کو اپنی بقا جاننے لگا ۔ اور انسان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے لگا ۔ انسانی سوچ میں کتنا تضاد ہے ایک طرف تو انسانیت کی بقا کے لئے انجمنوں کی داغ بیل ڈالی جاتی ہے اور دوسری طرف انسانی تباہی کے لئے منصوبے بنائے جاتے ہیں ۔ اپنی زندگی کو مقدم جانتے ہوئے مخلوق خدا کی تباہی کے لئے ایٹم بم ۔ ہائیڈروجن بم اور دیگر انواع و اقسام کے مُہلک سے مہلک ہتھیار

بنائے جاتے ہیں۔ یہ بھی تو تہذیب حاضر کی کارگزاری ہے۔ آیئے اب اسلام اور اقوام کا جائزہ لیں۔ آیا اسلام امن وسلامتی کا پیامبر ہے یا دوسرے لادینی نظریات۔

اسلام ہی حقیقی معنوں میں امن وسلامتی کا پیامبر ہے۔ قرآن کریم نے ان اقدام کو سختی سے روکا ہے۔ جس سے زمین میں فساد واقع ہو۔ لوگوں میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہو یا معیشت متاثر ہو۔

قرآن کریم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اللہ جل شانہ، فسادیوں کو پسند نہیں کرتے یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ جب مالک وکون ومکان فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، تو اُن کا کردار ہر لحاظ سے ہی ناپسندیدہ کہلائے گا۔ فساد صرف قتل وغارت پر ہی موقوف نہیں بلکہ ہر وہ قدم فساد کی ذیل میں آتا ہے۔ جس سے مخلوقِ خدا کسی نہ کسی طرح متاثر ہو۔ اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "فتنہ" قتل سے بھی زیادہ سخت جرم ہے۔ قتل میں ایک یا چند افراد ہلاک ہوتے ہیں۔ مگر فتنہ بے شمار لوگوں کو پریشان کر سکتا ہے۔ اور اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔ اب جبکہ انسان تہذیب وتمدن کی بلندیوں کو چھونے کا بلند بانگ دعویٰ کر رہا ہے۔ اور انواع واقسام کے لئے نئے ہتھیار ایجاد کئے جا رہے ہیں۔ جو بنی نوع انسان اور اس کی معیشت ومعاشرت کو تباہی کی حد تک متاثر کرتے ہیں۔ ہڑتالیں، ایجی ٹیشن، توڑ پھوڑ، لوٹ مار، غارت گری اور خودسوختگی وغیرہ اس ذیل میں آتے ہیں۔ ناشائستہ وِان فانہ یسا کا دگزاریوں سے فساد بپا ہوتے ہیں۔ مناقشات پیدا ہوتے ہیں اور مفید خلائق کارخانے بند ہو جاتے ہیں۔ مزدوروں کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ملکی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور فائدہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اختلافِ رائے اور عمل سے تلخیاں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن انسانی فکر وعمل سے ان شکر رنجیوں کو احسن طریقے سے بھی حل کیا جا سکتا ہے اور کوئی نقصان اُٹھائے بغیر بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ عوامی قوت اس دور کا مسلمہ ہتھیار ہے رائے عامہ کے مناسب اور موزوں استعمال کے ذریعہ حکومتوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ رائے عامہ حقیقت پسندی پر مبنی ہو۔ اگر اس بہترین ہتھیار کو غلط طریقہ پر استعمال کیا جائے۔ تو نتائج خاطر خواہ نہیں ہو سکتے۔ رائے عامہ کے اظہار کے لئے توڑ پھوڑ۔ قتل وغارتگری

زبانی اور ناشائستہ حرکات ضروری نہیں۔ ان حرکات سے ملک و ملت اور بے گناہوں
نقصان پہنچتا ہے۔ بظاہر جن کے بھلے کے لئے ایسے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ انہی
نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً احتجاجی جلوس نکلتا ہے۔ تو راستہ میں مکانوں کو آگ لگاتا
ہے دکانوں کو لوٹتا ہے۔ راہ گیروں پر پتھراؤ کرتا ہے۔ سٹرکیں۔ برقی تاریں اور ٹیلی فون
کے کھمبے توڑے جاتے ہیں۔ بسوں اور کاروں کو آگ لگائی جاتی ہے۔ اور اس طرح شہری
زندگی کو مفلوج کر کے رکھدیا جاتا ہے۔ اور نعرے اسلام زندہ باد اور پاکستان زندہ باد
کے لگتے ہیں۔ اور کام اسلامی احکام اور ملکی مفادات کے خلاف کئے جاتے ہیں،
بلکہ اسلام کے درمیان جنگ میں بھی متحارب دشمنوں کی فصلوں۔ عورتوں بچوں،
بوڑھوں اور گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں اور رفاہ عامہ کے اداروں کو بھی سر تا سر
منافی ہے۔ اسلامی آئین و اخلاق کا تقاضہ ہے کہ مسائل عقل و منطق سے طے
کئے جائیں۔ امن و آشتی کے اصولوں کی روشنی میں حل کئے جائیں۔ خصوصاً اس قوم
کے لئے مسائل پر قابو پانا آسان ہے۔ جس کے پاس ایک بلند پایہ آئین موجود ہو
اور ایسی عظیم کتاب کی رہنمائی حاصل ہو جو ایک مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں موجود ہے
معاشرتی زندگی میں ہر اس شے کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے جس سے خود انسان کو نقصان
یا دوسروں کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔ معاشرہ مل جل کر زندگی بسر کرنے کا نام ہے
ہر معاشرہ اپنے مخصوص عقائد و نظریات اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ عملی زندگی نظریات
کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ معاشرہ میں تمام عملی شعبے اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات کے
مطابق عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کا خوف صلح و محبت کی زندگی اور
ہدایات ربانی کی پیروی ہی اسلامی معاشرے کی روح ہے۔ یہی وہ کارہائے نمایاں
تھے۔ جنہوں نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی گمراہی اور گنوار پن دور کر کے ایک قلیل
مدت میں دنیا کا رہنما بنا دیا معاشرہ میں بگاڑ کا سبب ہمیشہ خوش حال اور کھاتے پیتے
گھرانوں کے لوگ ہوا کرتے ہیں یہ لوگ فسق و فجور ظلم و ستم اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں
اور یہ متعدی بیماری آخر کار ساری قوم کو لے ڈوبتی ہے۔ قرآن کریم کا فرمان ہے کہ جب
ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا قصد کرتے ہیں۔ تو اس کے خوشحال لوگوں کو چھوٹ دیتے
ہیں اور وہ اس میں کھلی نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر نافذ

ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اسلام اپنے ہوں یا بیگانے سب کے لئے رحمت ہے ۔ قرآن کی ا[illegible]
سے ہوتی ہے کہ تمام تعریفوں کی حقدار اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے
جہانوں کا پالنے والا ہے لہٰذا اس کے بندوں کو بھی وسیع القلب ہونا چا[illegible]
کائنات کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہیئے ۔ اور ان کے ساتھ برابری او[illegible]
کا سلوک کرنا چاہیئے ۔

قرآن کریم کے اس فرمان کے بعد یہ بات پوشیدہ نہیں رہ جاتی کہ اسلا[illegible]
حیات میں انسانوں کے کیا درجات اور حقوق ہیں ۔ پھر قرآن کریم کے اس [illegible]
بعد یہ بات پوشیدہ نہیں رہ جاتی اور رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
دوسرے انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی ہے ۔ مذہبی عقائد کے متعل[illegible]
کہ دین کے بارے میں کسی پر سختی یا زیادتی نہیں کرنی چاہیئے ۔ اسلام ایک ایسے انسا[illegible]
کا نام ہے جس کی بنیاد اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں پر استوار ہے ۔ جب ہم کہتے [illegible]
انسانی زندگی کا مکمل لائحہ عمل ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے ۔ کہ اسلام، قرآن
اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کو اس مقام پہ دیکھنا چاہتے ہیں ج[illegible]
اشرف المخلوقات کا لقب موزوں ہو ۔ اگر انسان اس درجہ پر نہ پہنچ سکے تو [illegible]
حیوانات سے مختلف نہیں ہو سکتا ۔ خدا تعالیٰ کی نظروں میں وہی لوگ قدرو[illegible]
کے حقدار ہیں ۔ جو برائیوں سے دور رہیں اور نیکیوں کو اپنا شعار بنالیں [illegible]
کا مطلب اور مفہوم ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان اس مرتبہ پر کیسے پہنچ سک[illegible]
تو اسلام کے نزدیک اس کا طریقہ کار یہی ہے کہ احکام الٰہی پہ کما حقہٗ عمل [illegible]
قدم قدم پہ قوانینِ فطرت کو سامنے رکھا جائے ۔ اسلام دینِ فطرت ہے [illegible]
کے تمام اصولوں و قوانین فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں ۔ اللہ تبارک [illegible]
نے سورۂ فرقان میں ایسے نیک بندوں کی نشاندہی ان الفاظ میں بیان کی [illegible]
نیک بندے وہ ہیں جو زمین پہ آہستگی سے چلتے ہیں اور ان میں تکبر غرو[illegible]
خودی اور انانیت نہیں ہوتی وہ خود دار ضرور ہوتے ہیں ۔ لیکن خود غرض نہیں [illegible]
اور جب جاہل لوگ ان سے اُلجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ صلح و آشتی کی بات [illegible]

بڑھ جاتے ہیں۔ وہ نہ تو خود فساد کے خوگر ہوتے ہیں۔ اور نہ دوسروں کو اس کا موقع دیتے ہیں۔ وہ دن رات سربسجود رہتے ہیں۔ کہ اس نے ہمیں انسانیت کا بلند مقام عطا کیا۔ وہ ہر وقت دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ بار الٰہی ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جس کی پاداش میں جہنم کی آگ میں جانا پڑے۔ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ بخل نہیں کرتے اور نہ اسراف کرتے ہیں بلکہ حدِ اعتدال پر رہتے ہیں۔ نہ خدا کے سوا کوئی سہارا پکڑتے ہیں۔ اور نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں، اور نہ اخلاق سوز محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جب ان کے سامنے آیاتِ الٰہی بیان کی جاتی ہیں یا خدا کی قدرتوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے بلکہ خدا کی ان نشانیوں پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان میں سے بھلا یا برا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ متعلقین ہمارے جوڑے ہوں یا اولاد ہو جو سیدھے راستے پر ہو۔ اور ہم اعلٰے انسانی اقدار اختیار کرنے میں نیک لوگوں کے راہ نما بنیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو بہترین زندگی سے نوازا جائے گا۔ یہ ہے ایک مسلمان کی زندگی کا خاکہ کیونکہ ان کا ہر قدم نیکی کی طرف اٹھتا ہے۔ اور دوسروں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دیتے ہیں۔ تاکہ انسانی معاشرہ صحیح معنوں میں جنت کا نمونہ بن جائے۔ جہاں ہر شخص اپنے حال میں خوش ہو۔ کسی کو کسی کے ساتھ بغض اور عناد نہ ہو۔ اگر ہم اپنے اندر یہ صفات نہیں پیدا کرتے تو پھر ہمارا مسلمان ہونے کا دعوٰے کھوکھلا اور بیجان ہے ہم میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ انسانیت عقل اور تمیز سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں بلکہ انسان حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جس کو قرآن کریم اس انداز میں بیان فرماتا ہے " جو لوگ کتابوں کے گٹھے اٹھائے پھرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے ان کی مثال ان گدھوں کی سی ہے جن پر کتابوں..... کا بوجھ لاد کر ہانک دیا جاتا ہے۔۔

خلیفۃ الارض

(ترجمہ آیۃ سورہ بقر) یاد کرو اس وقت کو جبکہ خداوند عالم نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو ملائکہ نے عرض کی کہ اے پروردگار تو ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد و خونریزی برپا کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تقدیس

بجا لاتے ہیں تو خداوند عالم نے فرمایا تحقیق جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔
قصہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و ملائکہ سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا عمدہ بزرگ و عالی منصب تھا جس کی استعداد و قابلیت جنّ تو کیا ملائکہ بھی نہیں رکھتے تھے اس عہدہ جلیلہ کے لیے ملائکہ نے خواہش کی لیکن حاصل نہ کر سکے۔ اب سوچنا اس بات ہے کہ رب العالمین نے بیشمار نعمتوں میں سے کونسی نعمت خاص حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام کو عطا کی جس کی بدولت فرشتوں سے بازی بشر لے گیا۔ وہ نعمت عظمیٰ علم ہے چند مدعیانِ خلافت یعنی ملائکہ و حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مابین مقابلہ اسی علم کا ہوا حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا (ترجمہ آیۃ کریمہ) اگر تم دعوئے خلافت میں سچے ہو ان تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہاں ملائکہ خاموش ہو گئے اور اپنے عجز و قصور پر شرمندہ ہوئے پھر آدم علیہ السلام کو فرمایا اب جبکہ تم ہمارے خلیفہ و نائب ہو تو ان کو تمام چیزوں کے نام بتاؤ اور تعلیم دو۔ پس معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کمال سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسمائے موجودات ارضی و سماوی، بری ۔ بحری ۔ خفی و جلی کا علم کی سرشت ہی میں ودیعت کر دیا تھا۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام علیم بالذات خداوند عالم سے ہیں ۔ اور جب اس کی صفت علم سے متصف ہوئی تب قائم مقام خلیفہ کہلائے ۔ خداوند عالم جامع جمیع صفات کمالیہ، جمالیہ و جلالیہ کے ہیں ۔ لہٰذا اس کا خلیفہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جس میں کچھ نہ کچھ پرتو صفات احدیت کا ہو۔ خداوند عالم قادر مطلق، حی و قیوم، علیم بالذات، سمیع بالذات، بصیر بالذات، حکیم بالذات، حفیظ بالذات اور غنی بالذات ہے۔

اب خود ہی خیال کر لو کہ قادر مطلق کا خلیفہ اپاہج، علیم کا خلیفہ جاہل، سمیع کا خلیفہ بہرہ، بصیر کا خلیفہ اندھا، حکیم کا خلیفہ مریض، حفیظ کا خلیفہ خائن اور غنی کا خلیفہ مفلس کیسے ہو سکتا ہے۔ خلیفہ خداوند عالم کا وہی ہو سکتا ہے جو خصوصیت کے ساتھ متصف باوصاف خداوندی و متخلق باخلاق اللہ اور مظہر کمالات ذات الٰہی ہو (حدیث شریف میں آیا ہے) "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" یہ تحقیق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی صورت پر خلق کیا۔ پس جاننا چاہیے خداوند عالم کی کوئی صورت و شکل نہیں۔ جس کو دیکھ سکے یا مخلوق پہچان سکے۔ لہٰذا

اس نے اپنی صورت صفاتی کا نمونہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنایا، تاکہ جو خدا دیکھنا چاہے اس کے اوصاف و کمالات اُس آئینہ میں ملاحظہ کر لے۔ کیونکہ اس کی مخلوق میں اس کا نائب یعنی خلیفہ ہے وہ اِنی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین ۵" یعنی مَیں مٹی سے ایک بشر خلق کرنے والا ہوں پس جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں اے ملائکہ تم فوراً سجدہ بجالاؤ۔ پس حکم سجدہ میں ایک خاص نقطہ خاطر رہے کہ یہ سجدہ تعظیم جسم خاکی انسان کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ بعد از نفخ روح سجدے کا حکم ہوا۔ اور یہ سب تعظیم و تکریم اس روح معظم کی تھی جو من جانب اللہ تبارک و تعالیٰ سے تھی اور اسی راز کو نہ سمجھنے کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہِ ربّ العزت ہوا۔

خلیفۂ اعظم

خلیفۂ اعظم و خلیفہ مطلق حضورِ پُر نور، سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جیسے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اوّل "ماخلق نوری وخلق کلھم من نوری" ترجمہ۔ اُس صانع مطلق نے سب سے پیشتر میرا نور پیدا کیا۔ اور پھر اس نور سے کل کائنات کو پیدا کیا۔ ذات سراپا برکات حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذات احدیت کے درمیان اور کوئی مخلوق واسطہ نہیں اور حضورؐ کا بلا واسطہ خدا کے ساتھ تعلق ہے جیسے کہ شعاع آفتاب سے یہ جہان زندہ و پائندہ ہے۔ اور اسی طرح ذات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متصف کیا۔ اور کسی کو بھی نہیں کیا۔

۱۔ خداوند تعالےٰ ربّ العالمین ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ العالمین ہیں۔

۲۔ خداوند عالم داعی الی الحق ہے تو اس کا نبی داعی الی اللہ ہے۔

۳۔ خدا ہادی خلق ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی الی اللہ ہیں۔

۴۔ خداوند کریم علیم و حکیم ہے تو اس کا پیغمبرؐ بھی صاحب علم و حکمت و معلم کتاب

حکمت ہے۔

۵۔ خداوندِ عالم صاحب عرش مالک علم تقدیر و تدبیر ہے تو اس کا رسولؐ بھی خز
علمِ الٰہی حاملِ عرش علم و تدبیر ہے۔

۶۔ خداوند قدوس سمیع و بصیر و شہید علی الخلق ہے تو پیغمبرؐ خدا بھی مظہر سماعت
بصارت الٰہی اور شہید علی الخلق ہے

۷۔ خداوند تعالےٰ بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے تو اس کا رسولؐ اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی
تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔

لہٰذا افضل ترین خلفاء اللہ ہی سے ذات سراپا برکات حضرت محمد مصطفےٰ صلی
علیہ وآلہ وسلم کی ہے جو تمام صفات کاملہ و اخلاق فاضلہ اور اوصاف خدائی سے متصف
ہیں۔ اور اس سے بلاواسطہ تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ بمنزلہ آلات اعمال الٰہی ہیں او
اسی وجہ سے افعال خدائی ان سے صادر ہوتے ہیں۔ خدا چشم محمدیؐ سے دیکھتا ہے گوش
محمدیؐ سے سنتا ہے۔ زبانِ محمدیؐ سے بولتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے وسیلہ سے دیتا اور لیتا ہے۔ نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے کہ اے حبیبؐ جو لوگ تیرے
ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ مجھ سے بیعت کرتے ہیں کیونکہ دستِ محمدیؐ ہی دستِ خدائی
ہے۔ دوسری آیتہ کریمہ میں آیا ہے کہ اے حبیبؐ تو نے خاک نہیں پھینکی بلکہ میں نے
پھینکی ہے کیونکہ تیرا ہاتھ دستِ الٰہی ہے۔ تیسری آیتہ میں آیا ہے) کہ خدا اپنے
بندگان کے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کا رسولؐ بھی باتوفیقِ الٰہی بندگانِ خدا کے
اعمال کو دیکھتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے کلامِ پاک میں فرمایا کہ اطاعت
پیغمبرؐ عین اطاعت اللہ ہے بلا اطاعت رسولؐ کوئی عبادتِ خدا قبول نہیں کرتا۔

چونکہ حضورؐ پُر نور مظہرِ کامل خداوند عالم اور آئینہ جمیع صفات کمالیہ، جمالیہ، جلالیہ
رب قدیر کے ہیں۔ لہٰذا ہر فعل اُن کا فعل خدا ہے۔ ہر قول اُن کا قولِ خدا ہے اور اطاعت
ان کی اطاعت اللہ ہے اور حکم ان کا حکم خداوند تعالےٰ ہے۔ القصّہ مختصر خلیفہ خدا،
مظہرِ ذات خدا ہے۔ خدا خیر مطلق ہے لہٰذا اس کا خلیفہ بھی خیر مطلق ہے۔ اس سے
شرک کبھی صادر نہیں ہوتا۔ اور چونکہ روح اس کی خاص روح اللہ ہے۔ اور جن و انس
ملائکہ سے افضل اور ان سے فائق ہے۔ اس لئے شیاطین اس پر مسلط نہیں ہو سکتے اور

یت پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہژدہ ہزار عالم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہیں۔ اس لئے کوئی شے ماتحت اپنے فوق پر غالب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان سے ہی کا صادر ہونا ناممکنات سے ہے لہٰذا خلیفۃ اللہ از اوّل عہد تا آخر عہد تک ہر سے پاک و معصوم ہوتا ہے۔

خلیفۃ اللہ کی صفت و ثنا میں جو اس کمترین غلام نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بارے میں لکھا ہے وہ تمام تر نصوص قرآنیہ واحادیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کیا ہے۔ اور دُعا ہے کہ خداوند عالم بحق محمدؐ وآلِ محمدؐ میری اس سعی و کوشش کو قبول فرما دے اور احباب کو اس کا مطالعہ کرنا اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین ۔ "وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ"

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ"

لفظِ رحمت ایسا لقب ہے۔ جو خاص کر حضور پُر نور حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے مخصوص ہوا، حضورؐ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نہیں ہوا۔ اور یقین رکھنا چاہیئے کہ رحمۃ اللعالمینؐ وہی وجودِ مسعود سراپا جود کہلانے کا مستحق ہے۔ جس کے پیشِ نظر اہل عالم بلکہ ہر عالم کی بہبود و سود رفاہ و فلاح خیر و صلاح عروج وارتقا، بلا کسی ذاتی غرض و طمع کے ہو۔

جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو۔ جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو۔ جس نے دل کو پاک، روح کو روشن، دماغ کو درست اور طبع کو ہموار بنایا ہو۔ جو غریبی وامیری جوانی و پیری، امن و جنگ، اُمید اور یاس وگدائی و پادشاہی، مستی و پارسائی، رنج و راحت حزن و مسرت کے ہر درجہ اور ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو جس نے فلک کی بلندی۔ زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی، سورج کی چمک ذرّہ کی پرواز، قطرہ کی طراوت میں عرفانِ ربانی کی سیر کرائی ہو۔

جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہانبانی غلاموں کو سلطانی، شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔ جس نے خشک میدانوں میں علم و معرفت کے دریا بہاتے ہوں۔ جس نے سنگ لاخ زمینوں سے کتاب و حکمت کے

چشمے چلائے ہوں جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا درد مند بنایا ہو جس دشمنوں کو بھی اپنا جگری دوست ٹھہرایا ہو وہ غریبوں کا محب، مسکینوں کا شاہوں کا تاج و آقاؤں کا آقا و غلاموں کا محسن یتیموں کا سہارا، بے آسراؤں کا آسرا، بے خانماؤں کا ماویٰ و مساوات کا حامی اخوت کا بانی صدق وصفا کا منبع معدن خاکساری، رحمت ربانی کا پتلا۔ اولین انسان آخرین رسول اگر "رحمۃ اللعالمین" کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہو "رحمت اللعالمین" وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری، اقوام کی بیگانگی، رنگ و اختلاف، زبانوں کا افتراق دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ سب دماغوں میں ایک ہی تصور، سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلعم جاری کر دیا ہو۔

رحمت اللعالمینؐ وہی ذات با برکات ہے۔ جو یہودیوں کی طرح نذر و منت کی قبولیت کے لئے بنی لاوی کا واسطہ ضروری قرار نہیں دیتا۔ اور عیسائیوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا، سُرگ یا نرگ میں دھکیل دینے کی طاقت صرف برہمنوں کو ہی عطا نہیں کرتا، خاص رقبہ کے باشندوں کو آسمانی پادشاہت کے فرزند نہیں ٹھہراتا، جو نسل وا... کے افراد ہی کو خدا کی برگزیدہ قوم نہیں قرار دیتا۔

جو یہودیوں، عیسائیوں، زرتشتیوں، برہمنوں، جینیوں، اور لاماؤں کی طرح اپنے سوا باقی سب پر رحمت و الطاف وکرم کے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا رحمۃ اللعالمینؐ وہی ہے جس کے دربار میں عربی، عجمی، رومی، شامی ایرانی، تورانی، کالے گورے بلا کسی امتیاز کرو فر عزّو جاہ کے خاکساری و پاکبازی کا نمونہ بنے ہوئے پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اتنی قوموں اور اتنے مختلف علاقوں و اطوار کے لوگوں کا مجمع کسی اور جگہ بھی نظر آتا ہے۔

رحمۃ اللعالمینؐ وہ ہے جس نے جوئے۔ شراب کے حرام ہونے کا حکم تمام عالم کو سنایا۔ شراب جوئے کو نجس عمل شیطان اور بنائے عداوت و سبب بغض سرمایہ غفلت اور ذریعہ دوری از خدا بتلایا۔ یہ فیصلہ اس زمانہ کا ہے۔ جب تمام دنیا شراب

پر لٹو تھی - جب بزرگوار پولوس کی ہدایت کے پابند سادہ پانی پینے کو معیوب سمجھتے تھے جب ایران کے پیالے کو جام جم سمجھتا تھا۔ جب بہشت سے مراسم دینی و دنیوی کی تکمیل شراب کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی - اسلام کے اس حکم بندش شراب کا تیرہ سو برس دنیا نے مقابلہ جاری رکھا تھا۔ لیکن یورپ کی جنگ عظیم از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء اس حکم کی اصلیت کو منکشف کر دیا -

شاہ برطانیہ جارج پنجم نے بذات خود ترک مے نوشی کر کے قوم کو خود نمونہ بن کر دکھایا - پھر روس و انگلستان اور فرانس میں کسی حد تک اس پر عمل کیا گیا - امریکہ نے بھی شراب نہ تیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا - فی الحقیقت ترک شراب ایک رحمت ہے -

جس وجود پاکؐ نے سب سے پہلے دُنیا کو اس مسئلہ کی ہدایت کی وہ "رحمۃ للعالمین" ہے ۔ ایسے احکام قرآن مجید اور حدیث پاک میں سینکڑوں کی تعداد میں وارد ہوئے ہیں - ناظرین حضرات ذرا غور کریں کہ اس مضمون میں جن مسائل کا ذکر کیا ہے - یہ خالص ایسے مسائل ہیں کہ مسلم و غیر مسلم ہر دو مساوی طور پر ان سے مستفید ہو سکتے ہیں اور مستفید ہو رہے ہیں - ان مسائل کو ترک کر دینے کے بعد تمدن کے قیام اور شائستگی کے وجود کی بقا ہی نہیں رہ سکتی - اس لئے دُنیا کو ماننا پڑے گا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع ہی رحمۃ للعالمینؐ ہیں -

البتہ اہل اسلام پر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الطاف و کرم خاص ہے اور اس لئے کہ یہ لوگ آپ کی اطاعت و محبت کی وجہ سے اس آفتاب حقیقت سے زیادہ تر منور ہونے کی سعی کیا کرتے ہیں اس لئے رب العالمین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت میں فرمایا ہے - "بالمومنین رءوف رحیم" دیکھو رحمت کے ساتھ یہاں رافت کا اضافہ ہو گیا ہے - مبارک ہیں وہ لوگ جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت سے استفادہ حاصل کرتے ہیں -

خلافتِ راشدہ

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

آپؓ خلیفہ اوّل اور یارِ غار حضرت سیّد الابرار علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ہیں آپؓ کا اسم مبارک عبداللہ، کنیت ابوبکرؓ اور لقب پاک صدّیق و عتیقؓ ہے، اور اشاعت دینِ متین اور اعانت محبوبؐ رب العٰلمین میں ہمیشہ حاضر و مستعد رہے آپؓ کے فضائل و مناقب قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں جو بیان کئے گئے ہیں وہ بے حد و بے شمار ہیں۔ اور میرے ذکر و فکر سے باہر ہیں اور آپؓ کے فضائل و اوصاف لکھنے کے لئے ایک بڑا دفتر درکار ہے۔ آپؓ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے منکرین زکوٰۃ کی گوشمالی کی۔ اس کے بعد بہت سے خود ساختہ نبیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ سب سے بڑا ثبوت آپؓ کی فضیلت اور خلیفہ برحق ہونے کا یہ ہے کہ آپؓ کی اقتدا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمائی اور جب حالتِ علالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں ذکر فرمایا تو حضور پُرنور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیا امام بنائیں گے بلکہ خود اللہ تعالےٰ ان کو امام بنا دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماسوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کسی اور اُمّتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ البتہ ایک مرتبہ ایک سفر میں صرف ایک رکعت نماز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی۔ افسوس کا مقام ہے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے بزرگی دی ہو تو ان کی شان میں توبہ نعوذ باللہ۔ بے ادبی کرنا اور ان کو بُرائی سے یاد کرنا۔ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔ آپؓ کے عہد خلافت میں آپؓ کے وزیر اعظم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور قاضی القضاۃ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ آخر کار یہ

یارِ غار احمد مختار۔ محبوبِ کردگار۔ ناصرِ دین متین۔ اُمت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو برس تین ماہ دس دن مسند خلافت پر رونق افروز رہ کر تریسٹھ برس کی عمر میں مطابق سن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، بتاریخ ۲۲۔ جمادی الاخری ۱۳ھ خالقِ حقیقی سے جا ملے اور داخلِ خُلدِ بریں ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو وصیت کی تھی کہ مجھے غسل دے کر جب کفنا لو، تو میرا جنازہ اس حجرہ مبارک کے دروازے پر لے جانا۔ جہاں پر میرے حضورؐ پُر نور رونق افروز ہیں۔ میرے جنازہ کو درِ حجرہ پر رکھ دینا۔ اگر دروازہ خود بخود کھل جائے تو مجھے اندر لے جا کر دفن کر دینا۔ ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دینا۔ چنانچہ اُس وقت سب حاضرین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دروازہِ حجرہ مبارک خود بخود کھل گیا۔ اور یار، یار کے پہلو میں جا کر آرام نشین ہو گیا۔ سبحان اللہ ماشا اللہ کتنی بڑی شان ہے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ وتعالےٰ عنہ کی۔

ارشادات عالیہ

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۱۔ ارشاد فرمایا حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ وتعالےٰ عنہ نے کہ اے برادرانِ اسلام اب جبکہ اللہ واللہ کے رسوؐل صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بارِ خلافت مجھ ناچیز و کمزور و ناتواں کے کاندھوں پر ڈالدیا ہے تو وہی میرے حامی و ناصر ہیں۔ اگر میں اللہ اور اللہ کے رسوؐل کے احکام کی پیروی اور پوری پوری اطاعت کروں تو اس حال میں میری اطاعت آپ لوگوں پر فرض ہے۔ اور اگر میں کسی حالت میں بھی احکامِ خداوندی اور شریعت محمدیؐ سے روگردانی کروں تو اس حال میں اور اس وقت آپ لوگوں پر میری اطاعت نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے بلکہ آپ لوگوں کو اجازت ہوگی کہ میری جگہ کسی ایسے صالح شخص کو اپنا خلیفہ بنا لینا جو مجھ سے بہتر ہو۔ اس بات سے زمانہ حال کے بے عمل عالموں اور ریاکار پیروں اور پھر ان کے ماننے والوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

۲۔ آپ نے فرمایا کہ پانچ تاریکیاں ہیں اور ان کے پانچ چراغ ہیں۔
اوّل :۔ دُنیا کی محبت تاریکی ہے اور اس کا چراغ پرہیزگاری ہے۔
دوم :۔ گناہ تاریکی ہے۔ اُس کا چراغ توبہ ہے۔
سوم :۔ قبر تاریکی ہے اور چراغ اس کا لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ۔
چہارم :۔ آخرت تاریکی ہے۔ اس کا چراغ اعمال نیک ہیں۔
پنجم :۔ پل صراط تاریکی ہے اور چراغ اس کا تقویٰ و یقین محکم ہے۔

۳۔ آٹھ چیزیں آٹھ چیزوں کی زینت ہیں :۔

۱۔ فقر، پرہیزگاری کی۔
۲۔ صبر، مصیبت کی۔
۳۔ خاکساری، بزرگی کی۔
۴۔ بُردباری، علم کی۔
۵۔ کثرت گریہ زاری، خوف کی۔
۶۔ احسان کر کے احسان نہ جتانا، احسان کی۔
۷۔ خشوع و خضوع، نماز کی۔
۸۔ شکر، نعمت کی۔

۴۔ اُے لوگو شکر بجا لاؤ اس ربّ کریم کا جس نے تمہیں "اَحْسَنِ تَقْوِیْم وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" جیسے خطابات عالیہ سے مشرف فرمایا۔

۵۔ جس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اپنے آپ کو سنوار لیا۔

۶۔ اپنے آپ کو خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے بچاؤ اور جو شخص خواہشاتِ نفسانی یعنی طمع، حرص اور غضب، خیالاتِ شہوانی سے محفوظ رہا۔ اس نے نجات پائی۔

۷۔ بخیل کو نہ تو خداوند عالم پسند فرماتا ہے اور نہ دُنیا والے پسند کرتے ہیں بخیل ان سات حالتوں میں سے کسی ایک میں ضرور گرفتار ہوتا ہے

اوّل :۔ بعد مرنے کے اس کا وارث ایسا پیدا ہوتا ہے جو اُس کے تمام مال کو لہو و لعب میں اجاڑ دیتا ہے۔

دوم :۔ خداوند عالم اس پر کوئی ایسا ظالم حاکم مسلط کر دیتا ہے جو اس کو ذلیل بھی کرتا ہے اور اس سے سارا مال بھی چھین لیتا ہے۔

سوم :۔ وہ بذاتِ خود مبتلا شہوات نفسانی میں مبتلا ہو کر اپنا مال خود اپنے ہاتھوں سے برباد کر دیتا ہے۔

چہارم :۔ وہ کسی ایسی بے مقصد عمارات کی تعمیر شروع کر دیتا ہے جس میں اس کی پونجی صرف ہو جاتی ہے ۔
پنجم :۔ اس کے گھر میں آگ لگنے یا چوری ہونے سے سب مال ضائع ہو جاتا ہے
ششم :۔ وہ کسی ایسے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ علاج معالجہ پہ تمام مال وزر خرچ ہو جاتا ہے ۔
ہفتم :۔ وہ اپنا مال کسی ایسی جگہ دفن کر دیتا ہے جس کے بعد یا تو وہ خود نشان بھول جاتا ہے یا موت اس کو مال نکالنے کی مہلت نہیں دیتی ۔
ہشتم :۔ اے لوگو اپنے آپ کو شیخی و تکبر سے بچاؤ کیونکہ وہ شخص فخر کے لائق نہیں ہو سکتا جو خاک سے پیدا ہو ۔ اور خاک ہی میں مل جائے ۔ پس جو آج زندہ ہے کل مردہ ہو گا ۔ لہٰذا آج کا کام کل پر مت ٹالو کیونکہ کل بہت دور ہے ۔ یہاں پہ ایک لمحہ کا بھی اعتبار نہیں ۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق نیک اعمال کرو ۔ اور نیک اعمال میں لگے رہو ۔ عمل خیر کرنے میں جلدی کرو کیونکہ موت قریب ہے دنیا کی مکروہات سے بچو کیونکہ مہلت قلیل ہے ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

خلیفۂ دوم

آپؓ یار جان نثار ہمدم و ہمراز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے ۔ اسم مبارک آپؓ کا عمرؓ ، کنیت مبارک ابو حفص اور لقب شریف فاروق اعظم رضؓ تھا ۔ اور کسی بھی صحابیؓ کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا کہ جس کا باپ صحابیؓ ، آپ خود صحابیؓ ۔ آپ کا فرزند صحابی اور آپ کا پوتا صحابی رسول اللہ علیہ وسلم کا ہوا ہو ۔ آپؓ کے فضائل او اوصاف کی بابت بے شمار آیۂ کریمہ قرآن مجید میں ہیں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان کئے گئے ہیں ۔ ان کے لکھنے کے لئے ایک دفتر بے پایاں درکار ہے ۔ اس کتاب میں چند اوصاف بطور تبرک پیش کرتا ہوں ۔

بعد از خلافت حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے آپؓ جلوہ افزائے مسندِ خلافت ہوئے تو سب سے پہلے آپؓ نے بعد حمد وثنا کے فرمایا کہ اے لوگو بیشک

میں تمہارا جیرواہا ہوں۔ اگر مجھے یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کا
اور سب سے زیادہ قوی و مہمات دینی و ملکی کے لئے قوی بازو نہ ہوتا۔ تو ہرگز اس منصب
قبول نہ کرتا۔ آپؓ اپنی خلافت کے ابتدائی سالوں میں زیادہ تر لشکرکشی کے کاموں میں
مصروف رہے۔ جس کی وجہ سے دن بدن مملکت اسلامیہ میں وسعت ہوتی گئی اور عراق
ایران، شام، مصر اور تمام جزیرۃ العرب خلافت راشدہ کے زیر نگیں آ گیا۔ سبحان اللہ
کس قدر مبارک فتوحات ہوئی تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت
میں جتنے بھی ممالک مفتوح ہوئے تھے وہ تمام کے تمام آج تک مسلمانوں کے قبضے میں
اور ہم مسلمانوں پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کتنا بڑا احسان عظیم ہے
جسے مسلمان کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں آپؓ نے اپنے عہد
خلافت میں رفاعِ عامہ کے لئے جس قدر بھی اصلاحات نافذ کیں۔ کہ موجودہ زمانہ
کی مہذب دنیا جو اپنے آپ کو مہذب کہلانے میں فخر محسوس کرتی ہے آپ کا عشر عشیر
بھی پیش نہیں کر سکتی۔

نافذ کردہ اصلاحات

۱۔ بیت المال کا شعبہ قائم کیا۔
۲۔ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیا۔
۳۔ تاریخ و سن ہجری قائم کئے۔
۴۔ امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا۔
۵۔ فوجی دفتر قائم کئے۔
۶۔ فوجیوں اور رضاکاروں کی تنخواہیں مقرر
۷۔ ڈاک و رسل و رسائل کا شعبہ قائم کیا۔
۸۔ شعبہ مال قائم کیا۔
۹۔ پیمائش جاری کی۔
۱۰۔ مردم شماری کرائی۔
۱۱۔ نہریں کھدوائیں۔
۱۲۔ کوفہ بصرہ جیزہ فسطاط اور موصل کے شہر آباد کئے۔
۱۳۔ مقبوضہ ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
۱۴۔ عشور مقرر کیا۔
۱۵۔ دریائی پیداوار عنبر پہ محصول لگایا اور محصول وصول کنندہ مقرر کئے۔
۱۶۔ تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
۱۷۔ جیل خانہ بنوایا۔
۱۸۔ دُرّے کا استعمال کیا۔

۱۹۔ راتوں کو گشت کر کے رعایا کی دریافت حال کا طریقہ ایجاد کیا۔

۲۰۔ پولیس کا شعبہ قائم کیا۔ ۲۱۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

۲۲۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل و مخلوط النسل کی تمیز قائم کی جو کہ پہلے عرب میں نہ تھی۔

۲۳۔ پرچہ نویس مقرر کئے

۲۴۔ مکہ معظمہ سے لیکر مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مقام بنوائے۔

۲۵۔ بے سہارا بچوں کی پرورش و پرداخت کے لئے وظیفے مقرر کئے۔

۲۶۔ مختلف شہروں میں مہمان خانے بنوائے۔

۲۷۔ اہل عرب کو غلام نہ بنائے جانے کے قاعدے مقرر کئے۔

۲۸۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے وظیفے مقرر کئے۔

۲۹۔ مکاتب قائم کئے۔ ۳۰۔ معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے۔

۳۱۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اصرار کیساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

۳۲۔ صیغہ اذان قائم کرنے کی رائے دی اور فجر کی آذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم کا اضافہ کیا۔ ۳۳۔ نماز تراویح با جماعت جاری کی۔

۳۴۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں بائیں قرار دیا۔

۳۵۔ شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کئے ۳۶۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی

۳۷۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

۳۸۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کیا۔

۳۹۔ مساجد میں واعظ کا طریقہ ایجاد کیا ۴۰۔ مساجد میں رات کو روشنی کا انتظام کیا

۴۱۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے منع کیا۔

سب سے بڑی بات جس نے آپؓ کی حکومت و خلافت کو مقبول عام بنایا تھا، وہ آپ کا بے لاگ عدل و انصاف تھا۔ آپ کا آئین حکومت شاہ و گدا، شریف و رذیل بیگانہ و یگانہ، دوست دشمن، سب کے لئے یکساں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرنا۔ پیروی کرانا۔ آپؓ کا نصب العین اور ایمان تھا آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات اور اہل بیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزاری وخبر گیری کو جزو ایمان جانتے تھے
جب کہیں سے مال غنیمت آتا تھا۔ تو اس کی تقسیم کا سلسلہ سب سے پیشتر حضرت امام حسن
علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے شروع کرتے تھے۔ ایک روز حضرت
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپؓ خلیفہ وقت ہیں اور میں آپؓ کا بیٹا
ہوں کیا یہ مناسب نہیں کہ مالِ غنیمت کی تقسیم مجھ سے شروع ہوا کرے تو آپ نے سخت
غصے کی حالت میں فرمایا کہ کیا تیرا باپ اِن دونوں کے باپ کے ہم رتبہ ہے اور کیا تیرا نانا
ان کے نانا کی مثل ہے۔ کیا تمہاری والدہ ان کی والدہ کے مثل ہے۔ تو وہ بہت شرمندہ
اور نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ آخرکار یہ عظیم الشان وعدیم المثال جرنیل و فاتح و
عادل و مصنف۔ ہمدرد غریباں چارہ ساز بیچارگان جس کے وجود سراپا جود پر بعد آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساری دنیا بجا فخر کر سکتی ہے۔ دس برس چھ ماہ کچھ روز مسند
خلافت پہ رونق افروز رہ کر اور دین حق کو پوری پوری اشاعت اور دین اسلام کو انتہائی
عروج پہ پہنچا کر مطابق سن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صدیق اکبر رضی اللہ
عنہ کے تریسٹھ برس کی عمر میں بتاریخ غرہ محرم الحرام ۲۴ھ ہجری روز شنبہ کو اس
دارالمحن سے راہی خلد بریں ہوئے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" مدفن

مدفن پاک آپؓ کا روضہ مقدسہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قریب مزار مبارک
پُرانوار حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہے۔

ارشاداتِ عالیہ

جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ ایک عالم کی موت جو پابند شریعت اور حرام حلال کو جانتا ہو۔ ہزاروں عابدوں
اور زاہدوں کی موت سے جو بے علم ہوں زیادہ افسوسناک ہے اور جو عالم منافق
ہو اور اس کا علم محض اس کی زبان پہ ہو اور دل جاہل ہو تو خداوند عالم ایسے
منافق عالم سے مسلمانوں کو مامون و محفوظ رکھے۔

۲۔ امام کے علم سے زیادہ کوئی علم اللہ کو پیارا و نفع بخش نہیں ہے اور امام کی جہالت
اور بے علمی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی بری شئے نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے اقوال لکھ لیا کرو کیونکہ ان کی زبان سے کوئی بات خلافِ حق نکل سکتی ہی نہیں۔

۴۔ عزت دنیا میں مال و زر کی ہے لیکن آخرت میں نیک اعمال کی۔

۵۔ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ کامل۔ کاہل۔ لاشے۔ کامل وہ شخص ہے کہ کوئی کام کرنے سے پہلے صاحب الرائے لوگوں سے مشورہ کر لے۔ اور اپنی رائے کا موازنہ کرے کاہل وہ شخص ہے جس میں خود رائی ہو۔ اپنی رائے پر چلے اور لوگوں سے مشورہ کرلے۔ لاشے وہ ہے جو بذات خود نہ عقل رکھتا ہو اور نہ کسی دوسرے صاحب الرائے سے مشورہ کرتا ہو۔

۶۔ چار چیزوں کا واپس آنا ناممکن ہے:۔

(۱) کہی ہوئی بات کا۔	(۲) واقع ہو چکے امر کا۔
(۳) چھٹے ہوئے تیر کا۔	(۴) گذری ہوئی عمر کا۔

۷۔ میں نے عبادت کی لذت چار چیزوں میں پائی۔

اوّل:۔ فرائض کے ادا کرنے میں۔	دوم:۔ حرام چیزوں سے بچنے میں۔
سوم:۔ نیکیوں کا حکم کرنے میں۔	چہارم:۔ بدیوں سے منع کرنے میں۔

۸۔ دس چیزیں بغیر دس چیزوں کے درست نہیں ہوتیں:۔

(۱) عقل بغیر تقوے کے۔	(۲) علم بغیر عمل کے۔
(۳) بزرگی بغیر احسان کے۔	(۴) بادشاہی بغیر رحمت کے۔
(۵) حسب بغیر آداب کے۔	(۶) خوشی بغیر امن کے۔
(۷) تونگری بغیر بخشش کے۔	(۸) محتاجی بغیر قناعت کے۔
(۹) مخدومیت بغیر خدمت کے۔	(۱۰) جہاد بغیر توفیق کے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

خلیفہ سوم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، آپؓ کا نام نامی اسم گرامی حضرت عثمانؓ کُنیت مبارک ابو عمر لقب پاک ذُوالنورینؓ تھا۔ آپؓ بڑے خلیق حلیم۔ کریم۔ منکسر المزاج تھے۔ شرم و حیا تو خلاقِ عالم نے گویا خاص کر آپؓ ہی کے لئے مخصوص کر دی تھی۔ آپؓ کے بارے میں فرمایا حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری تمام اُمت میں سب سے زیادہ حیا و شرم اور سخاوت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کوئی مثل نہیں۔ کسی نے آپؓ کے جسم مُبارک کو برہنہ نہیں دیکھا۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپؓ نے کبھی بھی کسی سائل کے سوال کو ردّ نہیں کیا۔ آپؓ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک بردا آزاد کرتے تھے۔ مدینے شریف کی گلیاں آپؓ کے آزاد کردہ غلاموں سے بھری ہوئی تھیں۔ آپؓ کے فضائل و مناقب میں مُتعدد آیۂ قرآنی نازل ہوئی ہیں اور احادیث نبوی میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیکن بوجہ طوالت کتاب ہذا کے فقط چند احادیث پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ ترمذی شریف میں حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے آپؐ کو یعنی حضورؐ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے عرض کیا۔ مگر حضورؐ نے انکار فرمایا۔ اور لوگوں کے اصرار کے جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص جس کا جنازہ لایا گیا ہے حضرت عثمان غنیؓ سے بغض رکھتا تھا سو اللہ تبارک و تعالےٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

۲۔ صحیح مسلم میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر میں پنڈلیاں کھولے لیٹے ہوئے تھے اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اجازت لے کر اندر آئے۔ آپؐ اُسی حالت میں لیٹے رہے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ت لے کر اندر آئے آپؐ بدستور ویسے ہی لیٹے رہے اور ان سے بھی گفتگو فرماتے
ان دونوں کے جانے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے اور اندر آنے کی
ت چاہی تو حضورؐ نے جلدی سے اُٹھ کر کپڑا درست فرمایا تب ... با اجازت اندر
۔ ان کے چلے جانیکے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ
للہ علیہ وسلم آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق
للہ عنہ کے آنے پر اپنی پنڈلیوں کی برہنگی کا خیال نہ کیا لیکن حضرت عثمان غنی
للہ عنہ کے آنے پر یہ اہتمام کیوں کیا۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے
ئشہؓ کہ جس شخص سے فرشتے تک حیا کرتے ہوں تو کیا میں اس سے شرم نہ کروں۔

۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
تشریف لائے آپؐ نے ان کو اپنے قریب بیٹھا کر فرمایا کہ عثمانؓ تم شہید
ہوگئے ایسی حالت میں کہ اس وقت تم سورۃ بقر پڑھتے ہوگے اور قطرہ تمہارے
خون کا آیہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرے گا اور تمہارے تحمل و بُردباری پر
مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگ رشک کریں گے اور ستر ہزار آدمی
جن پر دوزخ واجب ہوچکی ہوگی جو تمہاری شفاعت پر جنت میں داخل ہونگے۔

۔ ابن عساکر عبدالرحمن بن مہدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی
رضی اللہ عنہ میں دو خصلتیں ایسی تھیں جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور
عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں بھی نہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ باوجود حکومت اور کثیر فوج
کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی اپنے نفس پر اتنا جبر کیا کہ شہید ہوگئے۔ لیکن
مسلمانوں کا خون بہانا پسند نہ کیا۔ دوسری یہ کہ سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع
کیا۔ اور اس وقت حافظانِ قرآن کی قرأت میں جو اختلاف پیدا ہوگئے تھے ان
کو دُور کیا۔ اور اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے جمع شدہ
صحیح کلام اللہ کی نقول کروا کر مختلف بلادِ اسلامیہ میں بھیج کر لوگوں کو ایک
لغت و ایک قرآن پر جمع کیا۔

۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شرم و حیا اور تسلیم و رضا میں صوفیا

کے امام ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تسلیم و رضا کے کس مقام پر فائز تھے ۔ا
اندازہ حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت قتادہؓ کی اس چشم دید شہادت سے
سکتا ہے کہ جب آپؓ کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے والے آپؓ کے درواز
ہو گئے تو ہم دونوں وہاں پر موجود تھے ۔ آپؓ کے غلاموں نے مقابلہ کے لئے ہتھ
تو آپؓ نے منع فرما دیا اور کہا میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی
تم میں سے جو اس خوں ریزی سے باز رہے گا اس کو میں فی سبیل اللہ آزاد کر د
ان حضرات کا بیان ہے کہ جب ہنگامہ نے بہت خطرناک صورت اختیار کر لی تو
سے اپنی جان بچانے کے لئے چلے آئے ۔ راستہ میں ہمیں حضرت امام حسن رضی ا
جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے تھے۔ ہم دونوں حضرت امام حسن
کے ساتھ محض یہ دیکھنے کے لئے ہو گئے کہ دیکھیں اب کیا کرتے ہیں ۔ انہوں
سلام کے عرض کیا کہ صورت حالات بہت خطرناک ہو چکی ہے اور میں آپؓ ک
بغیر تلوار نہیں اٹھا سکتا ۔ آپؓ امام برحق ہیں تمام مسلمانوں کے امیرؓ ہیں آپ مجھے
تاکہ میں اس بلا کو آپؓ کے پاس سے دفع کر دوں ۔ آپؓ نے جواب میں فرمایا ک
بھتیجے واپس چلے جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھو یہاں تک کہ اللہ کا حکم پورا
ہمیں خون بہانے کی ضرورت نہیں۔ آخر کار جامع القرآن حضرت عثمان غنی رض
بعد از شہادت حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے بتاریخ یکم محرم الحرام س
باتفاق رائے صحابہ کرام جلوہ افروز مسندِ خلافت ہوئے تھے اور گیارہ سال گیارہ
اور اٹھارہ روز خلافت فرما کر مصریوں کے بلوہ عام میں بتاریخ ۱۸۔ ذی الحج سنہ
بروز جمعہ جام شہادت نوش فرما کر عازمِ خلدِ بریں ہوئے آپؓ کا مدفن جنت البقیع
مدینہ منورہ میں ہے ۔

ارشاداتِ عالیہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالے نے مخلوق کو ساتھ حق کے پیدا
مخلوق کو حق ہی کہنا چاہیئے۔ رَبَّنَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ

اللہ تعالٰی نے جو کچھ پیدا کیا زمین و آسمان اور اس کے بیچ میں سب حق ہی حق ہے۔
نیکوں سے ملنا فضیلت ہے اور اُن کی پیروی کرنا فرض ہے۔ تلاوتِ قرآن مجید فضیلت
اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ عیادت کرنا فضیلت ہے اور اس سے نصیحت حاصل کرنا
ہے، زیارتِ قبور فضیلت ہے اور اس سے عبرت حاصل کرنا اور سامانِ آخرت تیار
فرض ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آپؓ کا نام نامی اسم گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کنیت آپؓ کی ابوالحسن،
ب اور لقبِ گرامی مرتضٰے، مشکل کشا، بدرُالدجٰی، اسد اللہ، ولی اللہ، حیدرِ کرار،
ب ذوالفقار، امام المتقین، سید المؤمنین صاحب الکوا ہیں۔ آپؓ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپؓ خاص الخاص مُرید و خلیفہ حضرت خاتمُ
الانبیاء علیہ والصلوٰۃ والسلام کے ہیں اور تمام سلاسل فقرا عالیہ کے امام و پیشوا ہیں
سوائے ایک سلسلہ نقشبندیہ کے جو کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
سے ملتا ہے۔ حضرت مولا علیؓ مشکل کشا کی شان والا قدر میں اللہ تبارک وتعالٰی نے
کلام مجید فرقانِ حمید میں بے شمار آیہ نازل فرمائی ہیں۔ جو کہ بوجہ طوالت کتاب ہذا میں
لکھنے سے قاصر ہوں۔ البتہ چند احادیث مبارک جو کہ آپؓ کی شان والا قدر میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں۔ درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد
فرمایا کہ جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسٰی علیہ السلام کے وصی تھے
اسی طرح تم ہمارے وصی ہو فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

۲: حدیث ترمذی شریف میں حضرت حسینؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں اور علیؓ تمام مومنوں کے
سردار و مددگار ہیں۔

۳۔ حضرت امام احمد مطلب بن عبداللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو میں اپنے

چچا زاد بھائی علیؓ ابنِ ابی طالب کے ساتھ محبت کرنے کی وصیت کر
جس نے علیؓ کو دوست رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے حض
سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے دشمنی کی۔

چہارم :- حدیث ترمذی شریف ۔حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ح
رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پرندہ کا بُھنا ہُوا گوش
آپؐ نے دُعا فرمائی کہ اَے میرے رب تیری مخلوق میں سے تجھے جو س
زیادہ پیارا اور محبوب ہے اسے میرے پاس بھیج دے تاکہ میر
میں شامل ہو۔ پس اُسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لا
شریک طعام ہوئے۔

ناظرین حضرات اب خود ہی اندازہ فرمالیں کہ ربّ العزت جل شانہٗ
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہٗ کی کیا شان و مرتبہ ہے۔

حضرت ابو یعلیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت
کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو تین ایسی خصلت عطا کی گئیں ہیں کہ ان میں سے
خصلت کا بھی مجھ میں ہونا سو سُرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب
وہ تین خصلتیں یہ ہیں :-

۱- حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جگر گوشہ حض
فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے ان کا عقد فرمایا۔

۲- خانۂ خدا یعنی مسجد نبویؐ میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی
وہ اُس حالت میں بھی مسجد نبویؐ میں داخل ہو سکتے تھے جس حالت میں کسی
کو بھی مسجد میں داخل ہونیکا حکم نہیں۔

۳- فتح خیبر کے روز آپؓ کو علم خاص فتوحات خیبر عطا فرمایا۔

حدیث ترمذی شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ
سے کہ غزوہ طائف کے دن حضرت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
علی کرم اللہ وجہٗ کو سب سے علیحدہ بلاکر بڑی دیر تک سرگوشی کی۔ باقی صح
رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خ

بات تھی جو آپ حضورؐ نے اتنی دیر سرگوشی فرمائی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ علی کرم اللہ وجہہ سے میں نے نہیں سرگوشی کی بلکہ اللہ تعالےٰ نے خود سرگوشی فرمائی ہے۔

حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ وامّ المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے وقت سب سے زیادہ قریب حضرت مولا علی کرم اللہ وجہٗ تھے اور ان سے بہت دیر تک آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وآلہٖ وسلم نے گفتگو فرمائی جو مثل سرگوشی کے تھی۔ علاوہ ازیں معراج شریف کے بعد اکثر صحبت ہائے تخلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہٗ کے مابین رہا کرتی تھیں۔ اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی تھی کہ کیا راز و نیاز کی باتیں ہوئی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحبت ہائے تخلیہ و سرگوشیاں شریعت کے متعلق تو ہوتی نہیں تھیں کیونکہ شریعت ظاہر ہے اور اس کے احکام علی الاعلان آئے ہیں۔ تو معلوم ہونا چاہئیے کہ یہ صحبت ہائے تخلیہ و سرگوشیاں خاصکر تعلیم علوم باطنی یعنی اسرار حقیقت معرفت جن کا اخفا لازم اور واجب تھا۔ اور ان کا ظاہر ہونا بسبب نافہمی ارباب ظاہر کے موجب فساد تھا۔ کیونکہ وہ علوم سینہ اور اسرار باطنی تھے جن کی خبر حضرت جبریل آمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے بھی حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس طلوایا اور ایسے مقام پر جو کہ مقام دَنیٰ فَتَدَلّٰی سے بھی بالاتر مقام ہے۔ جہاں کہ انسان تو کجا ملائکہ مقربین کے فہم کی رسائی بھی امر محال ہے اور جہاں پر سوائے ذات مطلق کے اور کچھ نہ تھا۔ یہاں تک کے وہ مقام تحت و فوق و یمین و شمال سے بھی پاک و منزّہ تھا۔ اس مقام پر آپؐ کے سینہ فیض گنجینہ کو علم لدنّی سے معمور کیا۔ اور خلعت ولایت مطلق خلافت خاص اور خرقہ درویشی سے مشرف فرمایا۔ یہ علوم و اسرار باطنی کیا تھے۔ ان کو خود اپنے کلام مجید میں حق تعالےٰ نے صاف طور پر ظاہر نہ فرمایا صرف فَاَوْحیٰ اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ پر اکتفا کیا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم الانبیاءؑ و خاتم المرسلینؐ ہیں۔ آپؐ پر ہمیشہ کے لئے نبوت کا دور ختم ہوا۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو علم اسرار سینہ و اسرار باطنی کا وارث فرمایا اور اپنے حبیب کریم علیہ السلام

کے ذریعے سے خلعت ولایت کبریٰ سے سرفراز فرمایا۔ اور اس ذریعے سے اس شمع نبوتؐ نے خلقت خدا کی ہدایت و بھلائی و رہنمائی کے لئے اس شمع ولایت کو روشن کیا اور اسی شمع ولایت سے چراغ ولایت روشن ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا۔

در نبیؐ آمد بیان راہ کرد | در ولی از سر حق آگاہ کرد
زسر معرفت از کتاب نتواں یافت | لیس تلک الرموز فی الاوراق

سلام بحضور امام الاولیاء حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ

السلام اے حضرت مولا علیؓ
السلام اے پیشوائے ہر ولی

السلام اے واقف اسرار کل | السلام اے وارث ختم الرسلؐ
السلام فخر جملہ اولیاء | السلام اے وارث علم خدا
السلام اے جان نثار مصطفےؐ | السلام اے رہبر راہ ہدے
صدقہ حسنینؑ یا مولا علیؓ | دور کر دو رات دن کی بیکلی
آیئے حلال مشکلات آیئے، | خستہ حالوں پہ کرم فرمایئے
حاذق خستہ کے لب پہ ہے دعا | یا علیؓ مشکل کشا مشکل کشا

السلام اے حضرت مولا علیؓ
السلام اے پیشوائے ہر ولی

سیدھا راستہ

ہمارے آقا و مولا جناب سید الابرار احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے کیونکہ حق سبحان تعالےٰ نے آپ کو خلق عظیم کے پیراہن سے آراستہ و پیراستہ فرمایا۔

ہست راہ او صراط المستقیم | گفتہ حق او را علی خلق عظیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ اخلاق و اوصاف اور اعمالِ ظاہری و باطنی
اعتدال کے باعث صراط المستقیم پہ قائم تھے۔ جو خطِ استوا کی مانند ہے۔ اور ہمیشہ
بعد الجمع کے مقام کے مقیم تھے جو واحدنیت و فردانیت کا مرتبہ ہے۔ جہاں ذات
کثرت اور وحدت برابر ہیں۔ کیونکہ نہ وہاں کثرت وحدت پہ غالب ہے جو حجاب
بت ہوسکے۔ اور نہ وحدت کثرت پر غالب ہے جس سے نیک و بد کا عدم امتیاز
آئے۔ بلکہ کثرت اور وحدت دونوں حضورؐ کے مشاہدہ میں رہتے ہیں اور چونکہ آنحضرت
م اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صراطِ حق پر کھڑے ہیں۔ اس لئے "فَاسْتَقِمْ" کے حکم سے
پ کی اقامت آراستہ ہے اور اسی استقامت کی وجہ سے سایہ جو جھکاؤ یا کجی سے
ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاؤں کے نیچے چھپ گیا ہے۔ کیونکہ
یہ تشخصی کثافت سے پیدا ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قدم ہمت
ل مقام پہ ہے جہاں آپ کا تعین تشخصی نورِ تجلّیِ حق کے پرتو میں فنا ہو گیا ہے اور آپؐ
رتا سر نوراً علی نور ہو گئے ہیں۔

چوں فنا از فقر پیرایہ شود　　　او محمدؐ وار بے سایہ شود

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ "اسم الظاہر" کے سبب تشبیہہ تھا۔
س لئے وہ اپنی اُمّت کو بُرے افعال وجسمانی لذّات سے بچنے کی دعوت دیتے
تھے۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کی توجہ "اسم الباطن" کے غلبہ سے تنزیہہ کی طرف
تھی۔ اسی سبب سے آپ اپنی اُمّت کو تقدّس، دل کی تطہیر، کمالاتِ معنوی کی سیر
اور قطع تعلق خلق کی دعوت دیتے تھے۔ اور ہمارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے قبلے کا رُخ "اسم جامع اللہ" کے مظہر ہونے کے سبب اللہ تعالےٰ کی حقیقت
جامعیت کی طرف ہے جس میں تمام روحانیت اور جسمانیت شامل ہیں اس لئے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام ذرّات موجودات میں تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں اس
لئے سالک کو لازم ہے کہ وہ ہمیشہ تجلّیات جمالی وجلالی میں مستغرق رہے اور تنزیہہ میں
تشبیہہ اور تشبیہہ میں تنزیہہ کا مشاہدہ کرے۔

نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور حضور سید الانبیاؐ حضرت
محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختم ہوئی اور ہر ایک نبی خداوند کریم کی بے شمار

صفات میں سے صرف ایک ایک صفت کے مظہر تھے مگر آنحضرت صلی اللہ
تمام کمالات وصفات کے مظہر ہیں۔

تمام مراتب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرتبے کے پیچھے ہیں اور
کا وجود انہی کے سائے کی بدولت ہے اور آپؐ ہی کے جمال وکمال سے زمانے
صفائی ہے اور آپؐ ہی کے خوانِ نعمت سے دو جہاں سامان والا ہوگیا ہے
اُمید آپؐ کے دامن سے وابستہ ہے خلق کی اصل ذات رسالتمآب آنحضرت
علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ ساری کائنات انہی کے طفیل میں ہے۔ علم و ہدایت کا
بھی آپؐ ہی کی ذات گرامی ہے اور جو شخص اپنی پاکیزہ طینتی کے لحاظ سے جتنا
قُرب اور مناسبت رکھتا ہے۔ اسی قدر وہ علم وہدایت سے بہرہ ور ہوتا ہے
دوسروں کے لئے باعث ہدایت بنتا ہے۔ گویا کہ ہدایت کا اصل راز حسنِ ا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہے۔ اور تصوّف نام ہے قولاً، فعلاً و حا
سے اتباع رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور اسی پر مداومت رکھنے پر
اہل تصوّف کے نفوس مقدس ہوجاتے ہیں تو سب درمیانی حجابات اُٹھ جاتے
اس مقام پر ان کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی صحبت لازم ہوجاتی ہے۔ اس لئے وعدہ
موجود ہے کہ اَے محبوبؐ کہہ دے "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْ
اللّٰهُ" کہ اگر خدا کی دوستی چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو تو خدا تم سے محبت کر
پس طالب کو لازم ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسل
محبت اور ان کی پیروی کرنے کی کوشش کرے اور انؐ کے نقشِ قدم پر چل کر م
محبوبیت کے خلوت خانے میں پہنچ جائے۔ محبت سے بندہ محبوبِ حق ہو جاتا ہے
پہلے طالب تھا اب مطلوبِ حق ہوگیا۔ محبت سے آگ نُور ہو جاتی ہے، اور محبت
دیو حُور بن جاتا ہے۔ محبت سے کانٹے پھول بن جاتے ہیں اور محبت سے سرکہ
بن جاتا ہے۔ عشق کا آفتاب جب چمکتا ہے تو غلام مالک اور مالک غلام ہو جاتا
اہل محبت کے لئے اسم رسم نہیں۔ اس راہ میں خواجگی و غلامی اور حسب نصب کچھ
نہیں۔ جو میدانِ محبت میں کامیاب ہوا پس اس کا کام بن گیا۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

تمام انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی راہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے وجود پر ختم ہوتی یہاں تک کے جناب سابقہ دینوں کے ناسخ ہیں (اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے وجود پر ختم ہوئی یہاں تک کے جناب سابقہ دینوں کے ناسخ ہیں) اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوتؐ جس طرح ازلی تھی اسی طرح ابدی ہے جیسا
کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے فرمایا حضورؐ نے "کُنتُ نبیاً وَّادم بین
الطین والماء" ترجمہ:- یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام
درمیان مٹی اور پانی کے تھے۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور خداوند تعالےٰ کے "جامع اسم
اللہ" کا مظہر ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل ہوا۔
ھٰذا سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرہ (پ ۱۲ - رع ۶) ترجمہ:- یعنی اے
محبوبؐ کہدو کہ توحید ذاتی کا طریق جسے صراط المستقیم کہتے ہیں یہی میرا حقیقی وسیدھا
راستہ ہے۔

اور اب جبکہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگئی اور استاد ازل
نے جس طرح پہلے انبیا علیہ السلام کے مظہر میں نبوّت کے لباس میں دورہ کیا تھا اسی
طرح اب شرائع احکام کی تبلیغ کے لئے مظہر اولیاء اکرام کے لباس میں دوسرا دورہ
شروع ہے۔

گہہ نبی بود گہہ آمد ولی — گہہ محمدؐ گشت وگاہے شد علیؑ
در نبی آمد بیانِ راہ کرد — در ولی از سرِّ حق آگاہ کرد

اِنعام یافتہ ہستیاں

سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سیّدنا حضرت علی کرم اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپؓ سے عرض کیا۔ اے امیر المومنینؓ آپ مجھے کوئی نصیحت فرما دیں۔ جواب میں حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا۔ خیال رکھ اپنے اہل وعیال سے زیادہ انہاک تیرا مشغلہ نہ بن جائے اور یاد رکھ اگر تیرے اہل وعیال خدا کے دوست ہیں۔ تو خدا اپنے دوستوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ خدا کے دشمن ہیں تو خدا کے دشمنوں سے تجھے کیا سروکار۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ حضورؐ کی نظر میں کون شخص زیادہ محبوب اور پیارا تھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "فاطمہؓ" مزید دریافت کیا گیا کہ مردوں میں سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔ حضورؐ نے فرمایا؛ کہ "فاطمہؓ" کے شوہر حضرت عائشہؓ نے مزید فرمایا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گذار تھے حضرت علیؓ کی زبان نہ کبھی کلمہ کفر وشرک سے آلودہ ہوئی اور نہ ان کی پیشانی غیر اللہ کے سامنے جھکی اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اسلام ان کی سرشت میں داخل تھا۔

حضرت علیؓ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، دنیاوی شان وشکوہ کا ان کے کاشانۂ فقر میں گذر تک نہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے دنیا کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے دنیا: جا میرے علاوہ کسی اور پہ دام فریب ڈال۔

اسلامی علوم ومعارف کے اصل سرچشمہ قرآن پاک سے حضرت علیؓ پوری طرح سیراب تھے اور ان اصحابہ کبارؓ میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہ صرف پورا قرآن حفظ کر لیا تھا بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؓ نے خود اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں اور بتا سکتا ہوں" کہ یہ کہاں، کیوں اور کس

طرح کس کے حق میں نازل ہوئی۔
آپؓ کے شاگردوں نے آپؓ سے دریافت کیا۔ کہ کیا قرآن کے علاوہ کوئی اور علم خاص بھی آپؓ کے پاس ہے تو آپؓ نے جواب دیا، قسم ہے اس ذات پاک کی جو دانہ پھاڑ کر درخت اگاتا ہے قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں۔ ہاں البتہ قرآن سمجھنے کا فہم اللہ تعالےٰ نے مجھے وافر عطا فرمایا ہے اور یہ بیش بہا دولت خدا جسے چاہے اُسے دے۔ جس کو قرآن کی سمجھ آجاتی ہے اس پر ظاہر و باطن کا ہر علم منکشف ہو جاتا ہے اس کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں۔
حضرت علیؓ بچپن سے لے کر وفات نبوی تک کامل تیس سال تک حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں رہے اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبویؐ کے سب سے بڑے عالم دین آپؓ ہی تھے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں کہ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلا وطن کر دیا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے وطن آنے کی اجازت دی جائے حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ "عمرؓ" سے زیادہ اور کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے"۔ حضرت عمرؓ سے بغض رکھنے والوں کو حضرت علیؓ کے اس فرمان پر غور کرنا چاہیئے۔ نیز حضرت علیؓ کا ارشاد ہے"۔ کہ بعض لوگ میری محبت میں اتنا غلو کریں گے کہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے اور کچھ لوگ مجھ سے اتنی نفرت کریں گے کہ انہیں دوزخ کا ڈاٹ بننا پڑے گا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ دو آدمی میری وجہ سے ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ جو مجھ سے محبت میں غلو کرے گا اور دوسرا وہ جس کا بغض اسے میرے خلاف بہتان تراشی تک پہنچا دے گا۔

اب قارئین حضرات ذرا غور فرماویں کہ جس دین کی دعوت کی خاطر تمام عمر حضرت علیؓ کی فکری و نظری اور عملی قوتیں وقف رہیں۔ جس قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت ان کا مقصد حیات رہا۔ اور جس اسلامی وحدت و اجتماعیت کی از سر نو تشکیل کے لئے وہ کوشاں رہے۔ اسی دین و دعوت کی خاطر آج بھی ہم سیرت مرتضیٰ ؓ کو اپنا مطمع نظر بنا لیں اور خالصتہً لوجہ اللہ طبیعتوں اور مزاجوں کے ان تمام اختلافات کو دور

کردیں جو اپنے حدود سے گزر کر ہمارے فکر و نظر کے قصرِ رفیع تک آ پہنچے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم پھر قرونِ اولیٰ کی طرح دوبارہ بحر و بر پر حکمران ہو جائیں۔ اور تمام دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے "آمین"

سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار کی طرح حقائق اور علمِ طریقت میں نہایت بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب قدریوں نے غلبہ حاصل کیا اور معتزلہ کا مذہب بہت پھیل گیا تو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کمال علم و فضل کے باوجود حضرت امام حسن علیہ السلام کی طرف درج ذیل خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کا سلام ہو تم پر اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر ہوں گزارش ہے کہ آپ آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ان کشتیوں کی مانند ہو جو نہایت گہرے سمندر میں چل رہی ہوں اور آپ لوگ رُشد و ہدایت کے وہ درخشاں ستارے، نشانِ راہ و امام اور قائد ہیں جن کی جو شخص فرماں برداری اور پیروی کرے گا وہ اسی طرح نجات پائے گا جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والے مومنین نے نجات پائی تھی پس اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے۔ آپ ہماری اس پریشانی میں جو "جبر و قدر" کے مسئلہ کو سمجھنے کے بارے میں ہمیں لاحق ہو رہی ہے۔ کیا فرماتے ہیں؟ آپ اس بارے میں وضاحت فرمائیں تاکہ ہم جانیں کہ اس مسئلہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ آپ لوگوں نے اللہ کے علم سے علم پایا ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ لوگوں پر نگہبان اور گواہ ہے اور آپ لوگ باقی سب مخلوق پر نگہبان اور گواہ ہیں۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے اس خط کا جواب امام حسن رضی اللہ عنہ نے حسبِ ذیل جواب دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدواضح ہوکہ آپ کا خط موصول ہوا جس میں آپ نے اپنی اور امّت کے دوسروں
کی پریشانی کا حال بیان کیا ہے اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ جو شخص اچھی
بری تقدیر کو خدا کی طرف سے مقدر ہونے کو نہیں مانتا وہ کافر ہے اور جو اپنے
گناہ کا ذمہ دار خدا کو ٹھہراتا ہے وہ صریحاً بدکار آدمی ہے حقیقت یہ ہے
اللہ تعالےٰ نہ کسی کو اطاعت پہ مجبور کرتا ہے اور نہ گناہ پر اور نہ اس نے اپنے بندوں
کی سلطنت میں شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ بندوں کی تمام مملوکات کا اصل
ہے اور جن چیزوں پر وہ قدرت رکھتے ہیں ان پر اصل قدرت رکھنے والی بھی ذات
الٰہیت ہے اگر بندوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے لئے کوئی اختیار باقی
رہ جاتا اور ان کے لئے اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور اگر وہ گناہ کرتے
اور اس کی مشیت ان پر کرم کرنا چاہتی یعنی انہیں ایسا کرنے سے روک دیا جاتا تو
اس صورت میں ان کا فعل اور عدم فعل برابر ہو جاتے۔ پس اللہ تعالےٰ نے بندوں
کو معصیت اور گناہ پہ مجبور کیا ہے اور نہ اطاعت کے لئے۔ اس نے ان کو علم و عقل
معرفت و قوت دے کر ان کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا ہے۔ پس تم وہ بات اختیار
کرو جس کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور اس کو چھوڑ دو جس سے منع
فرمایا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالےٰ سے بحث و حجت میں بازی نہیں لے سکتے۔ بحث و حجت
میں وہی غالب رہے گا۔

ایک دوسری حکایت جس سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے تحمّل اور بردباری
کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ایک دن کوفہ میں آپ اپنے مکان سے باہر تشریف رکھتے
تھے کہ جنگل سے ایک اعرابی آیا اور اس نے آتے ہی دشنام طرازی شروع کی اور
سخت بیہودہ قسم کی گالی گلوچ پہ اتر آیا۔ آپ نے پوچھا کہ اے اعرابی کیا تجھے بھوک
لگی ہے؟ یا پیاس لگی ہے یا تجھے اور کوئی تکلیف ہے؟ اس پوچھنے کے باوجود بھی اعرابی
آپ کو مسلسل گالی گلوچ دیتا رہا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے غلام کو حکم دیا کہ
گھر میں جو روپوں کی تھیلی رکھی ہے۔ وہ لا کر اسے دیدو اور یہ دینے کے ساتھ فرمایا۔
برادر مجھے معاف کر دو گھر میں اس کے سوا کوئی روپیہ نہیں ورنہ وہ بھی تجھے

دے دیتا اعرابی نے یہ سنا تو بول اٹھا خدا کی قسم آپ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد ہیں۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ۔ آپ اہلِ بیت کے قبلہ اور سردار ہیں اہلِ طریقت سب کے حال کی درستی پر متفق ہیں اس لئے کہ جب تک حق ظاہر رہا اس کے پیرو و مطیع رہے اور جب حق گم ہوا تو آپ نے تلوار نکال لی اور جب تک اقامتِ حق کے لئے اپنی جان و مال کے علاوہ اپنے سب اعزا کو قربان نہ کر دیا چین نہیں لیا۔ آپ سے حضورؐ سرورِ کائنات کو اس قدر محبت تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی پشت مبارک پر بٹھایا ہوا ہے اور ایک دھاگہ منہ میں لے کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پکڑایا ہوا ہے حضرت حسینؓ آپ کو چلاتے ہیں اور آپؐ اونٹ کی طرح گھٹنوں کے بل چل رہے ہیں۔ میں (حضرت عمرؓ) نے دیکھ کر کہا۔ کیا ہی خوب تر ہے اونٹ تیرا اے حسینؓ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ سوار بھی خوب تر ہے اے عمرؓ۔

طریقِ حق کے سلسلہ میں آپ کا ارشاد ہے۔ تیرے بھائیوں سے بڑھ کر تیرا دین تجھ پر شفقت کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ بھائی وہ ہوتے ہیں جو انسان کی ہمیشہ خیر خواہی کریں ہمیشہ اسے صحیح راستہ دکھائیں اور کبھی اُسے غلط اور نقصان کی راہ نہ دکھائیں۔ اس سلسلے میں کوئی بھائی دین کی برابری نہیں کر سکتا اور عقلمند انسان وہ ہوتا ہے جو اپنے شفقت کرنے والے "دین" کو اپنا شفیق جانے اس کے حکم کی پیروی کرے اور اس کی فرماں برداری سے باہر قدم نہ رکھے۔

ایک روز ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا۔ اے ابن رسول اللہ میں ایک حاجتمند آدمی ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آج رات کی خوراک آپ سے چاہتا ہوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو خود بھی اس حالت میں مبتلا تھے اس لئے آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ میرا رزق چلا آرہا ہے۔ آجائے تو آپ کو دے دیتا

ان۔ کچھ دیر کے بعد ایک ایک ہزار سرخ دینار کی پانچ تھیلیاں امیر معاویہؓ کے طرف ایک شخص لایا۔ اور اس نے امیر معاویہؓ کا سلام دیتے ہوئے عرض کیا کہ وہ عذر ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سردست اسی سے کام چلاؤ پھر اور بھیج دیں گے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ پانچوں تھیلیاں اس حاجتمند کو دیتے ہوئے کہ اے بھائی ہم معذور ہیں، اہل اللہ ہیں ہم نے دنیا کی ساری خوشیاں ترک کر دی اور اپنی خواہشات وضروریات کم کرلی ہیں مجھے افسوس کہ میں نے آپ کو اتنی انتظار کی زحمت دی اور اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکا۔

سیدنا حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسین علیہ السلام

آپ مظلومین کے سردار اور اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے کشف حقائق اور باریکیوں کے بیان کرنے میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے آپ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جو خوشی اور خوشحالی میں بدمست ہوکر باطل کی راہ اختیار نہ کرلے اور غصے کی حالت میں ہو تو حق و انصاف کی حدود سے باہر نہ نکل جائے۔

جب کربلا میں جناب امام حسین علیہ السلام کو اپنے فرزندوں اور احباب سمیت شہید کر دیا گیا۔ تو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں بچا تھا۔ جو عورتوں کی حفاظت کرنے والا ہو۔ یہ بھی بیمار تھے جب ان کے ننگے اونٹوں پر چڑھا کر یزید کے سامنے لایا گیا۔ تو وہاں کسی نے پوچھا۔ اے علیؓ اے رحمت والے گھر کے رہنے والو! کہو کس حال میں ہو۔ تو آپ نے جواب دیا ہماری حالت اپنی قوم کے ہاتھوں ویسی ہی ہے جو حضرت موسیٰ کی قوم کی قوم فرعون کے ہاتھوں ہوتی تھی کہ وہ ان کے فرزندوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور ان کی عورتوں کو بردہ بنا لیتے تھے۔ اس مصیبت و آزمائش میں ہمیں صبح وشام کا ہوش نہیں۔ بہر حال ہم اس کی نعمتوں کے لئے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور ان آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔

ہشام بن عبدالملک بن مروان اپنی خلافت کے زمانے میں ایک سال حج کے لئے آیا۔ اور خانہ کعبہ کے طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے اس کی طرف بڑھا لیکن

ہجوم کی وجہ سے حجر اسود تک نہ پہنچ سکا۔ جب وہ منبر پہ کھڑا ہوا تو حضرت امام رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ بے حد حسین و جمیل تھے، اُجلے کپڑوں میں ملبوس عطر کی خوشبو سے معطر تھے آپکا چہرہ مبارک مثلِ آفتاب چمک رہا تھا۔ طواف کے جب حجرِ اسود کی طرف بڑھے تو تمام لوگ پیچھے ہٹ گئے اور حجرِ اسود کے بوسہ سے ہو کر خود پیچھے نہیں ہٹ گئے باقی لوگ باپاسِ ادب پیچھے ہٹتے رہے۔ ہشام کے لوگ شام سے آئے ہوئے تھے انہیں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ ان میں سے ایک نے ہشام پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ لوگوں نے آپ کی تو کوئی پروانہ کی حالانکہ آپ امیر ہیں اور اس نوجوان کی والہانہ تعظیم کر رہے ہیں ہشام نے اپنی سبکی پر پردہ ڈالنے جواب دیا کہ میں تو اسے جانتا پہچانتا نہیں کہ یہ کون ہے؟ فرزدق جو ان کا درباری اور قصیدہ گو تھا۔ اس کی غیرتِ ایمانی جو سو رہی تھی۔ ہشام کے منہ سے جناب امام رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ اہانت آمیز کلمات سن کر فوراً جوش میں آگئی اور اس کہ اگر آپ کو معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں تو غور سے سنو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ کیا ہیں کے بعد فی البدیہہ اشعار جن کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے جناب امام زین العابدین علیہ کے تعارف میں کہے۔

۱۔ یہ وہ ہے جس کے قدموں کے نشان تک وادیٔ بطحا، حرم اور حرم کے علاقے سب پہچانتے ہیں۔

۲۔ یہ خدا کے بندوں میں سے بہترین بندہ کا فرزند ہے یہ سب سے زیادہ پرہیز سب سے زیادہ پاکیزہ صفت اور سب سے زیادہ بے داغ نشان والا ہے

۳۔ اگر تو اسے نہیں جانتا تو سن یہ فاطمۃ الزہراؑ کا نورِ نظر ہے جس کے جد پہ تمام انبیاؑ کا سلسلہ ختم ہوا۔

۴۔ یہ وہ ہے جس کی پیشانی کے نور سے ظلمت بھاگتی ہے جیسے سورج طلوع سے تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔

۵۔ یہ وہ ہے جو حیا کی وجہ سے آنکھیں ہمیشہ نیچی رکھتا ہے، اور لوگ اس کی ہیبت کی وجہ سے اس کے روبرو آنکھ اونچی نہیں کر سکتے۔

۶۔ یہ وہ ہے جسے لوگ جب دیکھتے ہیں تو ہر ایک بول اٹھتا ہے کہ بخشش

خصائلِ حمیدہ اس پر ختم ہیں ۔

یہ عزت وشوکت کی اُن چوٹیوں پر چڑھا ہوا ہے جس پر عرب وعجم کے مسلمانوں میں سے کوئی دوسرا نہیں چڑھ سکا ۔

یہ وہ ہے جس کے جدِ امجدؐ تمام نبیوں کے سردار کہ جس کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے اور تو بھی انہی کی اُمت ہے ۔

یہ وہ ہے کہ عجب نہیں جب وہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھے تو حجرِ اسود بھی اس کی خوشبو کو پہچان کر اس کا ہاتھ تھام لے ۔

یہ بہت نرم خو ہے اور اس کی خوبیاں کسی سے پوشیدہ نہیں وہ حُسن وخُلق اور بلندیٔ کردار کی دونوں خوبیوں سے مزیّن ہے ۔

اس کی تمام عادات اور اس کے تمام خصائل وعناصر جو سب کے سب اس نے رسولؐ خدا سے پائے ہیں بہت ہی عمدہ ہیں ۔

اس لئے تیرا یہ کہنا کہ تو نہیں جانتا یہ کون ہے اُسے کچھ نقصان نہیں دے سکتا ۔ اسے عرب وعجم سب جانتے ہیں ۔

اس کے دونوں ہاتھوں کا فیض بارش کی طرح عام ہے ۔ ان کی بخشش ہر وقت جاری رہتی ہے حتیٰ کہ سخت بدحالی میں بھی ختم نہیں ہوتی ۔

کوئی بڑے سے بڑا سخی بھی ان کی برابری کی استطاعت نہیں رکھتا اور کوئی گروہ خواہ وہ کتنا ہی بخشش کرنے والا ہو ان کے مرتبے کے قریب نہیں پھٹک سکتا ۔

یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کی محبت دین ہے اور جن سے بغض کفر ہے اور جن کا قُرب نجات اور پناہ دینے والا ہے ۔

اگر اہلِ تقویٰ اور خدا ترس لوگوں کو جمع کیا جائے تو یہی امام ہوں گے ۔ اگر پوچھا جائے دنیا میں افضل ترین کون ہیں ؟ تو بھی جواب ملے گا کہ یہی لوگ ۔

اُن کے لئے صاحبِ ثروت اور نادار ہونا دونوں برابر ہیں ۔ ان کی ہاتھوں کی فراخی ان کی تنگدستی بھی کم نہیں کر سکتی ۔

اللہ تعالٰے نے اُن کو بزرگی اور شرف سے نوازا ہے ، اور لوح وقلم میں یہ حکم جاری ہو چکا ہے ۔

۱۹۔ ان کا ذکر اللہ کے ذکر کے بعد ہر جگہ مقدم ہے اور اس حکم کے بعد قلم بند کر دیا ہے۔

۲۰۔ جو شخص اللہ کو جانتا ہے اُسے اس سعید ہستی کو بدرجۂ اولیٰ جاننا دینِ الٰہی اسی پاکباز ہستی کے گھر سے اُمّت تک پہنچا ہے۔

اس تعارف سُننے کے بعد ہشام کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور ا صادر فرمایا کہ فرزدق کو عسقان میں قید کر دیا جائے۔ جب امام عالی واقعہ کا علم ہوا تو آپ فرزدق کی اس جرأت ایمانی اور بیباکی سے ہوتے اور اس دَور ابتلا میں بھی اس کی مدد و دلجمعی کے لئے بارہ ہز اس پیغام کے ساتھ بھیجے کہ اے ابو فراش ہم معذور اور محتاج اگر اس سے زیادہ مال ہمارے پاس ہوتا تو ہم وہ بھی تجھے دے بسیار رد و کد کے بعد بطور تبرک فرزدق نے یہ عطیہ قبول کر لیا۔

سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالےٰ عنہ

آپ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت امام زین العابدینؓ کے ہیں۔ علوم کی باریکیاں سمجھنے اور اللہ کی کتاب کے اشاروں کو بیان کرنے میں خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ کی کرامتیں روشن اور مشہور ہیں۔ بیان کرتے مرتبہ خلیفہ نے آپؓ کو قتل کرنے کے ارادہ سے طلب کیا۔ جب آپؓ اس کے تشریف لائے تو خلیفہ نے بجائے قتل کے آپؓ کی بے حد تعظیم کی پھر تکلیف کے لئے معذرت اور عذر خواہی کے بعد ہدیوں کے ساتھ بڑی عزت سے کیا۔ آپؓ کے جانے کے بعد درباریوں نے تعجب اور حیرت کے ساتھ خلیفہ پوچھا کہ آپنے تو انہیں مار ڈالنے کے ارادے سے بلوایا تھا اور اس کے بعد حسنِ سلوک ہمارے لئے حیرانی کا موجب ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ جب وہ میرے پہنچے تو میں نے ان کے دائیں اور بائیں دو شیر دیکھے جو میری طرف اس رہے تھے کہ گویا کہ رہے ہیں کہ اگر تم نے اُن سے کوئی بدسلوکی کی تو تجھے کھا جائیں گے۔

کلامِ پاک میں "فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ" کی تفسیر بیان کرتے آپ نے فرمایا کہ ہر وہ شے اور وہ شخص جو تجھے خُدا سے ہٹا کر اپنے ساتھ مشغول وہی تیرا طاغوت ہے۔ پس اے طالبِ حق تجھے دیکھنا چاہیئے کہ کون شخص اور سے مشاغل تجھے خُدا سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول کرنے والے ہیں جس کی بھی تیری میں یہ حیثیت ہو اس سے خلاصی کرالو۔

آپؒ کے ایک ملازم خاص یہ روایت کرتے ہیں کہ رات کو آپؒ جب نماز راد سے فارغ ہو جاتے تو بلند آواز سے مناجات فرماتے اور اس میں کہتے۔ اے میرے معبود! اے میرے آقا رات آگئی۔ دنیا کے تمام بادشاہوں کے تصرفات رک گئے۔ آسمان پر ستارے نکل آئے، تمام مخلوق سو گئی۔ لوگوں کی آوازیں خاموش نکھیں بند ہو گئیں اور وہ مخلوق کے دروازوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے "بنو امیہ" آرام کر رہے ہیں۔ اور ان سے اپنی حاجتیں وابستہ کرنیوالے بھی اپنی حاجتوں کو کر چلے گئے ہیں۔ مگر تو اے میرے پروردگار! تُو حَیّ قیّوم اور علیم وخبیر ہے۔ نیند غنودگی جیسی کوئی شے تجھے لاحق نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ تیرے لئے زیبا ہے جو تجھے ی اُن صفات کے ساتھ نہیں پہچانتا وہ تیری کسی نعمت کے لائق نہیں۔ اے وہ ت! تو وحدہٗ لاشریک ہے۔ تیرے کسی کام میں کوئی شرکت کا دعوٰے نہیں کر سکتا۔ ے ذاتِ مقدس تیرے لئے رات اور دن یکساں ہیں۔ تیرے کسی کام میں کوئی خلل انداز یں ہو سکتا۔ تیری رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ اپنے پکارنے والوں ر ثنا خوانوں پر تیرے تمام خزانے فدا ہیں۔ اے میرے مالک تیری وہ ذاتِ مقدس ہے جو کسی بھی سوالی کے سوال کو رد نہیں کرتی۔ صدق دل سے جو بندہ تیرے دربار رام میں سوال لے کر جاتا ہے وہ کبھی محروم نہیں لوٹتا۔ خدایا! جب میں موت اور ر یوم حساب کو یاد رکھتا ہوں تو دل کو دنیا سے کیسے خوش رکھوں۔ اور جب موت کے فرشتے کو یاد کرتا ہوں تو دنیا سے کیسے نفع حاصل کروں۔ میں اپنی ساری حاجتیں تم ہی سے مانگتا ہوں اور تیری ہی ذاتِ اقدس کو اپنا تنہا الٰہ سمجھتا ہوں۔ مرنے کے وقت مجھے ی خوشی عطا فرما کہ جس کے سامنے دنیا کی تمام تکالیف فراموش ہو جائیں آمین ثم آمین۔

سیّدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

آپ مشائخ رحم اللہ میں اپنے اشارات کی خوبی اور رقتِ کلام کی وجہ
ہیں آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے اللہ تبارک وتعالےٰ کو پہچان لیا وہ اس کے
دوسرے سے بے نیاز ہوگیا۔ آپؓ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ توبہ کے بغیر عبادت
نہیں ہوتی توبہ کا ذکر عبادت سے مقدم رکھا گیا ہے جیسے کہ اَلتَّائِبُوْنَ ال
سے ظاہر ہے پس عبادت سے پہلے ضروری ہے کہ انسان گناہوں سے تائب
سے اجتناب کرے۔ توبہ ابتدائی مقام ہے اور عبودیت انتہائی مقام ہے
مقام سے گزرے بغیر بندہ اگلے مقام میں کیسے داخل ہو سکے گا۔ پھر یہ بھی ظا
ہے۔ کہ جب تک آدمی کی اپنے گناہوں اور عیوب کی طرف توجہ نہ ہو۔ اس
طرف نہ تو توجہ ہو سکتی ہے اور نہ توفیق حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ص
نے فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالےٰ کسی شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فر
تو اسے اپنے عیوب کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے" چنانچہ امام جعفر صادق ع
کے بارے میں روایات ہیں کہ ایک روز اپنے غلاموں میں بیٹھے تھے آپ نے
کہ آؤ ہم سب مل کر ایک دوسرے سے عہد کریں کہ قیامت کے دن جو بھی
بخشا جائے وہ دوسروں کی شفاعت کرے۔ غلاموں نے عرض کیا کہ ابن رسول
آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے۔ آپؓ کے جدِ بزرگوار صلی اللہ علیہ
تو تمام مخلوقات کے شفیع ہوں گے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں تو اپنے عملوں کی
شرم کے مارے قیامت کے روز اپنے جدّا محمدؐ کے سامنے بھی نہ ہو سکو
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابنِ رسول اللہؐ آپؓ مجھے کوئی نصیحت فرماو
دل کی سیاہی جاتی رہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ اے ابا سلیمان آپ تو اپنے ز
کے یکتا زاہد ہیں آپ کو مجھ سے نصیحت حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے
طائی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے پیغمبرؐ خدا کے فرزند! آپ لوگوں کو تمام مخل
فضیلت حاصل ہے۔ آپؓ کا ہمیں نصیحت کرنا ضروری ہے۔ آپؓ نے جواب فرما

ابا سلیمان! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرے جدِ بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے
پہ نہ پکڑیں کہ تو نے میری پوری پیروی کیوں نہیں کی تھی۔ خدا کے ہاں حسب و نسب سے
کام درست نہیں ہوتا۔ سارا انحصار معاملات کے درست ہونے پر ہے۔ یہ سُن کر
طائیؒ رونے لگے اور اسی دوران میں کہا "خدایا" جس کا خمیر نبوت کے پانی سے
اٹھا گیا۔ جس کی ترکیب حجت و برہان کے اصول سے تیار ہوئی جس کے نانا رسُولؐ پاک
جس کی ماں بتولؓ ہے۔ جب وہ حیران و پریشان ہے تو داؤد طائیؒ کون ہے کہ کسی
گنتی شمار میں آسکے۔

اصحاب صُفہ رضی اللہ عنہ

خلفائے راشدین و اہل بیت کے بعد اہل طریقت کے امام و مقتدا اصحاب
صُفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم ہیں۔ اہل صُفہ نبی کریمؐ کے خاص الخاص اصحابؓ تھے یہ حضرات
دنیا کے تمام کام و کاج اور دلچسپیاں چھوڑ کر مسجد نبوی میں رہ پڑے اور انہوں نے
تن من سے اپنے آپ کو حضورؐ کے سپرد کر رکھا تھا کہ جب اور جو خدمت چاہیں ان سے
لیں۔ ان کا کام رات دن خدا کی بندگی و عبادت میں لگے رہنا تھا۔ ان کے فضائل پر
قرآن مجید کا یہ ارشاد شاہد ہے ترجمہ آیۃ (۵۲-۶) جو لوگ دن رات اپنے رب کو پکارتے
ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں۔ انہیں اپنے قرب سے دُور نہ کرو۔ یہ ارشادِ الٰہی انہی حضرات
کے بارے میں ہے۔ مزید برآں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصحابؓ صُفہ پر گزر ہوا۔ اور آپؐ نے دیکھا کہ
وہ فقر اور مجاہدے کے باوجود خوش دل ہیں آپ نے ان کو فرمایا۔ اے اصحاب صُفہ
تمہارے لئے اور میری اُمت کے ان سب لوگوں کے لئے جو تمہارے بعد اس صفت
پر جس پر تم راضی ہو قائم رہیں خوش خبری ہے کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوں گے۔

یہ بات اچھی طرح طے شدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ اور زمانوں سے ہر لحاظ
سے اچھا تھا ان کے بعد ان سے ملحق اور مُتّصل زمانے کے لوگوں کا درجہ ہے اور ان کے
بعد ان سے ملحق اور مُتّصل لوگوں کا جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس سے مُتّصل جو زمانہ ہے وہ اور پھر اس سے

متصل جو زمانہ ہے۔ وہ اور پھر اس سے متصل زمانہ ہے۔ وہ یعنی سب سے بہتر
اور صحابہ کرامؓ کا دور ہے۔ اور اس کے بعد تابعین کا دور اور اس کے بعد تبع تا
کا دور الیٰ الاخر۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ترجمہ آیۃ (۹ - ۱۰) وہ مہاجر اور انص
جو سب سے پہلے ایمان لائے اور ان کے بعد وہ بھی جو راست بازی کے ساتھ
کے پیچھے چلے، اللہ اُن سے راضی ہوا۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوئے پس یہ وہ
ہیں جن کو اللہ تبارک تعالےٰ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمونے کے
اور انعام یافتہ قرار دیا ہے اس لئے ہر معاملے میں اُن کے آئمہ رشد وہدایت ہو
میں کوئی کلام نہیں ہے۔

تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ عنہم

اہلِ طریقت کے پیشوا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ
وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے۔ مگر ان کی حضورؐ سے ملاقات نہیں ہوئی اس کی
وجہ تو یہ تھی کہ آپ کی والدہ بہت ضعیف تھیں ان کو چھوڑ کر نکل نہیں سکتے تھے د
آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غائبانہ ہی اس درجہ کا عشق تھا کہ جب انہ
نے سُنا کہ جنگِ اُحد میں حضورؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا ہے تو آپؓ نے ایک
ایک کر کے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ محبوبؐ کا دانت
کونسا ٹوٹا ہے اس وجہ سے ڈرتے تھے کہ غلبۂ شوق سے حضورؐ کے دیدار کی تا
بھی لا سکیں گے یا نہیں۔

حضورؐ کو بھی حضرت اویس قرنیؓ سے غائبانہ محبت تھی۔ اور آپؐ نے صحابہ ر
عنہم سے فرمایا تھا کہ قرن میں اویسؓ نام کا ایک شخص ہے جسے قیامت کے روز قبیلہ
اور مضر کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری اُمت کے لوگوں کی شفاعت کا
ہو گا۔ اس کے بعد روئے مبارک حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی طرف کر
فرمایا کہ تم دونوں اس کو دیکھو گے وہ ایک میانہ قد لمبے لمبے بالوں والا آدمی ہے جس
بائیں پہلو پہ درہم کے برابر ایک داغ ہے مگر وہ برص کا داغ نہیں اور اس کے ہا

اور ہتھیلیوں پر بھی ویسے ہی نشان ہیں جب تم اسے ملو تو میرا سلام کہدینا اور اس سے کہنا کہ میری امت کے حق میں دعا کرے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ساتھ مکہ معظمہ آئے تو اپنے خطبہ میں فرمایا اے اہلِ نجد! کھڑے ہو جاؤ اور جب وہ کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا تمہارے اندر کوئی قرن کا آدمی ہے اور جب قرن کے آدمی آئے تو ان سے آپ نے حضرت اویسؓ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ اویسؓ نامی ایک دیوانہ ہے جو جنگل میں رہتا ہے۔ وہ آبادیوں میں نہیں آتا۔ نہ لوگوں سے ملتا جلتا ہے غم اور خوشی کو بھی نہیں جانتا۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ جب عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ جنگل میں اُن کے اونٹوں کے پاس ہی رہتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ حضرت اویسؓ کے پاس گئے وہ حضورؐ کی بیان کردہ نشانیوں سے انہیں پہچان لیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام اور اُمت کے حق میں دعا کا پیغام دیا اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے رہے

اس دوران میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے سلسلے میں باتیں ہوتی رہیں۔ امیرؓ نے حضرت اویسؓ کو "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اعمال کا انحصار نیتوں پہ ہے۔ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس نے اس کی نیت کی پس جس شخص نے اللہ و رسولؐ کی طرف رجوع کیا اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا قرب حاصل ہوگیا۔ اور جس نے دنیا کی طلب کی اس کو دنیا ملے گی۔ ضروری باتیں ہوچکیں تو حضرت اویسؓ نے فرمایا۔ آپ حضرات کو تکلیف ہوئی ہے۔ اب آپ واپس جائیں کیونکہ قیامت قریب ہے اس وقت ہمیں وہ دیدار نصیب ہوگا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اب میں قیامت کا توشہ تیار کرنے میں مشغول ہوتا ہوں۔ اس کے بعد آپ وہ جگہ چھوڑ کر کوفہ کی طرف چلے گئے اور کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں گئے صرف ایک مرتبہ ہرم بن حبانؓ نے آپ کو دریائے فرات کے کنارے پر دیکھا ہے۔ یا پھر اس وقت دیکھا گیا جب جنگِ صفین میں آپ حضرت علیؓ کی طرف

سے میدان جہاد میں نکلے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ گویا آپ نے ساری زندگی جہدِ مسلسل میں گزاری اور شہادت کی موت پائی۔ آپ کا قول ہے "السّلامتہ فی الوحدۃ" یعنی سلامتی وحدت میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے سلامتی کی راہ یہ ہے اس کی زندگی کے کسی گوشہ میں غیر اللہ کا کوئی دخل باقی نہ رہے پوری زندگی ایک وحدت ہو۔

تابعی حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ

حضرت ہرم رضؓ بن حیان بزرگانِ طریقت میں صفا کا مخزن اور وفا کا پیکر سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی صحبت اختیار کی اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بھی زیارت کی آپ حضرت اویسؓ کی زیارت کے لئے پہلے قرن گئے۔ لیکن وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ کوفہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ مایوس ہو کر مکہ معظمہ آگئے۔ یہاں پتہ چلا کہ حضرت اویسؓ کوفہ میں ہیں۔ آپ کوفہ تشریف لے گئے لیکن وہاں کچھ پتہ نہ چلا کہ حضرت اویسؓ کہاں ہیں پھر وہاں سے بصرہ کو روانہ ہوئے تو راستہ میں دریائے فرات کے کنارے اچانک حضرت اویسؓ مل گئے۔ آپ اس وقت وضو سے فارغ ہوئے تو حضرت ہرم بن حیانؓ آگے بڑھے اور سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اے ابن حیان وعلیک السلام۔ ہرم بن حیانؓ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ نے کیسے مجھے پہچان لیا۔ کہ میں ابنِ حیان ہوں۔ حضرت اویسؓ نے جواب میں فرمایا کہ میری رُوح نے تیری رُوح کو پہچان لیا۔ حضرت ہرم بن حیانؓ کہتے ہیں حضرت اویسؓ نے مجھ سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے زیادہ باتیں کیں امیرینؓ کی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد مجھے فرمایا "عَلَيْكَ بِقَلْبِكَ" یعنی تجھ سے مواخذہ اس کے مطابق ہو گا جو تیرے دل میں ہے اس لئے دل کو ہمیشہ حق کا تابع اور خالص رکھ دل اور نیت کا اخلاص ہی ہے جو انسان کو شیطان سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ دل اور نیت کو خالص رکھنے والے بندوں کے بارے میں شیطان نے اوّل روز ہی اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا تھا۔ "لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" (۱۵-۳۸-۳۹-۴۰-۸۲-۸۳) یعنی بنی آدم میں سے تیرے مخلص

بندوں کے سوا سب کو بہکا دوں گا۔

"مخلِصین" میں دو قرائتیں ہیں ایک لام پر زبر کے ساتھ "مُخلَصِین" اور دوسری لام کے نیچے زیر کے ساتھ "مُخلِصِینَ" اگر زیر کے ساتھ تلاوت کیا جاوے تو اس سے مراد باقی الصفت لوگ ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ جو کوشش اور مجاہدے اور تکلف کے ساتھ اپنے دل کو امرِ الٰہی کے موافق کر لیتے ہیں اور اگر زبر کے ساتھ تلاوت کیا جائے تو اس سے مراد فانی الصفت لوگ ہوں گے یعنی وہ لوگ جن کا دل سراسر اخلاص کا مسکن بن گیا ہے اور ان کا بدن دل کے موافق ہو گیا ہے اور اللہ جل شانہٗ نے ان کو اپنے لئے چُن لیا ہے۔ پس مخلِص ہونا ابتدائی اور مجاہدے کا درجہ ہے اور مُخلَص ہونا انتہائی اور خداوند تعالےٰ کے ہاں برگزیدہ ہو جانے کا درجہ ہے۔ حضرت ہرم بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ "عَلَيْكَ بِقَلْبِكَ" کی تلقین کے بعد حضرت اویسؓ نے مجھے رخصت کیا اور خود توشۂ قیامت کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

تابعی حضرت ابو علی حسن بصری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو علی حسن بصری رضی اللہ عنہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم حضرات میں تیسرے بزرگ ہیں جو اہل طریقت کے امام اور پیشوا ہیں۔ اہل طریقت میں آپ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے۔ علم و معاملات میں آپ سے بہت اچھے، اور لطیف اشارات منقول ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا، اور اس نے صبر کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مصیبتوں اور آزمائشوں میں حق پر ثابت قدم رہنا۔ اور دوسرا جن باتوں سے تو اللہ تعالےٰ نے ہمیں منع فرمایا ہے ان سے رُک جانا۔ اعرابی نے کہا کہ آپ تو بڑے پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ میں نے آپ سے بڑا کوئی زاہد نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی آپ سے کوئی بڑا صابر دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے اعرابی! یہ میرا زُہد سب کا سب رغبت اور لالچ کا نتیجہ ہے میرا یہ صبر سب کا سب مصائب اور ابتلاؤں پہ تکدّر اور جزع و فزع کا نتیجہ ہے۔ اعرابی نے کہا کہ برائے کرم اپنی اس بات کو صاف الفاظ میں بیان فرمایئے آپ نے تو میرا اعتقاد متزلزل کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ بھائی میرا یہ زُہد دنیوی لذّتوں

کے پیچھے بھاگنے سے اجتناب) آخرت کی نعمتوں کے لالچ اور ان کی رغبت پر مبنی ہے۔ اور میرا صبر (مصائب دنیا پر تکدّر اور جزع و فزع کا اظہار نہ کرنا) اس خوف اور تکدّر کا نتیجہ ہے جو مجھے دوزخ کی آگ اور آخرت میں پیدا ہونے والے مصائب سے پیدا ہو رہا ہے۔

پس آدمی کے زہد اور صبر دونوں خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے اور اسی کے خوف سے ہونے چاہئیں۔ اخلاص کی درستی نام ہی اس چیز کا ہے کہ آدمی کے قول و فعل کے محرک صرف خدا کی رضا اور اس کا خوف ہو۔ اور دنیا و عقبیٰ سے بے نیاز ہو جائے۔

حضرت خواجہ امام حسن رضؓ بصری نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنے پر بہت زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر آدمی خود نیک ہو اور واقعی نیکی کا طلب گار ہو تو وہ نیکوں کی صحبت ضرور پا لے گا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے (آیۃ ۲۱:۳) میں ارشاد فرمایا ہے جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ان کو ہم اپنا راستہ ضرور دکھا دیتے ہیں اور برے لوگوں کی صحبت کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ برے لوگوں کی صحبت نیک لوگوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔

حضرت خواجہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف داتا گنج بخشؒ اہل دین و طریقت کے اشرار اور پیشہ ور لوگوں کی صحبت سے اجتناب پر خاص زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کو جب اہل دین و طریقت کے لبادے میں خیانت، جھوٹ، غیبت، لغو حرکات و ہزلیات اور شہوانی افعال سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ دین اور طریقت ہی کو ایک ڈھونگ اور اپنی دنیاوی اغراض و خواہشات کو پورا کرنے کے لئے عام لوگوں کے پھانسنے کا ایک خوشنما حربہ خیال کرنے لگتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دین اور طریقت کا نام لینے والے سب ہی لوگ اسی طرح کے ہیں۔ یہ صورت دین اور خود اس کے طالب کے لئے بہت خطرناک ہے لیکن آدمی کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر اس کے اپنے اندر نیکی کا جوہر اور اس کی سچی طلب ہو گی تو وہ ایسے اہل دین و طریقت کو پا لے گا جس کے تمام کام حق کی فرمانبرداری کے ہیں جن کی زبان پہ کلام حق، جن کا دل حق کا مسکن، کان حق کی سماعت کا محل، آنکھیں مشاہدہ حق کے جمال کا مقام اور جن کا سر صرف درگاہِ حق میں سجدہ ریز

ہوتا ہے۔ آدمی کی فطرت ایسی ہے کہ وہ انہی لوگوں میں آرام پاتا ہے جو اس کے ہمجنس ہوں۔

تابعی حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ

حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ کا علماً اور فقہاء میں بہت بڑا درجہ ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، شعر، توحید اور حقائق وغیرہ علوم میں آپ کا بڑا مرتبہ ہے۔ نہایت پاکباز اور پاک باطن آدمی تھے۔

حضرت سعیدؓ ابن مسیب کے ارشادات میں سے ایک قول یہ ہے کہ تُو اس تھوڑی دنیا پر جو تجھے دین کی سلامتی سے حاصل ہو اسی طرح راضی رہ جس طرح بعض بدنصیب لوگ اپنا دین دے کر بہت سی دنیا حاصل کر لیتے ہیں۔ یاد رکھ کہ وہ فقر جو دین کی سلامتی کے ساتھ ہو تو اس غنا سے بدرجہا بہتر ہے جو غفلت کے ساتھ اور دین کو ہاتھ سے دیکر حاصل ہو۔ وہ فقیر جس کا دین سلامت ہو۔ جب اپنے دل کی طرف دیکھتا ہے تو اسے تفکرات سے آزاد پاتا ہے اور جب اپنے ہاتھ کی طرف دیکھتا ہے تو اُسے قناعت والا اور باوقار پاتا ہے اور دین کو پس پُشت ڈال کر اور اسے ہاتھ سے دے کر بہت سی دنیا سمیٹنے والا غنی جب اپنے دل کی طرف دیکھتا ہے تو اس میں بہت مال کو تھوڑا پاتا ہے اور پریشان ہو جاتا ہے ؎

کاسۂ چشم حریصاں پُر نشُد
تا صدف قانع نشُد پُر دُر نشُد

آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے ایسا حلال بتایئے کہ جس میں حرام کا شائبہ نہ ہو اور اُس حرام سے خبردار فرمایئے جس میں حلال نہ ہو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ذکر وہ حلال ہے جس میں حرام کا کوئی شائبہ نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے کہ اس میں کچھ حلال نہیں۔ پس خدا کی یاد اور اس کے کام میں لگے رہو اس کے سوا دوسروں کی یاد اور ان کے کاموں سے دست کش ہو جاؤ۔

تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ

تبع تابعین رضوان اللہ علیہم میں اہل طریقت کے پیشوا حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ کنیت آپ کی ابوالفضل اور مسکن آپ کا بصرہ تھا۔ آپ شاگرد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اور مرید و خلیفہ خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہیں اور حضرت کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہ سے بھی خرقہ خلافت پایا تھا۔ یہ ہر دو بزرگوار خلفائے عظام سیدنا امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے تھے۔

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضؓ، زبدۃ الاولیاء کرام و عمدۃ المشائخ عظام جامع برکات و صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ ابتدا میں بہت دولتمند اور مرفع الحال تھے آپ کو مردانِ خدا کی ملاقات و زیارت کا بہت شوق تھا۔ آپ نے اکثر سفر دُور دراز کے کئے ہیں۔ اور بہت سے مردانِ خدا کی زیارت اور صحبت سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ چین کے راہبوں میں سے ایک راہب جو مجھ پر میرا گزر ہوا میں نے اس راہب کو آواز دی اس نے جواب نہ دیا پھر دوبارہ آواز دی لیکن جواب ندارد جب تیسری بار آواز دی تو اس نے مجھے کھڑکی میں سے جھانکا اور فرمایا کہ اے شخص میں راہب نہیں ہوں۔ راہب تو وہ ہوتا ہے جو حق تعالےٰ سے ڈرے اس کی عظمت کرے۔ اس کی بلا پر صبر کرے اس کی قضا کے ساتھ راضی رہے اور اس کی نعمتوں پر شکر و حمد بجالائے۔ اس کی عظمت کے لئے تواضع کرے۔ اس کی عزت کے لئے ذلیل ہو۔ اس کی قدرت کا منقاد رہے اس کے لئے خضوع و خشوع کرے اور اس کے حساب و عقاب کی فکر و سوچ میں رہے دن بھر روزہ رکھے رات کو کھڑا رہے نماز پڑھے نار کا خوف، جبار کی پوچھ اسے سونے نہ دے۔ اور میں تو ایک دیوانہ کتا ہوں اپنے نفس کو اس لئے اس صومعے میں روکے ہوئے ہوں تاکہ اپنی زبان سے لوگوں کو زخمی نہ کروں۔ اے میرے بھائی عاقل وہ ہے جو دنیا کی

حرص وہوا کو اپنے دل سے نکال دے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے صدق دل سے حق تعالےٰ کی طرف رجوع ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس جارہا تھا کہ راستہ بھول گیا۔ ناگاہ ایک عورت کو دیکھا اس سے پوچھا کہ اے بی بی تو بھی راہ بھول گئی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ اے ابن زید جو اللہ تبارک وتعالےٰ کو جانتا اور پہچانتا ہے وہ کبھی راستہ نہیں بھول سکتا اور جو اس کو دوست رکھتا ہے وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا پھر اس نے اپنے عصا کا ایک سرا مجھے پکڑایا اور کہا آگے ہو جا۔ میں بمشکل پانچ سات قدم چلا تھا کہ مجھے بیت المقدس کی مسجد نظر آنے لگی میں نے اپنی آنکھوں کو ملا اور دل میں خیال کیا کہ یہ خواب تو نہیں۔ اس نے کہا اے ابن زید یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ تیری چال زاہدوں والی ہے اور میری چال عارفوں کی۔ زاہد چلتا ہے اور عارف اڑتا ہے بھلا چلنے والا کیونکہ اڑنے والے سے مل سکتا ہے۔ یہ کہکر وہ نیک بی بی غائب ہو گئی آپ صاحب کشف وکرامات تھے۔ بوجہ طوالت اتنے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں آپ نے تاریخ ۲۷ صفر ۱۷۷ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں وفات پائی آپ کا مزار پُر انوار بصرہ میں ہے۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ شاگرد امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے تھے اور مرید وخلیفہ حضرت عبدالواحد ابن زید رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ آپ نے بقول صحیح بتاریخ ۷ ر محرم الحرام ۱۸۷ھ بروز جمعہ بعہد خلافت ہارون الرشید عباسی کے رحلت فرمائی مزار پُر انوار مکہ معظمہ میں بگورستان جنت المعلیٰ میں واقع ہے۔

آپ عالم ربانی امام یزدانی حقائق ومعارف میں وحید العصر کرامت وخوارق میں فرید الدہر زہد وورع میں کامل ریاضت وعبادت میں بے مثل تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ سابقہ زندگی میں رہزنوں کے سردار تھے اور پیشہ رہزنی کا کرتے تھے۔ مرو اور باورد کے بیابان میں ایک خیمہ ڈال رکھا تھا اس میں رہتے اور ٹاٹ کا لباس پہنتے اور کمبل کی ٹوپی اوڑھتے اور ایک تسبیح گلے میں ڈالے رہتے تھے باوجود پیشہ رہزنی کے آپ نماز کے بڑے پابند تھے

ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے۔ یہاں تک جو خدمت گار نماز نہ پڑھتا اس کو اپنے یہاں سے فوراً نکال دیتے ان کی توبہ اور ہدایت پانی کا قصہ بڑا دلچسپ اور عجیب ہے ایک سوداگر مرو سے ماردو جا رہا تھا۔ جب وہ مرو سے روانہ ہونے لگا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اپنی حفاظت کے لئے سرکاری آدمیوں کا ایک دستہ ہمراہ لے لو۔ راستے میں فضیل نامی ڈاکو لوگوں کو لوٹ لیتا ہے۔ سوداگر نے کہا کہ محافظ دستے کی کوئی ضرورت نہیں میں نے سنا ہے کہ وہ خدا ترس آدمی ہے۔ سوداگر نے محافظ دستے کی بجائے مرو سے ایک قاری ساتھ لے لیا۔ اور قافلہ کے سب سے اگلے اونٹ پر اُسے بٹھایا اور اس کو حکم دیا کہ جب قافلہ جنگل میں داخل ہو تو وہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دے چنانچہ قاری نے ایسا ہی کیا خداوند تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ جب یہ قافلہ اس مقام پر پہنچا جہاں فضیل اس قافلہ کو لوٹنے کے لئے گھات لگائے بیٹھا تھا تو قاری خوش الحانی کے ساتھ سورۃ الحدید درج ذیل آیات (۱۶۔۱۷) کی تلاوت کر رہا تھا۔ فضیل اس طرف متوجہ ہوا تو اُس کے کان میں آواز پڑی۔ ترجمہ سورۃ الحدید آیت (۱۶۔۱۷) "کیا ایمان کے دعویداروں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد اور اس کے نازل کردہ حق کی طرف جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے الکتاب عطا کی گئی اُن کا حال یہ ہو گیا کہ جب کتاب ملے کچھ مدت گذر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور آج بھی ان میں سے بیشتر نافرمانی کی راہ پر گامزن ہیں۔ جان لو کہ اللہ بار بار تمہاری آنکھوں کے سامنے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے دیکھو ہم نے اپنی تعلیمات کو تم پر واضح کر دیا ہے شاید کہ تم عقل سے کام لو"

فضیل کے دل و دماغ کو ان آیات کو سُنکر ایک شدید جھٹکا محسوس ہوا جیسے کوئی گہری نیند میں سویا ہوا شخص دھماکے سے بیدار ہو۔ اتنے میں قاری سورۃ الحدید کی آیت (۲۰۔۲۱) پر پہنچ گیا اور اُس نے پوری قوت سے کہا ترجمہ (آیات ۲۰۔۲۱) جان لو کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی یہ زندگی محض ایک کھیل و تماشہ ہے۔ یہ عارضی سامان زینت و آرائش تمہارے آپس میں ڈینگیں مارنے اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس سے زائد کچھ نہیں ہے۔ اس کی مثال بارش کی ہے کہ اس میں لہلہاتی کھیتی کو دیکھ دیکھ کر کسان جھومتے ہیں پھر چند روز میں وہ زرد پڑ کر چورا چورا ہو جاتی

سن لو اس دنیا کے بعد آخرت بھی یقیناً ہے یہاں پہ ایک طرف تو نافرمانوں کے
لئے عذاب شدید ہے اور دوسری طرف اطاعت گزاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور
رضا ہوگی اور یہ دنیا کی زندگی محض ایک بھلاوے کا سامان ہے پس اپنے رب کی مغفرت
اور اس کی جنت کی طرف لپکو جس کی وسعت زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے اور جو
اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ ہے حقیقت
میں اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے عطا فرمادے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل کرنیوالا ہے۔"

یہ پاک کلام سنتے ہی فضیل رضی اللہ عنہ کی کایا پلٹ گئی اور خدا ترسی کا جو جوہر دل میں چھپا
ہوا تھا غالب آگیا چنانچہ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار سے آپ نے سچے دل سے توبہ کی جن جن
لوگوں کے بارے میں معلوم تھا کہ ان کا مال لوٹا ہے ان کو راضی کیا اور ان کا لوٹا ہوا مال
واپس کیا اور حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر
بیعت کی بعد ازاں مکہ معظمہ پہنچ کر عرصہ تک بیت اللہ کے خادم رہے۔ بہت سے
بزرگانِ دین کی صحبت سے فیض یاب ہوئے جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی
شامل ہیں۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ کے خرقِ عادات وکرامات وارشاداتِ عالیہ
بے شمار ہیں جن کا اس مختصر سی تصنیف میں سمانا امرِ محال ہے۔ لہٰذا جو کچھ بطور تبرک لکھا
گیا ہے قارئین حضرات اسی پہ اکتفا کریں اور مجھ فقیر حقیر پر تقصیر کے حق میں دعائے
خیر کریں۔

تبع تابعین سیدنا حضرت سلطان ابراہیم ادھم رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت سلطان ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ کنیت آپ کی ابواسحاق و لقب
امان الارض ہے اور آپ کے والد بزرگوار کا نام ادھم بن سلیمان بن منصور البلخی تھا۔
آپ مرید و خلیفہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کو نعمت و
خلافت حضرت خضر علیہ السلام و حضرت امام باقر علیہ السلام سے بھی پہنچی تھی۔ آپ
مدت تک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور ان سے علم حاصل کیا آپ نے
ایک سو دس برس کی عمر پائی اور جمادی الاول ۱۶۶ھ بروز جمعہ بعہد خلافت المہدی
بن منصور کے وفات پائی۔ مزار پر انوار جبلہ شام میں ہے۔

آپ اولیائے کبار و اصفیائے نامدار و مشائخ عظام و مقتدایان ذوالکرام میں تھے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی شان میں سیّدنا فرمایا اور حضرت سیّد جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے لفظ مفاتیح العلوم (علوم کی کنجی) سے آپ کو سراہا اور آپ کے آباؤ اجداد سلطنت بلخ کے بادشاہ تھے۔ جب آپ بادشاہ ہوئے بہت بڑا ملک آپ کے زیر فرمان تھا۔ آپ نے اپنے حسنِ انتظام عدل و انصاف و گستری سے اپنی سب رعایا کو خوشحال و شادمان کر رکھا تھا۔ لیکن باوجود اس مصروفیت کے دل آپ کا ہر وقت حق تعالےٰ کی یاد و دھیان میں رہتا تھا۔ آپ کا سلطنت کا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات آپ تخت پر بیٹھے تلاوت کلام مجید میں مصروف کہ ناگاہ قصرِ شاہی کی چھت پر کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ آپ چونک پڑے کون ہے آواز آئی کہ آشنا ہوں اپنا اونٹ ڈھونڈھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا عزیز بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اونٹ چھت پہ ڈھونڈھتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا اس سے بھی تعجب کی بات یہ ہے کہ اے بادشاہ تو جامۂ اطلسی و تخت زریں حق تعالےٰ کو ڈھونڈتا ہے اس کے سنتے ہی آپ کے دل میں ہیبت پیدا ہوگئی اور آتش سوزاں آپ کے دل میں بھڑک اٹھی اور آپ بہت متفکر و غمگین ہوئے دوسرے روز جب دربارِ عام ہو رہا تھا تو ایک شخص بلا خوف و ہراس آپ کے تخت کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اور تجسّسانہ نظر سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آپ نے پوچھا کیا ڈھونڈھتا ہے اس نے جواب میں کہا سرائے آپ نے کہا یہ سرائے نہیں سرائے نہیں یہ تو دربار شاہی ہے اس نے کہا آپ سے پہلے یہاں کون تھا۔ آپ نے فرمایا میرا باپ اس نے کہا اُن سے پہلے کون تھا۔ آپ نے کہا میرا دادا۔ غرضیکہ وہ اسی طرح پوچھتا گیا اور آپ نام لیتے گئے اس نے کہا کہ جب ایک آتا ہے اور ایک جاتا ہے تو یہ سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ کہا اور باہر چلا گیا۔ آپ بھی اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ اس کو پالیا۔ اور پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں خضرؑ ہوں یہ سُنکر آپ کے دل میں آگ اور بھی شعلہ زن ہوئی اور جب دل نے اس قدر مجبور کیا۔ اسی وقت گھوڑا کسوا کر ایک جماعت سواروں کی لے کر شکار کے لئے جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں لشکر سے جدا ہو گئے۔ اور یکایک آواز

کہ جاگو جاگو۔ پھر کچھ بڑھے تو یہی آواز سُنی کہ جاگو جاگو۔ پھر اور آگے بڑھے تو آواز آئی، جاگو قبل اس کے کہ موت سے تمہیں بیدار کریں۔ آپ یہ سن کر بہت ہی خوف زدہ ہوئے۔ نے ہی دیکھا کہ ایک ہرن سامنے سے بھاگا جا رہا ہے۔ آپ نے اُس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ ہرن نے پھر کر بزبان حال کہا کہ کیا تو اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے یہ کہہ کر ہرن غائب ہو گیا۔ آپ اپنے دل میں سوچنے لگے کہ خداوند یہ کیا ماجرا ہے۔ اسی حال میں اپنی زین کے قربوس سے آواز سُنی کہ قسم ہے خدا کی کہ آپ کاروبارِ دنیا کے لئے نہیں پیدا کئے گئے یہ سنتے ہی آپ گھوڑے سے اُتر پڑے اور دُنیا کو سہ طلاق دے کر تلاشِ حق میں جنگل کی راہ لی اور سلوک کے تمام دُشوار ترین مراحل طے کر کے صاحبِ کشف و کرامات و قطبِ عالم ہوئے۔

کلماتِ طیّبات

جو شخص کہ تین مقاموں پر اپنا دل حاضر نہ پاوے سمجھے کہ خدا کی بخشش کے دروازے اس پر بند ہیں۔ ایک قرآن مجید پڑھنے کے وقت۔ دوسرے ذکر خدا کرنے کے وقت، تیسرے نماز پڑھنے کے وقت۔ آپ نے فرمایا جنّت کا وہ حقدار ہے جو اس کی اطاعت کرے۔ ولایت اُس کے نصیب میں ہوتی ہے جو ماسوا سے قطع تعلق کر کے صرف اسی سے محبت کرے اور جب تک ترکِ معصیت نہ کرے اس کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کی مقررہ مغفرت اوّابین کے لئے ہے اور رحمت توّابین کے لئے اور جنت خائفین کے لئے اور دیدار مشتاقین کے لئے اور حور تائبین کے لئے ہے۔ لوگوں نے پُوچھا کہ کیا وجہ ہے ہم حق تعالےٰ سے دُعا مانگتے ہیں اور وہ مقبول نہیں ہوتی۔ فرمایا تم حق تعالےٰ کو جانتے ہو لیکن اُس کی بندگی نہیں کرتے اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچانتے ہو۔ لیکن ان کی سُنّت کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن مجید کو پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے اور حق تعالےٰ کی نعمتوں کو کھاتے ہو اور اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اور جانتے ہو کہ دوزخ میں طوق و بیڑیاں نافرمانوں کے لئے ہیں۔ اور ان سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے ہو اور جانتے ہو کہ شیطان کھلا دشمن ہے اس سے عداوت نہیں رکھتے بلکہ اس کی موافقت کرتے ہو۔ جانتے ہو کہ موت ضرور آئے گی اور اس کا سامان مہیا نہیں کرتے ہو۔ اپنے ماں باپ عزیز و اقارب کو

قبر میں رکھتے ہو اور اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہو۔ دوسروں کے عیبوں کی
میں رہتے ہو اور اپنے عیبوں پر نظر نہیں کرتے ہو۔ خود ہی خیال کرلو جو ایسا ہو اس
دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ یَا اِلٰہِیْ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ بِبَابِكَ
بِتَوَسِیْلَةِ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ جَاءَكَ لِلْمُنٰی

تبع تابعین سیدنا حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی رضی اللہ عنہ، لقب آپ کا سدید الدین
مولد و مسکن آپ کا قصبہ مرعش تھا جو ملک شام میں دمشق کے قریب واقع ہے
مرید و خلیفہ جناب سلطان الاولیا حضرت خواجہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ آپ
نے حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ اور سلطان العارفین حضرت بایزید
رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا تھا آپ نے بتاریخ ۱۴ شوال ۲۵۲ھ میں بعہد خلافت
المستعین باللہ خلیفہ عباسی کے وفات پائی۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ سات برس کی عمر میں حافظ اور قاری
سبع قرآن مجید کے ہوئے اور ہر روز و شب میں ختم قرآن کیا کرتے تھے جس درویش کو
اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے۔ ہر شخص آپ کے لئے دعائے خیر کرتا
جب آپ قطب الکاملین خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ اور حضرت سلطان الاولیا
بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کے حضور میں پہنچے تو انہوں نے بھی آپ کے حق میں دعائے خیر
فرمائی، اور کہا کہ حذیفہ مرد خدا ہے اور بہت سے لوگ اس کے وسیلے سے منزل مقصود
کو پہنچیں گے۔ جب آپ سولہ برس کے ہوئے تو آپ کو علم لدنی حاصل ہوا۔ اور آپ
نے شریعت، طریقت، معرفت، اور حقیقت کے مراتب و مدارج مرتب کئے
کہ ایک روز حضرت خواجہ خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا
حذیفہ ہر سالک کے لئے ایک راہبر کا ہونا ضروری ہے لہٰذا آپ سلطان الاولیا حضرت
خواجہ ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاکر شرف بیعت حاصل کریں۔ آپ بموجب
ہدایت حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے سلطان الاولیا کی خدمت میں حاضر ہوکر
قدم بوسی بجا لائے۔ سلطان الاولیا نے آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور شرف

مشرف فرمایا۔ آپ سالہا سال تک سفر و حضر میں سلطان الاولیاء کے ساتھ رہے۔
جب زمانہ سلطان الاولیاء کا آخر کو پہنچا۔ انہوں نے خرقہ خلافت اور کل نعمت و
امانت جو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ اور حضرت
خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے ان کو پہنچی تھیں آپ کو عطا فرمائیں اور اجازت
بیعت و ہدایت خلق کی اجازت بخشی اور یہ وصیت فرمائی کہ اے حذیفہؒ ہمیشہ اپنے
پیران طریقت کی راہ پر چلنا اور یقین رکھنا کہ دنیا کی حرص و آس درویشوں کی راہزن
ہے جہاں کوئی حق تعالےٰ کی راہ پر آتا ہے دنیا اس کی سدِ راہ ہوتی ہے پس مرد وہ ہے
جو دنیا کی حرص و ہوس سے اپنے آپ کو بچائے۔ روایت ہے کہ جب آپ روضہ منورہ
حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشریف لے گئے تو حضور پر نور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دیدار فائز الانوار سے آپ کو مشرف فرمایا۔ آپ نے رو کر عرض کیا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ہر وقت خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں
مبتلا قہر الٰہی ہو جاؤں ارشاد ہوا کہ اے حذیفہ ہمت مردانہ رکھ تو میرے ہمراہ بہشت میں
جائے گا اور جو تجھ سے وسیلہ رکھے گا وہ بہشتی ہوگا۔

تبع تابعین حضرت خواجہ ہبیرۃ البصری رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ ہبیرہ رضی اللہ عنہ کا لقب امین الدین اور وطن آپ کا بصرہ تھا۔
آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی رضی اللہ عنہ کے تھے۔ آپ نے تقریباً ایک
سو تیس برس کی عمر پائی اور بتاریخ ۷ شوال ۲۸۷ھ بعہد خلافت المعتضد باللہ عباسی کے
وفات پائی اور مزار پرانوار بصرہ میں ہے۔

آپ مقتدائے علماء اولیاء زمان، ناصر شریعت ماہر طریقت معرفت میں کامل اور
حقیقت میں اکمل تھے آپ سترہ برس کی عمر میں عالم متبحر ہوئے اور چند سال میں حافظ کلام
مجید ہو گئے۔ ہر روز دو کلام مجید ختم کرتے تھے اور ہر وقت حق تعالےٰ کی عبادت و ذکر
میں مشغول رہتے تھے۔ جب تیس برس عبادت و ریاضت میں بسر ہوئے تو ایک روز نہایت
الحاح و زاری سے بہت روئے اور جناب باری عزاسمہ میں عرض کیا کہ خداوندا ہبیرہ بیچارہ
تیرے قرب کا متلاشی ہے۔ تو اپنے فضل و کرم سے اس کو سیدھی راہ دکھا اور اس کے

عجز و انکسار کو منظور فرما کر اس کو بخشد ے۔ غیب سے آواز آئی۔ اے ہبیرہؒ میں تجھے بخشا تو حذیفہ مرعشیؒ کے پاس جا اور اس کی ملازمت اختیار کر۔ پس آپ بجا قطب المحققین خواجہ حذیفۃ المرعشی رضی اللہ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کو بجا لائے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور بہت شفقت و مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ اے ہبیرہ تو نے تیس برس ریاضت میں صرف کئے مگر ہنوز مشاہدہ کو نہیں پہنچا کیونکہ کوئی بھی اپنے آپ مجاہدہ سے مشاہدہ نہیں پہنچتا۔ جب تک کہ کوئی حق بین حق آگاہ شخص اس کو نہ بتلائے کیونکہ اس کی زبان رسان زود اثر ہوتی ہے جو بہت جلد مقام قال سے مقام حال و مشاہدہ تک پہنچا ہے۔ یہ کہہ کر آپ کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔ اور آپ مطابق ہدایت پیر روشن کے مجاہدہ میں مشغول ہوئے اور ایک ہی ہفتہ میں مقام قرب کو پہنچ گئے اور جو مقصود تھا وہ حاصل ہوا اور ایک برس کے بعد حضرت پیر دستگیر نے خرقہ خلافت آپ کو کیا اور فرمایا کہ اے ہبیرہ! تو ہمیشہ اپنے پیران عظام کی متابعت اور پیروی کرنا جلد مقاصد اعلیٰ کو پہنچے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب خرقہ خلافت میں نے زیب بدن اُس وقت عرش سے لے کر تحت الثرائی تک مجھ پر منکشف ہو گیا۔ اور ارواح طیبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جمیع عظام قدس اللہ اسرارہم کی میرے پاس موجود تھیں۔ ہر ایک نے میرے حق میں دعا فرمائی۔ کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے آپ کو اس درجہ اور مراتب اعلےٰ کو پہنچایا کہ جو شخص اخلاص سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور بیعت کرتا تھا آپ کی توجہ اور برکت نعمت عظےٰ کو پہنچتا تھا اور جو کچھ اس کا مقصود دلی ہوتا جلد حاصل ہو جاتا تھا۔ آپ کے بہت سے نامی گرامی خلفائ تھے لیکن سب سے زیادہ کامل و اکمل حضرت خواجہ علو ممشاد دینوری رضی اللہ عنہ ہیں۔

تبع تابعین حضرت خواجہ علو ممشاد دینوری رضی اللہ عنہ

نام آپ کا علو اور لقب کریم الدین ہے لیکن مشہور علو ممشاد دینوری ہیں۔ آپ دینور میں پیدا ہوئے اور نشو و نما بغداد میں پائی ارادت آپ کی سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت

خواجہ ہبیرہ البصریؒ سے اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے ہے اور آپ حضرت خواجہ سری سقطیؒ اور بہت سے بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے ہیں آپ نے تاریخ ۱۴ محرم الحرام ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔

آپ شیخ المشائخ عراق۔ علوم ظاہری و باطنی میں طاق۔ خوارق و کرامات میں بے مثل مجاہدات و مشاہدات میں بے بدل۔ غوث وقت قطب زماں یعنی اس رتبہ کے بزرگ تھے ولادت سے لے کر وفات تک ہمیشہ صائم رہے۔ کبھی حالت شیر خوارگی میں بھی دن کو دودھ نوش نہ فرمایا۔ آپ اوائل عمر میں سخی اور بڑے مالدار تھے جب کشش محبتِ الٰہی ارزاں ہوئی اور توفیق الٰہی نے راہ نمائی فرمائی تو آپ نے اپنا سب مال و متاع راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اور رُو بہ کعبہ ہو کر عرض کیا۔ یا الٰہ العالمین! مجھے تیرے سوا کچھ بھی درکار نہیں ہے۔ میں نے اپنے عیال و اطفال کو تیرے سپرد کیا۔ پھر مکہ معظمہ میں آکر عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص سر پر طعام کا طباق لئے حاضر ہوا، اور نہایت ادب و احترام سے سلام بجا لایا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے اور یہ خوانِ نعمت کس نے بھیجا ہے اس نے کہا میں مردانِ غیب سے ہوں اور یہ خوان حق تعالےٰ کے حکم سے آپ کے عیال و اطفال کے لئے لایا ہوں۔ آپ کو حکم ہے تو احکام الٰہی بجا لانے میں کوتاہی نہ کر۔ تیرے عیال و اطفال سب میرے بندے ہیں اور ان کا رزق میں اپنے خزانۂ غیب سے بھیجا کروں گا۔ یہ سُن کر آپ سجدۂ شکر بجا لائے اور بالکل فارغ و مطمئن ہو کر عبادت و ریاضت میں مصروف ہوئے۔ اور آپ قبل ارادت کے تیس سال تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اکثر آپ کے پاس تشریف لاتے اور ہم صحبت رہتے تھے ایک روز آپ نے ان سے کہا کہ یا خواجہ میں مدّت سے ریاضت و مجاہدہ میں ہوں اور راہِ عشق میں چل رہا ہوں۔ لیکن تا ہنوز مقام کشف و مشاہدہ تک نہیں پہنچا۔ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے علو جس کو حق تعالےٰ دوست رکھتا ہے اس کو اسیر محبت بنا دیتا ہے اور میں تجھ میں آثار سعادت نیک بختی کے مشاہدہ کرتا ہوں لیکن تجھے کسی درویش کامل کی صحبت حاصل کرنا ضروری ہے اور میرے خیال میں اس زمانہ میں حضرت خواجہ ہبیرۃ البصریؒ بہت بڑے درجہ کے بزرگ ہیں جس پر نظر مبارک ان کی پڑتی ہے وہ کامل ہو جاتا ہے۔ تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ارادت

سے بہرہ ور ہو۔ پس آپ حضرت تاج العارفین خواجہ ہبیرۃ البصری کی خدمت کیمیا خاص
میں حاضر ہوئے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور خلوت میں بٹھا کر ذکر
تعلیم دی اور اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں دیا اور حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے پوچھا
علو تو نے اپنے مطلوب کو دیکھا اور مقصود جان کر معائنہ کیا آپ نے سر زمین پر رکھ کر عرض
کیا پیری یا مرشدی میں نے تیس برس ریاضت و مجاہدے میں بسر کئے مگر یہ گنج سعادت
ہاتھ نہ آیا لیکن آج طرفۃ العین میں حضرت پیر دستگیر کی بدولت اس نعمت عظمیٰ کو
اور جو کچھ دیکھنا چاہتا تھا وہ دیکھا۔ پس حضرت پیر دستگیر نے گلیم فقر و خرقہ خلافت
جو پیران عظام سے پایا تھا۔ آپ کو عنایت کیا اور اپنا جانشین وسجادہ مقرر فرمایا۔ آپ
کے تین خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ سلسلہ چشتیہ۔ حضرت الو
رحمۃ اللہ۔ حضرت شیخ احمد اسود دینوری صاحب رحمۃ اللہ سلسلہ سہروردی رح

تبع تابعین حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی رضی اللہ عنہ کا لقب شریف الدین اور وطن
شام تھا۔ آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ علو ممشاد دینوری رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ اور آپ
کو صحبت رجال الغیب کی حاصل تھی آپ نے تاریخ ۱۴۔ ربیع الثانی ۳۲۹ھ کو بعہد خلافت
الراضی باللہ خلیفہ عباسی کے رحلت فرمائی۔ مزار پر انوار عکہ ملک شام میں ہے۔ کہتے
ہیں کہ آپ کے مزار مبارک پر شام سے صبح تک غیب سے چراغ جلتا ہے اور وہ چراغ
کبھی بھی گل نہیں ہوتا

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ جب آپ نے مرید ہونے کا ارادہ کیا تو چالیس
تک متواتر استخارہ فرمایا اور پھر بحکم الٰہی حضرت شیخ المشائخ خواجہ علو ممشاد دینوری رضی
اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور آپ
متواتر سات برس تک اپنے پیر دستگیر کے حضور میں رہ کہ مجاہدے اور ریاضتہائے سخت
کئے جب اس طرح سات برس گزر گئے تو آپ کے پیر دستگیر نے آپ کو کامل و مکمل
بہ اشارہ خداوندی خرقہ درویشی عطا کیا اور فرمایا کہ آج سے تمہیں لوگ ابو اسحاق شامی
بجائے ابو اسحاق چشتی کہا کریں گے۔

آپ اہلِ سماع تھے اور سماع بہت سنتے تھے۔ سیر الاقطاب میں ہے کہ جب آپ مجلسِ سماع میں ہوتے تھے تو آپ کی تاثیرِ وجد سے حاضرینِ مجلس سب کے سب وجد کرنے لگتے تھے۔ یہاں تک کہ در و دیوار تک حرکت و جنبش کرتی نظر آتیں۔ اور جو آپ کی مجلسِ سماع میں حاضر ہوتا تھا وہ کبھی مبتلائے گناہ نہ ہوتا تھا۔ اور ہر قسم کی بیماریوں کے مریض جو آپ کی مجلسِ سماع میں پہنچ جاتے تھے فوراً شفایاب ہو جاتے تھے۔ اہلِ دُنیا اور متموّل لوگوں کا آپ کی مجلسِ سماع میں داخلہ ممنوع تھا۔ اگر احیاناً کوئی اس قسم کا شخص شریک ہو جاتا تو وہ فوراً تارک الدنیا ہو جاتا اور اپنا تمام مال و متاع راہ خدا دے کر فقیر بن جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ اہلِ دُنیا کو مجلس میں آنے سے کیوں منع فرماتے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمام فقرا مثل نفسِ واحد کے ہیں اور سماع میں اسرارِ الٰہی منکشف ہوتے ہیں اور ان کے دل مثلِ آئینہ کے مُصفّا ہوتے ہیں۔ جب انوارِ الٰہی ان پر جلوہ ریز ہوتے ہیں تو اہلِ سماع روشن ضمیر ہو جاتے ہیں۔ پس اہلِ دنیا مجلسِ سماع کے لائق نہیں کیونکہ اگر ان میں سے ایک کا دل بھی متفرق ہو گا تو اس کے عکس سے سب کا دل متفرق ہو جائے گا۔ آپ کی بہت سی کرامات میں سے ایک یہ بھی کرامت تھی کہ جب آپ چاہتے کہیں سفر کریں تو ایک لمحہ میں وہاں پہنچ جاتے تھے اگرچہ وہ جگہ کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو۔ خلفائے آپ کے بہت تھے۔ لیکن یہ سلسلہ عالیہ چشتیہ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رضی اللہ عنہ سے جاری ہوا۔

تبع تابعین حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رضی اللہ عنہ۔ آپ عمدۃ الابرار۔ قدوۃ الاخیار۔ ملک الاولیاء سلطان الاصفیا خوارق و کرامت میں معروف۔ مجاہدہ و مشاہدہ میں بے نظیر انواعِ حالات و کمالات سے آراستہ اور فنائے احدیت میں گُم گشتہ تھے اور امرات الابرار میں لکھا ہے کہ آپ بالاتفاق قطب الابدال تھے جس کو ربع مسکون پر تصرف ہوا کرتا ہے آپ نے متواتر آٹھ برس حضرت پیرِ دستگیر کی خدمت اقدس میں رہ کر راہِ سلوک کی تمام دشوار ترین منزلیں طے کیں۔ جب حضرت پیرِ دستگیر نے آپ کو ہر طرح سے کامل و اکمل پایا تو خرقۂ درویشی عطا کر کے اپنا جانشین کیا۔ اور فرمایا کہ اے ابُو احمدؒ! تو میرا

فرزند ہے میں نے جو کچھ نعمتیں اور برکتیں پیرانِ عظام سے پائی تھیں سب تجھ کو عنایت کیں۔ بعد ازاں آپ کے پیرو مرشد اپنے قدیم ملک شام کو تشریف لے گئے اور آپ کے لئے قصبہ چشت میں جاکر رشد و ہدایت کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ کا ہنگامۂ رشد و ہدایت بہت ہی فیض رساں ہوا اور خلق کثیر راہ راست پر چل کر مقصود حقیقی کو پہنچی۔ کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے آپ کو وہ شان عالی عطا فرمائی تھی کہ جب آپ سماع میں ہوتے تھے تو آپ کی پیشانی مبارک سے ایسا نور ظاہر ہوتا تھا۔ کہ اس کی روشنی و چمک آسمان تک پہنچتی تھی جس سے سب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ حالتِ وجد میں ہیں اور اس حالت میں جس پر نظر مبارک پڑ جاتی تھی وہ صاحب کرامت ہو جاتا تھا۔ اور مریض صحیح و تندرست اور کافر صدق دل سے مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ کے خرق عادات و کرامات بہت کثیر ہیں۔ آخر کار یہ دُرِّ بیش بہا پچانوے برس کی عمر میں تاریخ غرہ جمادی الثانی ۳۵۵ھ بعہدِ خلافت المطیع باللہ عباسی کے عازم خُلدِ بریں ہوئے۔

تبع تابعین حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رضی اللہ عنہ۔ لقب آپ کا ناصر الدین تھا۔ صاحبزادے مُرید و خلیفہ اپنے بزرگوار حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رضی اللہ عنہ کے تھے۔ آپ نے تاریخ غرہ رجب المرجب ۴۱۵ھ میں بعمر ۷۰ سال رحلت فرمائی۔ بعضوں نے آپ کا سال وفات ۴۱۱ھ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ سومنات جس میں آپ شریک ہوئے تھے ۴۱۵ھ میں واقع ہوئی مزار پُر انوار چشت میں قریب آپ کے والد بزرگوار کے ہے۔

آپ مادر زاد ولی تھے آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ آپ جب چار مہینے کے میرے پیٹ میں تھے میں اکثر آواز کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آواز اپنے اندر سے سنتی تھی۔ میں نے ذکر اس کا آپ کے والد ماجد خواجہ ابو احمد رضی اللہ عنہ سے کیا حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ تجھے مبارک ہو تیرے شکم سے ایک فرزند سعادت مند، اللہ کا ولی پیدا ہوگا۔ منقول ہے کہ آپ جس وقت پیدا ہوئے اُس وقت آپ کے والد ماجد خواجہ ابو احمد علیہ الرحمۃ کو کچھ غنودگی سی آگئی تھی۔ خواب میں دیکھا

کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا تجھے فرزند صالح مبارک ہو۔ اور اس کو میرے نام سے موسوم کرنا۔ اور میرا اسلام اس کو کہنا یہ بشارت سنتے ہی حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ بیدار ہو گئے اور دیکھا کہ آپ پیدا ہو چکے ہیں اور ہنوز آپ ابھی نہلائے بھی نہ گئے تھے کہ آپ نے سات مرتبہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بزبان فصیح فرمایا حضرت علیہ الرحمۃ تجدید وضو کر کے آپ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اسلام علیک۔ آپ نے جواب دیا وعلیکم السلام اے میرے شیخ فرمایئے آج کی رات آپ نے کیا خواب دیکھا ہے حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کے کان میں کہا، کہ حضرت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو سلام کہا ہے آپ یہ سنتے ہی سر بسجود ہو گئے اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے بھی سجدۂ شکر ادا کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ آپ روز پیدائش سے لے کر اڑھائی برس تک ہر صلواۃ خمسہ کے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھا دیتے تھے۔ اور بے حساب کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھتے تھے اسوقت چہرہ مبارک سے ایسا نور ظاہر ہوتا تھا کہ سارا گھر روشن ہو جاتا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جس روز آپ کو بقصد تعلیم مکتب روانہ کیا تو راستے میں خواجہ خضر علیہ السلام ملے اور حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو محمدؒ! تم کو بشارت ہو کر مجھے حق تعالےٰ کا فرمان ہے کہ تم کو اسی وقت تمام علوم ظاہری و باطنی سکھا دوں۔ یہ فرما کر آپ کو اسم اعظم سکھلا دیا جس سے آپ پر تمام علوم واسرار الٰہی منکشف ہو گئے اور آپ جب تیرہ برس کے ہوئے تو خواجہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو مرید کیا۔ اور خرقہ خلافت عطا کر کے اپنا جانشین قرار دیا اور وصیت فرمائی کہ اے ابو محمدؒ! فقر وفاقہ اور صحبت فقرا ومساکین کو ہمیشہ اختیار کرنا۔ اور دنیا اور اہل دنیا سے ہمیشہ محترز رہنا تاکہ رتبہ کامل فقری کا تجھے حاصل ہو۔ آپ کو فقر میں وہ رتبہ اور پایہ بلند حاصل ہوا کہ اس وقت کے مشائخین و عابدین وصوفیہ کرام سب کے مقتدا اور پیشوا مانے جاتے تھے اور جس کو ایک نظر کرم سے دیکھ لیتے تھے وہ ولی کامل ہو جاتا تھا۔

تبع تابعین حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ کا لقب ناصر الدین ہے آپ سادات

صحیح النسب حسینی ہیں اور آپ مرید و خلیفہ حضرت ابو محمد چشتی رضی اللہ عنہ کے تھے
آپ نے تاریخ ۳ رجب المرجب ۴۵۹ھ ۸۰ سال کی عمر میں بعہد خلافت قائم بامر اللہ
عباسی خلیفہ کے وفات پائی مزار پُر انوار قصبہ چشت میں ہے۔
آپ ہمیشہ فقراء کے ساتھ رہتے تھے اور انہیں کے ساتھ کھانا کھاتے اور ان کی
بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے اور فرماتے کہ فقراء اللہ و رسول کے دوست ہیں ایسا
کون دل ہے جو کہ اللہ و اللہ کے رسول صلعم کے دوستوں کو دوست نہ رکھے اور
اور ان کی عزت و حرمت نہ کرے۔ آپ اکثر سماع سنتے تھے۔ آپ کی مجلس سماع میں
سوائے فقراء و علماء و صلحاء و مشائخ کے دوسروں کو دخل نہ تھا۔ چند درویش متعین
تھے کہ کوئی اہل دنیا مجلس سماع میں نہ آنے پائے۔
آپ کو ابتدا میں کلام مجید حفظ نہ تھا جس کی وجہ سے آپ اکثر متردد رہتے تھے
ایک رات حضرت پیر دستگیر کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اے ابو یوسف کیوں متردد
رہتا ہے روزانہ سو بار سورۃ فاتحہ پڑھا کر، قرآن مجید حفظ ہو جائے گا۔ پس آپ نے
ایسا ہی کیا اور قرآن مجید حفظ ہو گیا۔ آپ شب و روز میں پانچ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے
آپ کے خلفا بہت تھے لیکن مشہور ترین خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی
رضی اللہ عنہ ہیں۔

تبع تابعین حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ مودود چشتی رضی اللہ عنہ۔ لقب آپ کا قطب الاقطاب قطب الدین
ہے۔ آپ صاحبزادہ و مرید و خلیفہ حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ
کے ہیں۔ اور آپ نے ستانوے برس کی عمر میں تاریخ غرہ رجب المرجب ۵۹۷ھ بعہد
خلافت الراشد باللہ خلیفہ عباسی و بعہد سلطنت سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی رحلت
فرمائی۔ مزار مبارک چشت میں ہے۔
آپ بڑے خلیق اور انتہا درجے کے متواضع تھے۔ جو حاجت مند آپ کی خدمت
اقدس میں حاضر ہوتا آپ اس کو خوش و رضا مند کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ ہر
ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ آپ سلام میں سبقت کرتے تھے۔ اور اس کی تعظیم میں سرو قد کھڑے

ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے لونڈی و غلام کے ساتھ بھی آپ کا یہی برتاؤ تھا۔
ایک روز لوگوں نے آپ سے اس بارہ میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جس کسی کو دیکھتے پہلے خود سلام کرتے تھے اور یہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ کہ آپ پر سلام میں کوئی سبقت نہیں کر سکتا تھا۔ پس مجھ بیچارے کی کیا حقیقت ہے کہ جس بات کو خدا اور اس کے رسول صلعم نے پسند کیا ہو۔ اس پر عمل نہ کروں۔ بلکہ یہ تو عین فرض لازم ہے۔ آپ کا قول و فعل مطابق شریعت غرا کے تھا۔ آپ کو کشف قلوب و کشف قبور اور کشف الارواح بھی حاصل تھا۔ آپ سماع کے بڑے شائق تھے اکثر سماع سنتے تھے۔ اور بڑے اہتمام سے مجلس سماع کو ترتیب دیتے تھے۔ آپ کی مجلس سماع میں علماء صلحاء اور مشائخ بکثرت جمع ہوتے تھے۔ آپ کی مجلس سماع میں اول و آخر قرآن خوانی ہوتی تھی۔ آپ کو فقراء کے ساتھ نہایت محبت تھی ہمیشہ فقراء و مساکین آپ کے ہم نشین و ہم جلیس رہتے تھے اور اسی عالم فقر میں آپ نے اپنی عمر گزار دی۔ جب وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ بار بار دروازہ کی طرف دیکھتے تھے۔ جیسے کسی کا انتظار ہو۔ ناگاہ ایک شخص نورانی لباس میں ملبوس دروازہ سے آیا اور آپ کو سلام کر کے رو برو کھڑا ہو گیا۔ اور ایک پارہ حریر جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ بغل سے نکال کر آپ کے دست مبارک میں دیا۔ آپ نے اس کو پڑھ کر آنکھوں سے لگایا اور جان بحق تسلیم ہوئے۔ اس واقعہ قیامت خیز سے ایک ہلچل مچ گئی، اور ایک شور برپا ہو گیا۔ اس قدر آدمی جمع ہوئے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ جب جنازہ باہر آیا اور لوگوں نے نماز ادا کرنا چاہی غیب سے ایک ایسی ہیبت ناک آواز آئی کہ لوگ مارے خوف کے علیحدہ ہو گئے اور پہلے رجال الغیب بعد اس کے گروہ جنات نے جوق در جوق حاضر ہو کر نماز پڑھی پھر تمام مشائخ و علماء خلفاء اور آپ کے مریدوں اور تمامی عزیز اقارب نے نماز ادا کی اور آپ کو بصد عزت و احترام دفن کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ حالت دیکھ کر ہزاروں کافر مسلمان ہو گئے۔ اولاد آپ کی بہت تھی خطہ پاک چشت تا حال آپ کی اولاد و امجاد سے معمور و آباد ہے۔ اور آپ کے کثیر التعداد خلفاء میں سے گیارہ خلفاء نہایت اکمل و عالی مرتبہ ہوئے ہیں۔ ان کے نام نامی و اسم گرامی آپ کے ملفوظات میں ثبت ہیں۔ ان میں سے صرف آپ کے خلیفہ اعظم حاجی شریف

زندنی رضی اللہ عنہ جن کی ذات بابرکات سے سلسلہ عالیہ چشتیہ نے انتظام پایا ہے ان کا ذکرِ خیر درج ذیل ہے۔

تبع تابعین حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رضی اللہ عنہ، لقب آپ کا نیرالدین اور اسم مبارک شریف ہے اور زندنی منسوب قصبہ زندنہ توابع بخارا سے ہے جہاں آپ کا مسکن تھا۔ آپ مرید و خلیفہ اعظم حضرت خود مودود چشتی رضی اللہ عنہ کے تھے آپ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی اور بتاریخ ۶ رجب المرجب ۵۸۴ھ بعہد خلافت المقتدر باللہ خلیفہ عباسی و بعہد سلطنت رکن الدین طغرل ثانی رحلت فرمائی مزار پرانوار زندنہ میں ہے۔

آپ بڑے عابد و زاہد تھے چودہ برس کی عمر سے اخیر عمر تک بے وضو نہیں رہے سوائے بوقت رفع حاجت کے وضو آپ کا کبھی نہیں ٹوٹا۔ سیر الاولیا میں ہے کہ آپ خلق سے کنارہ کش ہو کر چالیس برس تک جنگل و بیابان میں رہے جب بھوک کی شدت ہوتی درختوں کی پتیاں اور جنگلی پھلوں کو کھا لیتے آپ کا فقر و فاقہ طریقہ انبیأ و اولیاء کا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے وہ رتبہ مجھے حاصل ہو تو دل و جان سے کیونکر شکرانہ بجالاؤں۔ آپ فقرا کو نہایت عزیز و دوست رکھتے تھے۔ اور ان کی تعظیم و تکریم میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی خاک پائے روئے مبارک پہ ملتے اور آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے کہ خداوندا بحرمتِ فقرا و غربا و مساکین کے اس بیچارے حاجی شریف کو فقر پر استقامت عطا کر۔ شب و روز فقیروں کے ساتھ رہتے اور فرماتے کہ میں تو فقیروں کا غلام ہوں اگر وہ مجھ کو بیچ بھی ڈالیں۔ تو یہ میری عین خوشی ہوگی۔ چنانچہ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک فقیر محتاج جس کے سات لڑکیاں بالغہ تھیں حاضر خدمت ہوا۔ اور اپنی تنگی و عسرت و فقر و فاقہ کا حال معرض بیان میں لایا۔ آپ نے اس کو تسکین و تسلی دی اور فرمایا کہ بھائی صبر کرو اللہ تعالٰی صابروں کے ساتھ ہے کل تشریف لائیں یہ سنکر فقیر رخصت ہوا۔ راستہ میں ایک یہودی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ اے فقیر تیرا کیا حال ہے اس نے کہا کہ میری سات لڑکیاں قابل شادی کے ہیں۔ اُن کی فکر میں حیران و پریشان ہوں اس

وقت حضرت شیخ کی خدمت میں امیدوار استمداد ہو کر گیا تھا ارشاد ہوا کہ کل آئیو دیکھئے کیا انجام ہوتا ہے۔ یہودی نے کہا اے فقیر! شیخ تو خود فقیر اور تجھ سے بھی زیادہ مفلس ہیں۔ ان کے پاس کیا ہے جو تجھے دیں گے۔ خیر تو ان کے پاس دوبارہ واپس جا اور کہہ اگر شیخ سات برس میری غلامی کریں اور خدمت بجا لاویں تو سات ہزار دینار دینے کو حاضر ہوں۔ یہ سنکر فقیر وہاں سے لوٹا اور آپ کے پاس آکر سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے نہایت خوشی وکشادہ پیشانی سے فرمایا سبحان اللہ! اگر میری سات برس کی غلامی سے ایک بے نوا کی حاجت رفع ہو جائے تو اس سے اور کیا بہتر ہے۔ فقیر کے ساتھ یہودی کے پاس آئے اور قاضی کے پاس جا کر سات برس کے لئے خط غلامی یہودی کو لکھدیا اور سات ہزار دینار لے کر فقیر کو دے دیئے اور یہودی کی خدمت اختیار کی۔ یہودی نے کہا اے شیخ! میری خدمت یہی ہے کہ تم راتوں کو میری پاسبانی کیا کرو۔ آپ نے بسر وچشم منظور کیا، اور خدمت میں مصروف ہوئے۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اس نے سات ہزار دینار و درہم آپ کی خدمت میں بھیج دیئے کہ یہودی سے آزادی حاصل کیجئے اور باقی اپنے صرف میں لائیے آپ نے کل دینار و درہم فقراء میں تقسیم کر دیئے اور فرمایا کہ میں شرط کے خلاف نہیں کر سکتا میں نے تو یہودی سے یہ شرط کی ہے کہ سات برس اس کی غلامی کرونگا جب یہودی نے یہ بات سنی اور آپ کی استقامت دیکھی تو اس نے آپ کو بخوشی تمام آزاد کر دیا۔ اور آپکے دست حق پرست پر خود بھی مشرف باسلام ہو گیا۔

آپ کو سماع کا عشق کی حد تک شوق تھا۔ حالت سماع میں روتے اور نعرے مارتے تھے اور اکثر بیہوش ہو جاتے تھے۔ جب نماز شروع کرتے تو متعدد دفعہ تکبیر کہتے اور توڑتے یہاں تک کہ جب تک حضورِ قلب نہ ہو جاتا نماز شروع نہ کرتے اور جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچتے تو سینکڑوں مرتبہ اس لفظ کا تکرار کرتے اور تب آگے بڑھتے اور حالت نماز میں ایسے گم ہو جاتے تھے کہ دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ آپ کے بہت خلفاء تھے لیکن مشہور ترین اور خلیفۂ اعظم حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ تھے جو پیر و دستگیر اس سلسلہ عالیہ چشتیہ کے ہیں۔

تبع تابعین حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ۔ کنیت آپ کی ابی النور ہے۔ مولد و مسکن آپ کا قصبہ ہارون تھا جو ملک خراسان بنواحِ نیشاپور واقع ہے۔ آپ مُرید و خلیفہ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رضی اللہ عنہ کے تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور بہت سے بزرگانِ عظام کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ نے بتاریخ ۱۶ ارشوال ۶۱۷ھ میں بعہدِ خلافت الناصرین باللہ عباسی و بعہدِ سلطنت سلطان جلال الدین خوارزم شاہ والیٔ خراسان کے وفات پائی مزار پرانوار مکہ معظمہ میں مابین کعبہ شریف و جنت المعلیٰ کے واقع ہے۔

آپ بادشاہِ عالم مشاہدات، صاحب کشف و کرامات۔ امام العصر۔ فرید الدہر مقتدائے اوتاد اولیاء، پیشوائے اقطاب و اصفیا۔ عالم علومِ شریعت و طریقت واقف رموز۔ معرفت و حقیقت اور بہت بڑے مرتبہ کے اہلِ حال و صاحب کرامت و صاحب ارشاد تھے۔ آپ کی علو شانی ور فعت مکانی اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ پیر روشن ضمیر حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین حسن سنجری اجمیری رضی اللہ عنہ کے ہیں۔

آپ بڑے عابد و زاہد تھے ستر برس تک ریاضت شاق اور مجاہدہ سخت میں رہے۔ کبھی سیر ہو کر نہ کھانا کھایا اور نہ کبھی سیر ہو کر پانی پیا اور نہ کبھی رات بھر سوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اُن فقیروں پر جو سیر ہو کر کھاتے ہیں اور رات کو نیند بھر سوتے ہیں اور اپنے آپ کو فقیر جانتے ہیں اور خرقہ درویشوں کا پہنتے ہیں۔ آپ حافظِ قرآن تھے رات اور دن میں دو قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور آپ جب نماز پڑھتے تھے تو غیب کی آواز سنتے تھے۔ اے عثمان ہم نے تیری نماز قبول کی۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ آپ عرض کرتے خُداوندا میں تجھ سے تجھی کو مانگتا ہوں۔ پھر عرض کرتے خداوندا گنہگارانِ امت محمدیؐ کو بخش دے۔ آواز آتی ہم نے بطفیل تیرے بیس ہزار گنہگارانِ امتِ محمدیؐ کو بخش دیا۔ غرضیکہ آپ ہر روز پنج وقتہ نماز کے وقت اسی طرح سے دُعا کرتے اور اسی طرح کی بشارتیں سنتے تھے۔ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی کوئی دُعا کبھی رَد

ہوئی۔ آپ سماع بہت سنتے تھے اور حالت سماع میں اس قدر روتے اور نعرے
تے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ آپ نے مال دنیا سے کبھی واسطہ نہ رکھا اور نہ اس کی
کبھی نظر کی بقول صاحب سیر الاقطاب کے آپ کے چار خلفاء تھے اوّل حضرت
اجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رضی اللہ عنہ جن کا مزار پُرانوار اجمیر شریف مرجع
ئق ہے دوسرے حضرت سید محمد ترک نارنولی رضی اللہ عنہ اور تیسرے حضرت شیخ
ہدی لنگوجی جنکا مزار مبارک نارنولی میں ہے۔ چوتھی حضرت نجم الدین صغریٰ رضی اللہ عنہ
ن کا مزار مبارک دہلی کہنہ میں ہے رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ کی خرق عادات و کرامات
شمار ہیں جن کا اس مختصر سی کتاب میں سمانا امر محال ہے لہٰذا قارئین حضرات اسی پہ اکتفا
یں جو کچھ بطور تبرک لکھا گیا ہے۔

ع تابعین حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم مبارک خواجہ معین الدین حسن اور لقب خواجہ خواجگان و غریب نواز ہند الولی
وسلطان الہند ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۵۳۷ھ بمقام قصبہ سنجر نواح موصل ملک
عراق میں ہوئی۔ آپ نجیب الطرفین سید حسنی و حسینی ہیں اور آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ عثمان
ہارونی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔
آپ کی تاریخ وفات ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ روز دوشنبہ بوقت شب ۹۷ سال کی
عمر میں بعہد سلطنت سلطان شمس الدین التمش جو کہ آپ کے مرید اور ولی کامل تھے وفات پائی
آپ کا مزار پُرانوار اجمیر شریف (ہندوستان) میں مرجع خلائق ہے۔
آپ فقر و فنا و تجرید و تفرید، زہد و عبادت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے تمام
عمر ریاضت و مجاہدات میں بسر کی۔ ستر برس تک آپ نے شب کو استراحت نہ فرمائی
اور ستر برس تک وضو آپ کا سوائے قضائے حاجت کے نہ ٹوٹا۔ آپ ہمیشہ نماز صبح کی عشاء
کے وضو سے پڑھتے تھے۔ اور سفر ہو یا حضر ہمیشہ روزانہ دو قرآن مجید ختم کرتے ہمیشہ روزہ
سے رہتے۔ آپ اکثر حالت استغراق میں رہتے تھے۔ اور آنکھوں کو بند کئے رہتے تھے
جب نماز کا وقت ہوتا تو کھول لیتے تھے کہتے ہیں کہ اس حالت میں جس پر نظر مبارک پڑتی تھی

ولی کامل ہوجاتا تھا۔

ایک بار ایک شخص بہ نیت فاسد ایک چھری بغل میں چھپائے حاضر خدمت ہوا اور اشتیاق قدم بوسی کا ظاہر کیا آپ نے از روئے کشف اس کے ارادہ سے آگاہ ہوکر فرمایا کہ تو جس ارادہ سے آیا ہے اس کو پورا کر اور جو وعدہ کر آیا ہے اس کی تکمیل کر۔ یہ سُن کر وہ خوف سے کانپنے لگا اور عرض کیا کہ مجھے ایک شخص نے حضور کو قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا لیکن دل سے میرا ارادہ یہ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اُس شخص کا نام پوشیدہ رکھنا چاہیئے ہرگز افشا نہ کرو۔ یہ سُنکر وہ آپ کے قدموں پر گرا۔ اور عرض کرنے لگا کہ حضور مجھ سے بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہیں واجب القتل ہوں۔ آپ نے فرمایا طریقہ یہ ہے کہ جو بدی کرے اس کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے اور تو نے از خود کوئی بدی نہیں کی ہے۔ یہ فرما کر اس کا سر اُٹھایا اور اس کے واسطے دُعائے خیر فرمائی کہ وہ واصل باللہ سے ہوگیا۔

آپ کے مُرید و خلیفۂ اعظم قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ دراز تک آپ کی خدمت اقدس میں حاضر رہا۔ کبھی کسی سائل کو درِ اقدس سے محروم جاتے نہ دیکھا، اور روزانہ آپ کے مطبخ میں اس قدر کھانا پکتا تھا کہ شہر کے تمام غُربا و مساکین سیر ہوکر کھاتے تھے خادم مطبخ خرچ کے لئے دست بستہ کھڑا ہوکر عرض کرتا آپ مُصلّے کا گوشہ اُٹھا کر فرماتے کہ جس قدر آج خرچ کے واسطے درکار ہے لے لو۔ وہ موافق خرچ کے لے لیتا اور کھانا تیار کرکے فقرا و مساکین کو تقسیم کرتا۔

آپ کو سماع کا بہت شوق تھا کبھی محفل عالی سماع سے خالی نہیں رہتی تھی آپ اکثر حالتِ وجد میں بے ہوش ہوجایا کرتے تھے۔ اکثر علماء و فضلاء و مشائخ آپ کی محفل سماع میں شریک ہوتے تھے۔ جو شخص آپ کی مجلس عالی میں ایک بار بھی سماع سنتا صاحب ذوق و شوق ہوجاتا۔ کبھی کوئی آپ کی سماع پر معترض نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر علماء و فضلا واسطے کسب فیوض کے حاضر مجلس ہوتے۔ اور آپ کی حضوری کو سعادت جانتے۔

فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ہر سال اجمیر شریف سے واسطے زیارتِ خانہ کعبہ کے تشریف لے جاتے تھے

م آپ کا کمالیت کو پہنچا تو بظاہر اپنے حجرہ میں معتکف رہتے تھے۔ لیکن
حج کو جاتے تھے۔ آپ کو طوائف کعبہ میں مشغول پاتے تھے آخر معلوم ہوا
ہر رات کو کعبہ شریف میں ہوتے ہیں اور ہنوز صبح نہیں ہوتی کہ واپس آکر
اپنی جماعت خانہ میں ادا کرتے ہیں تعظیم اپنے پیر دستگیر کی آپ کے دل میں
متمکن تھی کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے
سبت سلوک کے کچھ ارشادات فرما رہے تھے لیکن جب داہنی طرف نظر پڑتی تھی
کھڑے ہوتے حاضرین متحیر تھے کہ بار بار اُٹھ کر کس کی تعظیم کرتے ہیں جب اس
بات پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس طرف مرقد مبارک حضرت پیر دستگیر کا ہے جب
طرف دیکھتا ہوں تو مجھ کو نظر آجاتا ہے۔ اس لئے تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔
قطب الاقطاب دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ
فوائد تمام کئے تو چشم پُر آب ہو کر فرمایا کہ اے درویش! مجھے اس مقام پر اس
لائے تھے کہ میرا مدفن اسی مقام میں ہوگا۔ اب میرے سفر آخرت کو چند روز باقی رہ
ہیں۔ اور شیخ علی سنجری کو فرمایا کہ فرمان تحریر کرو کہ میں نے خلافت وسجادگی قطب الدینؒ
فرمائی دہلی اس کا مقام ہے۔ جب فرمان تیار ہو گیا تو دعاگو کو فرمایا نزدیک آ۔
نزدیک ہو گیا تو دستار مبارک وکلاہ مبارک دعاگو کے سر پر رکھی اور خرقہ دعاگو
پہنایا اور عصا مبارک حضرت عثمان ہارونیؒ کا اور مصحف ومصلا اور نعلین مبارک
کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ امانت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہے کہ ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہ سے ہم کو پہنچی تھیں میں اس کو تیرے حوالے
کرتا ہوں اور جیسا کہ اس کا حق میں بجا لایا ہوں تجھ کو بھی لازم ہے کہ ویسا ہی حق
اس کا بجا لائے تا کہ مجھے فردائے قیامت میں درمیان حضرات خواجگان چشت کے
شرمندگی نہ ہو۔ پھر دعاگو کا ہاتھ پکڑا اور روئے مبارک آسمان کی طرف کر کے فرمایا
کہ میں نے تجھے حق تعالیٰ کے سپرد کیا اور منزل گاہ عزت پر پہنچایا۔ پھر آپ نے فاتحہ
پڑھی اور فرمایا کہ جاؤ خدا تمہارا حامی وناصر ہے جہاں رہو مرد حق بن کر رہو۔ میں
رخصت ہو کر دہلی آیا اور سکونت پذیر ہوا۔ چالیس روز گزرے تھے کہ ایک شخص اجمیر
شریف سے آیا اس نے بیان کیا کہ آپ کے آنے سے بیس روز بعد حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ

حق سے واصل ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

منقول ہے کہ آپ نے چھ رجب کو بعد نمازِ عشا کے دروازہ حجرہ اور خدام کو اندر آنے کی ممانعت فرمائی۔ خدام باہر حجرہ کے موجود رہے صدائے وجد کانوں میں آتی رہی آخر شب میں وہ صدا بند ہوگئی رجب کا ہوا، اور دروازہ حجرے کا نہ کھلا تو خدام نے دستکیں دیں مگر کچھ جواب دروازہ توڑ کر دیکھا تو آپ واصلِ حق ہو چکے تھے اور جبین مبارک پر بخطِ تھا۔ " ھٰذا حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ۔ یہ بھی منقول کہ شب چند اولیاء اللہ نے حضور پر نور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ دوست حق تعالےٰ ہم اس کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔ آپ کی تمام حیاتِ طیبہ سر تھی جس کا اس مختصر سی تصنیف میں اظہار کرنا مشکل ہے لہٰذا ناظرین کرام میں ان کے چند کلماتِ طیبہ بطور تبرک پیش ہیں۔

کلماتِ طیّبات

۱۔ مُرید کو چاہیئے کہ ایک ذرہ بھر پیر کے فرمان سے متجاوز نہ ہو اور جو نسبت وِرد وظائف شغل اشغال کے فرماوے اس کو گوشِ ہوش اور اُس کی پوری تکمیل کرے تاکہ مقام قرب کو پہنچے پیر مشاطہ مرید لئے پیر کی ترغیب مرید کے کمالیت حال کے لئے ہوتی ہے۔

۲۔ تصوف نہ رسوم ہے نہ علوم۔ تصوف تو سرتا سر اخلاق ہی اخلاق ہے باخلاق اللّٰہ۔

۳۔ جس کسی نے اپنے پیر کی حسب ہدایت کوئی ورد یا وظیفہ مقرر کہ اس کو روزانہ پڑھے اگر کسی سبب سے دن کو نہ پڑھ سکے تو رات پڑھے ضرور اس لئے کہ حدیث میں ہے " تارك الورد ملعون

۴۔ جو شخص کہ دوزخ و ہولِ قیامت سے محفوظ رہنا چاہے اس کو چاہیئے کہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت بجالاوے جو حق تعالےٰ کے نزدیک تمام اطاعت

ہو۔ حضرت قطب الاقطاب نے عرض کیا کہ وہ کون سی طاعت ہے؟ فرمایا کہ فریاد کو پہنچنا ناداروں کی حاجت روائی کرنا۔ بھوکوں کا پیٹ بھرنا جس نے پائی سخاوت سے پائی۔ اس راہ میں دو چیزوں سے استقامت ہے ایک ادب دوسرے تعظیم حق۔

ایک دریائے محیط ہے اور معرفت اس کا سرچشمہ پس کجا مولا و کجا بندہ۔ خدا کے واسطے ہے اور معرفت بندہ کی واسطے دنیا میں دو باتوں سے خوشتر کی بات نہیں اوّل صحبت فقراء دوئم حرمت اولیاء کرام۔

ہمارے خواجگان چشت قدس اللہ ارواحہم نے چودہ مقامات اختیار کئے ہیں اور ان کو اپنا دستور العمل بنایا ہے اور اس پر عمل کر کے منزل قرب و کمال کو پہنچے ہیں۔ اوّل مقام تائباں کہ اشارہ حضرت آدم علیہ السّلام کے مقام کی طرف ہے دوئم مقام عابداں کہ مقام حضرت ادریس علیہ السّلام کا ہے۔ سوم مقام زاہداں کہ مقام حضرت مسیح علیہ السّلام کا ہے چہارم مقام راضیاں کہ مقام حضرت ایوب علیہ السّلام کا ہے پنجم مقام قانعاں کہ مقام حضرت یعقوب علیہ السّلام کا ہے ششم مقام مجاہداں کہ مقام حضرت یونس علیہ السّلام کا ہے ہفتم مقام صدیقاں کہ مقام حضرت یوسف علیہ السّلام کا ہے ہشتم مقام متفکراں کہ مقام حضرت شعیب علیہ السّلام کا ہے۔ نہم مقام مسترشداں کہ مقام حضرت شیث علیہ السّلام کا ہے دہم مقام صالحان کہ مقام حضرت داؤد علیہ السّلام کا ہے۔ یازدہم مقام مخلصان کہ مقام حضرت نوح علیہ السّلام کا ہے۔ دوازدہم مقامِ عارفاں کہ مقام حضرت خضر علیہ السّلام کا ہے۔ سیزدہم مقامِ شاکراں کہ مقام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ہے۔ چہاردہم۔ مقام محبّان کہ مقام محبوب ربّ العالمین حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ہے۔

اہل طریقت کے لئے دس شرطیں لازم ہیں۔ اوّل طلبِ مُرشد، دوم طلب حق۔ سوم طلبِ ادب، چہارم ادب، پنجم۔ محبت و ترک معصیت۔ ششم تقویٰ۔ ہفتم، استقامت شریعت۔ ہشتم کم کھانا و کم سونا۔ نہم عزلت اختیار کرنا خلق سے دہم و ترکِ معصیت۔ ششم تقویٰ۔ ہفتم۔ استقامت شریعت۔ ہشتم کم کھانا و

کم سونا۔ نہم۔ عزلت اختیار کرنا خلق سے۔ دہم روزہ و نماز پر استقامت
۸۔ اہل حقیقت کے لئے بھی دس شرطیں لازم ہیں۔ اول یہ کہ معرفت
خدا رسیدہ ہو۔ دوم، یہ کہ نہ کسی سے رنجیدہ ہو اور نہ کسی کو رنجیدہ
کسی کی بدی کا خیال دل میں لائے۔ سوم یہ کہ حق تعالیٰ کی راہ دکھا
ایسی ہدایت کرے جس میں فائدہ دنیا و آخرت کا مرتب ہو۔ چہارم،
اخلاق حسنہ۔ ششم، ہر شخص کو عزیز و محترم جانے اور اپنے کو س
اور حقیر جانے۔ ہفتم، تسلیم و رضا۔ ہشتم، صبر و تحمل ہر ایک درد
سوز و گداز و عجز و نیاز۔ دہم، قناعت و توکل۔
۹۔ عرفا مثل آفتاب کے ہیں کہ تمام عالم پر نور سے تمام عالم روشن
کامل کی وہ نظر ہوتی ہے کہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے اس کو معائنہ کرتا
۱۰۔ عارف کے لئے تین ارکان ہیں۔ اول ہیبت دوم، تعظیم، سوم حیا
ہے منفعل اپنی تقصیرات سے رہے تعظیم یہ ہے۔ ہمیشہ طاعت میں
حیا یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے غیر پر نظر نہ ڈالے۔

ازواج و اولاد کرام

حضرت خواجہ غریب نواز کی دو ازواج مطہرات تھیں۔ بی بی عصمت
امۃ اللہ۔ بی بی عصمت دختر نیک اختر حضرت سید وجیح الدین مشہدی
حضرت سید میراں حسین خنگ سوار شہید علیہ الرحمۃ کی تھیں۔ جن کو حضرت
وجیح الدین نے بحکم بشارت حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ کے
نکاح میں دیا تھا۔ اور بی بی امۃ اللہ ایک راجہ حوالی اجمیر کی صاحبزادی
دونوں بیبیوں سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ ایک صاحبزادے
نام سید فخر الدینؒ دوسرے کا نام حضرت سید ضیا الدینؒ ابو سعید اور تیسرے
صاحبزادے کا نام حضرت سید حسام الدینؒ اور صاحبزادی کا اسم گرامی بی بی
تھا۔ حضرت سید حسام الدین ابدال ہو کر غائب ہو گئے۔ حضرت سید فخر الدین
۶۶۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ سرواڑ میں ہے جو اجمیر شریف

...دس کے فاصلے پر ہے۔آپ پیشہ زراعت کا کرتے تھے۔ الحمدللہ کہ ان کی اولاد
...قت موجود اور عہدہ سجادگی اجمیر شریف پر ہے اور حضرت سید ضیاالدینؒ تا دمِ آخر
...شریف ہی میں رہے مزار مبارک ان کا مزار شریف برلب جھالرہ چبوترہ موصوف بسایہ
...ت پر ہے۔ ان سے بھی دو صاحبزادے ہوئے تھے لیکن اُن کا نام و مزار کسی کو معلوم
...ں، اور حضرت بی بی حافظ جمال سے بھی دو صاحبزادے ہوئے تھے لیکن دونوں
...حالت طفولیت میں رحلت فرمائی یہ بی بی اپنے والد بزرگوار کی بہت ہی پیاری
...بڑی عابدہ وزاہدہ بیٹی تھیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ رابعہ وقت تھیں ان کا مزار مبارک
...ی پائیں مزار مبارک حضور غریب نوازؒ اجمیر شریف میں واقع ہے۔

...ضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نجیب الطرفین سید ہیں اور مرید و خلیفہ اعظم حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ آپ نے تاریخ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ شب دوشنبہ کو بعہد سلطنت سلطان شمس الدین التمش انار اللہ برہانہ کے وقت وفات پائی اور روایت صحیح ہے آپ کی عمر سو سال سے زائد ثابت ہوتی ہے۔ اور آپ کا مزار پرُ انوار دہلی کہنہ مہرولی میں واقع ہے۔

آپ قطب الاقطاب۔ منبع اسرار۔ مطلع انوار۔ شمع عالم۔ جامع فضل و کمالات صاحب کشف و کرامات اکابر اولیا، مقتدائے اصفیاء اور "لی مع اللہ" کے شغل کے ساتھ مخصوص اور ترک و تجرید کے ساتھ موصوف تھے اور مستجاب الدعوات ایسے تھے کہ جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے وہ ہوتا۔ جو آپ کی صحبت کیمیا خاصیت میں رہتا اور نظر قبول کو پہنچتا صاحب ولایت ہو جاتا۔ شیخ نور بخش۔ سلسلۃ الذہب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اولیائے سالکین اور برگزیدہ مرتاضین و مجاہدین سے تھے خلوت و گوشہ نشینی آپ کی عادت تھی۔ کم کھاتے۔ کم بولتے اور کم سوتے تھے اور ہمیشہ پوشیدہ ذکر کرتے اور اپنے حالات کے چھپانے میں کوشاں رہتے، آپ فرماتے تھے کہ اہل سلوک کی کمالیت چار چیزوں میں ہے۔

(۱) کم کھانے میں (۲) کم بولنے میں (۳) کم سونے میں (۴) خلقت سے کم ملنے میں۔

اسرار اولیاء میں حضرت بابا فرید گنج شکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ بیس برس تک عالم توکل میں رہے اور خلقت سے عزلت اختیار کئے رہے جب باورچی میں لنگر کی ضرورت ہوتی تو خادم حاضر ہو کر زمین بوس ہوتا اور درویشوں کے طعام کی عرض کرتا۔ آپ خانقاہ کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ فرما دیتے جس قدر غلہ روپے وغیرہ کی ضرورت ہوتی خادم وہاں سے لے جاتا اور درویشوں کو کھلاتا لیکن جب صوفیوں کو حلوے کی ضرورت ہوتی تو خادم آکر عرض کرتا۔ آپ مصلّے کے نیچے ہاتھ لے جاتے اور دینار سرخ دے دیتے جو صبح و شام کے لئے کافی ہوتا۔ کبھی کوئی مسافر آپ کے دروازے سے خالی نہیں گیا نہ آپ کے طعام خانہ میں کبھی کوئی کمی ہوئی۔

فوائد الفواد میں مرقوم ہے کہ آپ نے زہد و ریاضت کے چھپانے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے اور اپنے حال کو خلقت سے ہمیشہ چھپاتے تھے بلکہ مریدوں طالبوں کو بھی دکھاوے کی عبادت اور ریاکاری سے ہمیشہ سختی سے منع فرمایا کرتے تھے۔

سیر الاولیاء وغیرہ میں ہے آپ کا معمول تھا کہ تین ہزار بار درود شریف ہر رات پڑھتے تھے اور درود شریف یہ ہے "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِیِّكَ وَحَبِیْبِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔"

اتفاقاً آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے ارادہ سفر سے واقف ہو کر ایک دختر حسینہ و جمیلہ کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔ آپ بمقتضائے بشریت ان کی صحبت و رفاقت میں مشغول رہے اور تین رات ورد درود شریف کا آپ سے فوت ہو گیا۔ ایک بزرگ رئیس احمد آپ کے ارادت مند تھے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت رفیع الشان محل ہے جس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے ایک نورانی صورت اس محل میں جاتے ہیں اور لوگوں کا پیغام پہنچاتے اور جواب لاتے۔ رئیس احمد نے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور یہ محل کس عالی مرتبت ہستی کا ہے۔ جواب ملا کہ اس محل کے اندر حضور پرنور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور یہ بزرگ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سنکر رئیس احمد آگے بڑھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میری التماس حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچا دیجئے کہ فلاں شخص حضور کے

دیدار فائض الانوار کا متمنی و مشتاق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ محل میں تشریف لے گئے اور لامع النورؓ سے جواب لائے کہ ابھی تجھ میں ہمارے دیکھنے کی قابلیت و لیاقت نہیں لیکن تو ہمارا سلام قطب الدین بختیار اوشی کو پہنچانا اور کہنا کہ وہ تحفہ جو تو مجھے ہر رات کو بھیجا کرتا تھا۔ کیا سبب ہے کہ تین رات سے نہیں پہنچا۔ جب صبح ہوئی رئیس احمد صاحب نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ آپ کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام بھیجا ہے۔ آپ حضورؐ کا نام سنتے ہی تعظیماً کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضورؐ نے کیا فرمایا ہے۔ رئیس احمد نے عرض کیا کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم جو تحفہ ہر رات کو ہمیں بھیجا کرتے تھے وہ تین راتوں سے نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا بے شک میں تین رات وظیفۂ زوجیت میں مشغول رہا اور تحفۂ درود شریف کا مجھ سے فوت ہو گیا۔ پس آپ نے اسی وقت بیوی کو طلب کیا اور مہر واجب الادا وطلاق دے کر رخصت کیا اور بدستور درود وظائف میں مشغول ہوئے۔ آپ حافظِ قرآن تھے دن رات میں دو مرتبہ ختمِ قرآن کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں تھا ایک روز ہانسی روانہ ہونے کے قصد سے اُٹھا آپ نے آبدیدہ ہو کر میری طرف دیکھا اور فرمایا اے مولانا فریدالدین میں جانتا ہوں کہ تم ہانسی جاؤ گے میں نے عرض کیا کہ میں تابع فرمان ہوں۔ جیسی حضور کی مرضی۔ فرمایا جاؤ قلم قدرت چل چکا ہے کہ تم میرے سفرِ آخرت کے وقت یہاں موجود نہ ہو گے اس کے بعد آپ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آؤ سب مل کر اس درویش کو مزید نعمت دین و دُنیا اور فقر کے لئے سورہ فاتحہ اور اخلاص پڑھیں پس سب نے سورہ فاتحہ اور اخلاص پڑھی پھر آپ نے اِس درویش کو مصلےٰ اور عصا عنایت کیا اور فرمایا کہ میں تمہاری امانت یعنی سجادہ و خرقہ اور دستار و نعلین قاضی حمیدالدین ناگوری کو دے جاؤں گا تم میری وفات کے پانچویں روز یہاں پھر آؤ گے وہ تمہاری امانت تم کو پہنچا دیں گے۔ تم ان کو ادب کے ساتھ اپنے پاس رکھنا یہ میرا مقام عین تمہارا مقام ہے۔ جب آپ نے یہ فرمایا تو تمام حاضرین مجلس رونے لگے اور مجلس میں ایک شور ماتم برپا ہو گیا۔ سب نے حضرت بابا صاحب کے حق میں دعائے خیر کی۔

۱۰ ربیع الاوّل کو حضرت شیخ علی سنجری علیہ الرحمۃ کی خانقاہ میں مجلس سماع تھی آپ اور تمام بزرگانِ دہلی حاضر مجلس تھے۔ قوالوں نے قصیدہ حضرت احمد جام کا گانا شروع کیا جب اس بیت کو گایا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

تو آپ کو حالت وجد پیدا ہوئی اور غلبہ ذوق شوق میں بے ہوش ہو گئے اور نوبت نزاع کی پہنچی۔ اسی حالت میں قاضی حمید الدین ناگوری وغیرہ معہ قوالوں کے مکان پر آئے اور قوالی ہوتی رہی۔ آپ کو جب ہوش آتا اسی بیت کے تکرار کا حکم فرماتے، اور پھر عالم تحیّر میں محو ہو جاتے۔ اور یہی کیفیت چار شبانہ روز رہی۔ صرف نماز کے وقت ہوش میں آتے تھے اور نماز ادا کرنے کے بعد پھر وہی کیفیت ہو جاتی تھی۔ جب قوال مصرعہ اوّل کہتے تھے تو روحِ مبارک قالب سے جدا ہو جاتی تھی اور مصرعہ ثانی کے وقت پلٹ آتی تھی۔ آخر پانچویں شب مصرعہ اوّل کے وقت آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اعلیٰ علییّن کو تشریف لے گئے۔

سیر الاقطاب میں ہے جب آپ نے رحلت فرمائی سارے شہر میں ایک شورِ ماتم برپا ہو گیا۔ اور جب جنازہ تیار ہُوا تو حضرت سلطان شمس الدین انار اللہ برہانہٗ اور تمام مشائخ کبار، خلفاء، فقراء و خوانین و خواص و عوام دہلی جمع ہوئے اس وقت خواجہ ابو سعید نے بآوازِ بلند فرمایا کہ حضرت قطب الدین علیہ الرحمۃ نے وصیّت فرمائی کہ میرے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام نہ کیا اور جس سے سُنّتِ عصر و تکبیرِ اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو یہ سُنکر سب متحیّر ہوئے اور حضرت ظل الرحمٰن دیر تک چُپ چاپ کھڑے دائیں بائیں دیکھتے رہے کہ کون شخص آگے بڑھتا ہے لیکن کسی نے پیشقدمی نہ کی۔ ناچار حضرت سلطان علیہ الرحمۃ نے آگے بڑھ کر امامت فرمائی اور فرمایا کہ مجھے ہرگز منظور نہ تھا کہ کسی کو میرے حال سے آگاہی ہوتی لیکن مَیں نے حضرت قطب صاحب علیہ الرحمۃ کی مرضی و ارشاد کو بجا لانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا بعد ازاں ایک طرف خود جنازہ کو کاندھا دیا۔ تین اطراف سے دوسرے اولیاء اللہ اور اکابر نے اٹھایا اور جائے مزار مبارک تک لے گئے اور سپردِ آغوشِ زمین کیا۔

حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

آپ خاندان سے فرخ شاہ بادشاہ کابل اور اولادِ امجاد سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے تھے۔ آپ مرید و خلیفہ اعظم حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رضی اللہ عنہ کے تھے اور حضرت خواجہ بزرگ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ سے بھی فیض پایا تھا۔ آپ غرہ رمضان المبارک ۵۶۹ھ شب سہ شنبہ کو پیدا ہوئے اور ایک سو برس چار مہینے اور پانچ روز کی عمر پاکر ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ سہ شنبہ کو بعہد سلطنت غیاث الدین بلبن کے وفات پائی۔ مزار پر انوار قصبہ اجودھن عرف پاک پٹن شریف پنجاب میں ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ آپ خاندان فرخ شاہ کابل سے تھے لیکن حوادث روزگار سے سلطنت کابل کو زوال پہنچا تو آپ کے جدِ امجد شیخ شعیبؒ اپنے تین فرزندوں شیخ جمال الدینؒ یعنی آپ کے والد ماجد اور شیخ احمدؒ و شیخ سعدؒ حاجی اور تمام خویش و اقارب کو ہمراہ لے کر لاہور میں تشریف لائے اور قصبہ قصور میں نزول فرمایا۔ وہاں کے قاضی نے جو آپ کے خاندان کی عظمت بزرگی کا شہرہ سنے ہوئے تھا۔ ان بزرگوں کی تعظیم و تکریم و مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اور ان بزرگواروں کے علم و حلم و خاندانی عظمت و بزرگی کی کیفیت بادشاہ وقت کے پاس لکھ بھیجی۔ بادشاہ نے ایک فرمان نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ ان بزرگوں کی خدمت میں روانہ کیا اور اس میں لکھا کہ دینی یا دنیاوی تعلقات سے جو تعلق پسند خاطر آپ لوگوں کے ہو اس کو اختیار فرما دیں۔ شیخ شعیبؒ نے فرمایا کہ ہمیں اب کوئی شغل دنیاوی مطلوب نہیں کیونکہ جو چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہم اس کے درپے نہیں ہوتے لیکن بعد اسکے معزز و ممتاز منصب قضا کھتوال کا جو اب چاولی مشائخ کے نام سے مشہور ہے قاضی شعیبؒ کو تفویض ہوا۔

الغرض بعد سکونت پذیر ہونے قصبہ کھتوال کے آپ کے والد ماجد کی شادی بی بی قرسم خاتون کے ساتھ ہوئی جو دختر نیک اختر مولانا وجیہہ الدین خجندی کی تھیں جو اولادِ امجاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے تھے۔ اس عفیفہ دوران ولیۂ وقت کے تین صاحبزادے بڑے اعز الدین محمود منجھلے حضرت بابا فرید الدین مسعود اور چھوٹے حضرت نجیب الدین متوکل اور ایک صاحبزادی بی بی جمیلہ خاتون مادرِ مشفق حضرت مخدوم علی احمد صابر رضی اللہ عنہم کے پیدا ہوئیں۔ حضرت بابا صاحب مادر زاد ولی تھے

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ماہ رمضان المبارک کی پہلی شب میں پیدا ہوئے کہتے ہیں کہ اُس روز بوجہ ابر کے چاند نظر نہ آسکا۔ لوگ آپ کے والد ماجد کے پاس جمع ہوئے اور روزہ رکھنے کی نسبت حکم چاہا۔ اس وقت ایک بزرگ اولیاء اللہ سے آپ کی تہنیت ولادت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ مولود مسعود قطب الاولیا ہے اگر اس نے دُودھ نہ پیا تو روزہ ہے۔ پس دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ نے دُودھ نہیں پیا۔ لہٰذا سب نے روزہ رکھا۔ اور آپ نے تمام رمضان میں دن کو دُودھ نہ پیا۔ جب رات ہوتی تو نوش فرماتے۔ کہتے ہیں کہ ایام طفولیت میں آپ کو شیرینی سے بہت ذوق تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ مصری کے ٹکڑے مُصلے کے نیچے رکھدیا کرتی تھیں۔ آپ لے کر تناول فرماتے تھے۔ ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ مصری کے ٹکڑے رکھنا بھُول گئیں مگر جب آپ نے حسبِ معمول مُصلے کے نیچے ہاتھ ڈالا تو بہت ڈلیاں مصری کی نکلیں۔ اس بات سے آپ کی والدہ ماجدہ نے واقف ہوکر فرمایا کہ اے نورِ دیدہ! تو ضائع نہ ہوگا اور مثل شکر کے شیریں رہے گا۔ اس روز سے آپ گنج شکر کے خطاب سے مشہور ہیں۔ گنج شکر ہونے کے بارے میں اور بھی اکثر روایات ہیں لیکن بوجہ طوالت اسی پہ اکتفا کرتا ہوں۔

منقول ہے کہ آپ کے ایامِ طفولیت میں ہی آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ جب آپ چار برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ آپ کی ذہانت وجودت طبع اس درجہ کی تھی۔ کہ آپ نے تھوڑی مدت میں قرآن مجید تمام وکمال حفظ کرلیا۔ اور اکثر علوم دینی تحصیل فرمائے پھر واسطے مزید تعلیم کے عازم ملتان ہوئے۔ کیونکہ اُس وقت ملتان علوم فنون کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ اور بڑے بڑے مشاہیر علما اور بے نظیر فقہا وہاں موجود تھے۔ آپ ملتان پہنچ کر حضرت بہاؤالدین زکریا رضی اللہ عنہ سے ملے جو رشتہ میں آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور اس وقت حالت طالب علمی میں تھے اور مسجد مولانا منہاج الدین میں قیام فرماکر تحصیلِ علوم میں مشغول ہوئے۔ سوائے تحصیلِ علوم اور عبادت وریاضت کے آپ کا کوئی شغل نہ تھا۔ روزانہ ایک ختمِ قرآن فرمایا کرتے تھے منقول ہے جس زمانہ میں آپ کتاب نافع جو فقہ میں ہے مولانا منہاج الدین سے پڑھتے تھے۔ ایک روز حضرت قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ اس مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ جیسے ہی آپ کی نظر قطب صاحب کے

رُوئے مبارک پر پڑی، بیتاب ہو گئے اور فوراً تعظیم و تکریم بجا لائے مؤدب ہو بیٹھے جب حضرت قطب صاحب دوگانہ تحیت مسجد سے فارغ ہوتے تو آپ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے لڑکے تم کیا پڑھتے ہو؟ آپ نے عرض کیا کتاب نافع۔ حضرت قطب صاحب نے فرمایا انشاء اللہ تم کو نافع سے نفع ہوگا۔ اس کلام معجز بیان سے آپ کے دل کو فرحت حاصل ہوئی آپ نے لجاجت آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ خادم کو حضور کی خدمت اور سعادت بخش نظر سے نفع ہوگا۔ اور بیتابانہ و قطریانہ جوش کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور سر نیاز حضرت قطب صاحب کے پائے مبارک پر رکھ کر غلامی اس شہنشاہ حقیقت کی اختیار کی، اور ہمراہ قطب صاحب کے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچ کر تاریخ ۵ رمضان المبارک ۵۸۴ھ روز دوشنبہ کو شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور ایک حجرہ میں آپ کو قیام کی اجازت ملی۔ اور آپ اس میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے۔ منقول ہے کہ جب خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ اجمیر شریف سے دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کی خانقاہ میں فروکش ہوئے تو حضرت قطب صاحب نے اپنے خلفاء کو پیر دستگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ سب نے موافق اپنی لیاقت و ظرف کے نعمت پائی بعد ازاں خواجہ بزرگ نے پوچھا کہ بابا قطب الدین تمہارے مریدوں میں سے کوئی اور بھی باقی ہے۔ حضرت قطب صاحب نے عرض کیا کہ مسعود نام کا ایک فقیر چلہ میں بیٹھا ہوا ہے اور کچھ کیفیت بھی آپ کی بیان کی یہ سُنکر خواجہ بزرگ اُٹھے اور حضرت قطب صاحب کو ہمراہ لے کر آپ کے حجرہ پر تشریف لائے اور حجرہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ آپ بسبب ضعف کے تعظیم کو کھڑے نہ ہو سکے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور زمین پر سر رکھ دیا۔ خواجہ بزرگ نے یہ حال دیکھ کر از راہ ترحم فرمایا کہ بابا بختیار تو اس نوجوان کو مجاہدے کی آگ میں کب تک جلائے گا کچھ بخشش کر حضرت قطب الدین صاحب نے فرمایا کہ میری کیا مجال کہ آپ کے ہوتے ہوئے بخشش کر سکوں۔ یہ سُن کر حضرت خواجہ بزرگ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بابا بختیار تو بھی کھڑا ہو جب ہم دونوں مل کر بخشش کریں۔ جانب راست حضرت خواجہ بزرگ کھڑے ہوئے اور جانب چپ حضرت قطب صاحب اور درمیان میں آپ کو کھڑا کر لیا، اور برکتیں اور نعمتیں بے پایاں بخشش کیں اور اسم اعظم جو سینہ بسینہ چلا آتا تھا تلقین فرمایا۔ صاحب سیر الاولیاء نے

کیا خوب فرمایا ہے۔ قطعہ

بخشش کونین ازین شد دریاب تو — پادشاہی با فتی زیں بادشاہانِ جہاں
مملکتِ دنیا و دین گشتہ مسلم مر ترا — عالمِ کن گشت اقطاع تو اے شاہِ جہاں

بعد اس کے حضرت قطب صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بابا بختیار تیرے بخت بڑے یاور ہیں کہ تو نے ایسے شاہباز کو اپنا اسیرِ دام کیا کہ جو سوائے سدرۃ المنتہیٰ کے اپنا آشیانہ نہ بنائے گا۔ یہ وہ شمعِ عالم افروز ہے کہ جس سے خاندانِ چشت اہلِ بہشت کا نام روشن و منور ہو گا۔

کلماتِ طیبات

۱۔ زہے سعادت مرید کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سُنے اُس کو لکھے بقدر ہر حرف کے حق تعالیٰ ثواب ہزار سالہ اس کے نامۂ اعمال میں ثبت فرما دیگا اور اس کی جگہ علیین ہو گی۔

۲۔ صاحبِ طریقت اور مشائخ کبار کے نزدیک زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔ زکوٰۃِ شریعت، زکوٰۃِ طریقت اور زکوٰۃِ حقیقت۔ زکوٰۃِ شریعت سو درہم پر اڑھائی درہم زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃِ طریقت یہ ہے کہ سو درہم پر اڑھائی درہم اپنے پاس رکھے باقی راہِ خدا میں دے۔ نیز زکوٰۃِ حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھے سب کچھ راہِ خدا میں دے دے۔

۳۔ درویش میں چار باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل آنکھ کو اندھا بنانا۔ تاکہ عیب کسی کا نہ دیکھے۔ دوم، کان کو بہرہ کرنا تاکہ کوئی بات ناشنیدنی نہ سُنے۔ سوم، زبان کو گونگا بنانا، تاکہ کوئی بات ناگفتنی نہ کہے۔ چہارم پاؤں کو لنگڑا بنانا تاکہ کسی جائے نارفتنی میں نہ جائے۔

۴۔ حضرت مولانا بدرالدین اسحاق نے پوچھا کہ اسراف کیا ہے اور حدِ اسراف کیا ہے۔ فرمایا اگر تھوڑی چیز بھی بے نیت دی جائے اور واسطے حق تعالیٰ کے نہ ہو یہ اسراف ہے اور اگر تمام اثاثہ حق تعالیٰ کی رضا میں دے دیا جائے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

۵۔ علم تمام عبادتوں سے فاضلتر ہے نزدیک حق تعالیٰ کے علم کا وہ درجہ ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو سارے کاموں اور عبادتوں سے باز رہیں اور علم میں مشغول ہو جائیں۔ اس لیئے کہ علم وہ سحاب مکرمت ہے کہ اس سے سوائے بارانِ رحمتِ حق کے اور کچھ نہیں برستا۔ علم کی دو قسم ہیں، ایک مطلق کہ علم نبویؐ ہے دوسرا اسماری کہ وحی ہے جو حق تعالےٰ سے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچا اور اُن سے ہم تک۔

۶۔ فقراء اہلِ عشق ہیں اور علماء اہلِ عقل پس درمیان اُن کے ضد ہے۔ باکار وہ لوگ ہیں جن میں یہ دونوں صفتیں موجود ہوں۔

۷۔ جو اسرار درویش پہ عالمِ تجلّی سے نازل ہوں اس کا اظہار نہ کرے جو اسرار ظاہر کرتا ہے وہ لائق اسرار کے نہیں رہتا۔

۸۔ رحمت تین وقتوں میں نازل ہوتی ہے۔ اوّل سماع کے وقت اہلِ سماع اور اس کے اصحاب پہ، دوم درویشوں کی سوانح حیات لکھتے یا پڑھتے وقت، سوم عاشقوں کے دلوں پر انوارِ تجلّیِ حق نازل ہوتے اور ضبط کرتے وقت۔

۹۔ صوفی وہ ہے کہ اس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی قبول کریں اور خود اُس کو کوئی چیز مکدّر نہ کرسکے۔

۱۰۔ میرے پیر دستگیر حضرت قطب السلام رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ فریدؒ تجھے حق تعالےٰ نے وہ رُتبہ عالی عطا فرمایا ہے کہ جس نے تیرا ہاتھ یا تیرے مریدوں کا ہاتھ یا تیرے فرزندوں کا ہاتھ پکڑا ہوگا اس پہ آتشِ دوزخ حرام ہے اور اس کی جگہ بہشت ہے۔

۱۱۔ عُلماء اشرفُ النّاس ہیں اور فقراء اشراف الاشراف۔ فقیر درمیان عُلماء کے ایسا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند درمیان ستاروں کے۔

حضرت تاج الاولیا مخدُوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ

نام نامی آپ کا علی احمد اور لقب گرامی علاؤالدین و مخدوم و صابر ہے آپ سادات صحیح النسب حُسینی سے تھے سلسلہ نسب آپ کا یہ ہے حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ

بن سیّد محمد بن سیّد عبد اللہ بن سیّد فتح اللہ بن سیّد نور محمد بن سیّد امجد بن غیاث الدین بن سیّد بہاؤ الدین بن سید داؤد بن سیّد تاج الدین بن سیّد محمد بن سید علی بن سید ضیاء الدین بن سید اسمٰعیل بن حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت سید الشہداء امام حسین علیہم السلام، اور جو بعضوں نے آپ کو اولاد امجاد سے حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بیان کیا ہے۔ اور آپ کے والد ماجد کا نام شاہ عبد الرحیم عبد السلام بن حضرت سید سیف الدین بن حضرت سید عبد الوہاب بن حضرت محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ لکھا ہے، اہل تحقیق کے نزدیک صحیح نہیں۔ آپ مرید و خلیفہ اور ہمشیر زادہ و داماد حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کے تھے۔ آپ نے بتاریخ ۱۳ ربیع الاول سنہ ۶۹۰ھ بعہد سلطنت سلطان جلال الدین خلجی کے وفات پائی مزار پُر انوار پیران کلیر شریف ضلع سہارن پور میں ہے۔

آپ پیر طریقت واقفِ حقیقت، عارف کامل و عالم و عامل، فرید دہر، وحید عصر صاحب کشف و کرامات، ماحیٔ بدعات و سیآت اور غوث وقت و قطب زمان تھے اور مقامِ جلالت اس درجہ کا تھا کہ غایتِ عظمت و ہیبت کے کوئی آپ کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ آپ سے جلالی تصرفات و کشف و کرامات جس قدر وقوع میں آئے ہیں خاندانِ چشتیہ میں کسی اور میں ظہور پذیر نہیں ہوئے، اور اس رتبہ کے مستجاب الدعوات و سیف زبان تھے کہ جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا وہی ہوتا۔ آپ ابتدائے عمر سے تا دم واپسیں عشق الٰہی میں ایسے مستغرق رہے کہ دنیا و مافیہا کا خیال تک آپ کے نزدیک پھٹکنے نہ پایا۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میرے سینے کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو اور میرے دل کا علم شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر کو پہنچا ہے۔

آپ قصبہ کھتوال یعنی چاؤلی مشائخ میں اپنے بزرگوار نانا حضرت خواجہ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابھی خورد سالی میں ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد نے وفات پائی۔ بعد ازاں آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اپنے ہمراہ لے کر قصبہ اجودھن اپنے برادرِ معظم حضرت شیخ الشیوخ العالم فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کی خدمت کیمیا خاصیت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت گنج شکر آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور

...نی بہت کچھ مدحت بیان کر کے آپ کو اپنے سلسلہ ارادت سے فیض یاب کیا۔ اور تقسیم
لنگر فقراء کی خدمت آپ کے سپرد کی۔ منقول ہے کہ آپ نے بارہ برس تک اس
خدمت کو بجان و دل انجام دیا۔ اور اس عرصہ میں آپ نے قرآن مجید تمام و کمال حفظ
اور علوم ظاہری و باطنی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اور اس ہی دوران میں اس قدر
ریاضات و مجاہدات کئے کہ ایک لحہ کے لئے بھی جسم اطہر کو آرام نہ دیا۔ اور یہاں تک
نوبت پہنچی کہ بوجہ کثرت ریاضت و مجاہدات اور صوم دائمی کے جسم اطہر پر سوائے
استخوان کے گوشت کا نام تک باقی نہ رہا۔ یہ حالت دیکھ کر ایک روز حضرت شیخ شیوخ
کو آپ سے مستفسر حال ہوئے اور وجہ کھانا نہ کھانے کی دریافت فرمائی آپ نے
عرض کیا کہ مجھے لنگر تقسیم کرنے کی خدمت تفویض ہوئی تھی لہٰذا بندہ کی کیا مجال تھی کہ
بلا اجازت حضور کے لنگر اپنے تصرف میں لاتا۔ حضرت پیر دستگیر آپ اس کمال صبر
سے نہایت خوش ہوتے اور آپ کو گلے لگا کر نعمہائے باطنی سے مالا مال کیا۔ اور فرمایا
علی احمد صابرؒ ہے۔ پس اسی روز سے آپ صابرؒ کے لقب سے مشہور عوام و خواص ہوگئے
جب حضرت بابا گنج شکر علیہ الرحمۃ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی تو اسم اعظم جو
سینہ بسینہ چلا آتا تھا آپ کو تلقین فرمایا۔ اور خرقہ خاص اور فرمان قطبیت دہلی عطا
کر کے آپ کو رخصت کیا۔ اور فرمایا کہ پہلے ہانسی جا کر فرمان قطبیت پہ مہر شیخ جمال الدینؒ
صاحب ہانسوی کی ثبت کرانا تب دہلی جانا۔ پس آپ اجودھن سے ہانسی کی طرف روانہ
ہوتے اور وہاں پہنچ کر اسی طرح چنڈول پہ سوار خانقاہ میں داخل ہوئے۔ حضرت شیخ
جمال الدین قدس سرہٗ العزیز نے دروازے تک آپ کا استقبال کیا لیکن آپ سواری سے
نہ اترے یہ بات حضرت شیخ جمال الدین قدس سرہٗ کو پسند نہ آئی۔ لیکن بپاس ادب
خاموش رہے اور تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ لیجا کر
صدر مجلس پہ بٹھایا اور حال پیر دستگیر کا پوچھا۔ اس گفتگو میں مغرب کا وقت ہوگیا
دونوں حضرات نے مل کر ایک ساتھ نماز ادا کی۔ بعد فراغت نماز آپ نے فرمان قطبیت
کا نکالا اور دہلی جانے کی حقیقت بیان کی۔ حضرت قطب جمال صاحب نے چراغ منگوایا
ایک چراغ آنے میں دیر ہوگئی تو آپ نے اپنی انگشت پہ پھونک ماری۔ انگلی روشن
ہوگئی اور فرمایا کہ فرمان پہ مہر کر دیجئے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت شیخ قطب جمال الدین

نے فرمان لے کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا بیچاری دہلی میں آپ کے دم آتشیں کی تاب کہاں۔ آپ
کو جلاکر خاکستر کردو گے۔ آپ کو قطب جمال صاحب کی اس حرکت پر جلال آگیا اور فرمایا
نے میرے فرمان کو پھاڑ دیا ہم لے تمہارے سلسلہ کو توڑ دیا چنانچہ حضرت جمال ال
سرہٗ کے بڑے صاحبزادے دیوانہ ہوگئے اور چھوٹے صاحبزادے شیخ برہان الدین
بوقت ان کے موجود تھے اور انہوں لے چاہا بھی کہ ان کی تلقین کریں مگر یہ بات میسر
اور اس طرح سے سلسلہ ان کا منقطع ہوگیا۔ اس حادثہ کے بعد پھر آپ واپس اج
تشریف لائے اور ساری کیفیت پیر دستگیر کی خدمت میں گذارش کی حضرت
پوچھا کہ جب قطب جمال نے تمہارے فرمان کو پھاڑا تو تم نے کیا کہا۔ آپ لے فرما
غائت غضب سے قدرت ضبط نہ رہی اور بے ساختہ میرے منھ سے نکل گیا کہ تم نے میر
فرمان کو پھاڑ دیا ہم نے تمہارے سلسلہ کو توڑ دیا۔ بابا صاحب نے پھر پوچھا۔ اول
یا آخر سے۔ آپ نے کہا اول سے۔ حضرت بابا شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ غن
ہے کہ تم نے اول سے کہا آخر سلامت رہا۔ تمہارے مریدوں میں سے ایک مرید
اور سلسلہ اُن کا جاری ہو جائے گا اور یہ اشارہ حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء قد
العزیز کی طرف تھا۔

الحاصل حضرت شیخ الشیوخ العالم نے بحکم الٰہی فرمان ولایت ہلیر کا بدست
اپنے لکھ کر آپ کو عطا فرمایا اور جانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر آپ نے
نور ولایت اس کو منور کیا۔ اور اقامت گزین ہوئے۔ اس وقت علما و فضلا کی
میں اس قدر کثرت تھی کہ جمعہ کے روز چار سو چنڈول سوار نماز کے واسطے جامع مسجد
تھے اور مسجد میں بھی درجہ بندی تھی۔ پہلی صف میں وزرا دوسری صف میں امرا تیسری صف
میں عمائد دین شہر اور سب سے پچھلی صف میں یا مسجد کے باہر غربا فقرا نماز پڑھتے تھے
آپ بھی مسجد کے باہر قیام فرماتے تھے اور ساکنان شہر سے آپ کا کوئی پرسان حال تھا
آپ نے ناچار ہو کر یہ سب کیفیت حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں لکھ بھیجی اور عرض
کی کہ حضور نے بندہ کو ایسے ملک میں تعین فرمایا ہے کہ جہاں کے لوگ بڑے متکبر و
ان میں صلہ رحمی نام کو بھی نہیں بندہ کو نماز جمعہ کے لئے جگہ تک نہیں ملتی۔ اور کوئی
نہیں پوچھتا کہ تم کون ہو۔ بندہ بلا مرضی و اجازت حضور کے دم نہیں مار سکتا اس

ہیں جیسا حکم حضور کا ہو ارشاد فرمایا جائے۔ بجواب اس کے حضرت شیخ الشیوخ العالم نے تحریر فرمایا کہ وہ ولایت بحکم الٰہی تمہارے تصرف میں ہے جیسا مناسب سمجھو کرو۔ بعد اس اجازت کے آپ نے سلسلۂ تبلیغ شروع کیا۔ کچھ لوگ آپ کے معتقد و حلقہ بگوش ہو گئے باقی اجل گرفتہ اسی طرح سرکشی و ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ ان پر وبائے عظیم نازل ہوئی اور سب کے سب نیست و نابود ہو گئے۔ اور شہر بالکل ویران و برباد ہو گیا۔ اور آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے اور آپ کے تصرفات جلالی اس قدر اس درجہ کو پہنچے کہ کوئی انسان آپ کے رُو برو نہ جا سکتا تھا۔ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے، فوراً آگ لگ جاتی تھی۔ صرف وحوش و طیور آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ درِ اقدس پر شیر پڑے رہتے تھے اور اپنی دم سے جاروب کشی کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ کا استغراق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ بارہ برس تک شاخِ گولر کی پکڑے رہے جب یہ خبر حضرت شیخ الشیوخ العالم کو پہنچی آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو جا کر میرے مخدوم صابر کو بٹھا دے۔ اس بات کو سُن کر حضرت شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہٗ العزیز نے آمنّا و صدّقنا کہا۔ اور با اجازت کلیر شریف کی طرف روانہ ہوتے آپ نہایت خوش الحان قاری تھے۔ آپ نے کلیر پہنچ کر حضرت مخدوم صابرؒ کے پسِ پشت ایک جانب کھڑے ہو کر تلاوتِ کلام مجید شروع کی آپ نے آنکھیں کھولیں اور بیٹھ گئے اور مخاطب ہو کر فرمایا کہ اور پڑھو۔ حضرت شمس الدینؒ نے عرض کیا کہ اگر مجھ کو خدمت میں رہنے کی اجازت ہو تو میں اور پڑھوں۔ ارشادِ صابرؒ ہوا کہ رہا کرو مگر میرے رُو برو کبھی نہ آنا، جب بھی آنا عقب سے آنا چنانچہ حضرت شمس الدین رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے جب پانی وضو کا یا کھانے کے لئے گولر لایا کرتے تو عقب سے لاتے اور اکثر ایسا بھی ہوا کرتا تھا کہ جب حضرت شمس الدین گولر واسطے افطار کے پیش کرتے تو آپ حالتِ استغراق میں فرماتے کہ خدا کھانے پینے سے پاک ہے اور پھر جب اپنے آپ میں آتے تو فرماتے ہاں ہاں لاؤ۔ خدا خدا ہے۔ بندہ بندہ ہے۔ سوائے حضرت شمس الدین ترک کے اور کوئی فرد بنی آدم سے حاضر باش خدمت عالی نہ تھا۔

صاحب بستانِ معرفت لکھتے ہیں کہ حضرت شمس الدین ترک ہر وقت حاضرِ خدمت

رہتے تھے اور جو ارشاد زبان مبارک سے نکلتا فوراً اس کی تعمیل کرتے اگر احیاناً کچھ دیر ہو جاتا تو آپ فرماتے بابا شمس الدین تم کہاں مرگئے ہو۔ بمجرد اس فرمانے کے حضرت شمس الدین مرجاتے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرماتے شمس الدین چلے بھی آؤ تو آپ زندہ ہو کر حاضر خدمت ہو جاتے دن رات میں ایسے حالات کئی بار پیش آیا کرتے تھے۔

صاحب معارج الولایت فرماتے ہیں کہ ولایت آپ کی موسوی اور قلب آپ کا اسرافیلی تھا اور جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے تھے وہی ہو جاتا تھا سیر الاقطاب میں ہے کہ آپ کے وصال کے بعد بھی شہر کلیر ویران و برباد رہا یہاں تک کہ مجاوروں کو بھی تاب اقامت وہاں کی نہ تھی۔ بہت دور جا کر اقامت پذیر تھے اور جب تک حکم نہ ہوتا مزار پُر انوار پر حاضر نہ ہوتے تھے بسبب کثرت تصرفات جلالی آپ کے کوئی شخص آپ کے مزار مقدس کی زیارت کو نہ جا سکتا تھا۔

کہتے ہیں کہ آپ کے دو صد سال بعد حضرت قطب عالم خواجہ عبد القدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ بصد ہزار مشکلات طے کر نیکے بعد خدمت عالیہ میں پہنچ کر شرف زیارت روضہ اطہر سے مشرف ہوئے اور نہایت رقت قلب سے عرض کیا کہ تمام مخلوق حضور کی نوازش و کرم کی امیدوار ہے سب کی تمنا ہے کہ حضور کے شرف زیارت سے مشرف ہوں۔ اور فیوض و برکات حاصل کریں اگر حضور از راہ کرم اس جلال کو مبدل بجمال فرماویں تو ساری مخلوق حضور کے روضہ اطہر سے فیض المرام و فیض یاب ہو ارشاد ہوا کہ ہم نے تمہاری خاطر اپنی جلالیت کی تیزی کم کر دی اور اپنی صفات جمالی سے تمام خواص و عام کو یہاں کی حاضری کی اجازت دی۔ پس اس وقت سے خواص و عام درگاہ فلک پائے گاہ میں حاضر ہونے لگے اور مجلس عرس و سماع کا ظہور ہوا۔ آپ کے صرف ایک خلیفہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رضی اللہ عنہ تھے۔

عادات و صفات

آپ کا زہد و تقویٰ کمال درجہ کا تھا اور ترک و تجرید کو نہایت دوست رکھتے تھے۔ ہمیشہ صحبت خلق سے دور رہتے روزہ آپ کا دائمی تھا۔ ہمیشہ درختان صحرائی

کے پتوں سے روزہ افطار کرتے۔ خورش آپ کی اکثر گولر تھی۔ لباس آپ کا صرف تہبند تھا اور گل ارمنی کا رنگا ہوا خرقہ پہنتے تھے کبھی آپ نے کپڑا بلا رنگ کا زیب بدن نہ فرمایا۔ جب تک اجودھن میں رہے کبھی کبھی عمامہ زیب سر فرماتے تھے۔ لیکن جس روز سے کلیر میں تشریف لائے کوئی کپڑا سر مبارک پر نہ رکھا اور ہمیشہ برہنہ پا رہتے تھے اور جذبہ الہٰی اس قدر غالب تھا کہ ہمیشہ مستغرق یاد الہٰی رہتے تھے بہت کم ہوش میں آتے ہمیشہ حالت مشاہدہ میں رہتے چنانچہ آپ نے خود فرمایا، اس طرح ہو میں ڈوب اے صابر، کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے۔

حضرت شمس الاولیا خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ

نام مبارک شمس الدین اور خطاب آپ کا اسعد شمس الاولیا و مشکل کشا ہے اصل آپ کی ترکستان سے تھی آپ سادات صحیح النسب سے تھے آپ مرید و خلیفہ حضرت تاج الاولیا خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر رضی اللہ عنہ کے تھے اور بقول صاحب سیر الاقطاب کے آپ کو حضرت شیخ الشیوخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ سے بھی خلافت حاصل تھی آپ نے بتاریخ ۱۹ شعبان ۷۱۵ھ بروز چہار شنبہ کو بعہد سلطنت سلطان علاؤ الدین سکندر ثانی کے رحلت فرمائی مزار پر انوار پانی پت ہندوستان میں ہے۔

آپ صاحب ولایت۔ خورشید ہدایت۔ دریائے معرفت و علم۔ گنجینۂ حیا و حلم پناہ بے پناہاں۔ ہادی گمراہاں علوم ظاہری و باطنی و کشف و کرامات میں کامل و اکمل تھے فضائل و مناقب آپ کے بیشمار اور حالات و کمالات آپ کے اظہر من الشمس ہیں۔

آپ مرشد کامل کی تلاش میں منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے اجودھن پہنچے اور مدت تک حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کی خدمت مبارک میں رہ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ حضرت بابا علیہ الرحمۃ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی لیکن مرید نہیں کیا اور فرمایا کہ تمہاری نعمت اور کمالیت کا حصول دوسرے مرشد پر موقوف ہے بعد ازاں بہ الہام ربانی آپ کو خطۂ کلیر کی طرف روانہ کیا۔ اور آپ حضرت تاج الاولیاء مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر رضی اللہ عنہ کی خدمت کیمیا خاصیت میں پہنچکر شرف

پائے بوسی سے مشرف ہوئے۔ حضرت تاج الاولیا نہایت لطف و مہربانی سے آپ کے پیش آئے اور کمال توجہ آپ کے حال پر مبذول فرمائی۔ اور فرمایا کہ تو میرا فرزند ہے میں حق تعالیٰ سے چاہتا ہے کہ سلسلہ میرا تجھ سے جاری ہو اور تا قیام قیامت قائم و برقرار رہے یہ فرما کر آپ کو شرفِ ارادت سے مشرف فرمایا۔ آپ گیارہ برس تک حضور مرشد کی خدمت و ملازمت میں حاضر رہے اور ہر طرح کی خدمات و ریاضت و مجاہدہ عمل میں لاتے رہے اور جب زمانہ حضرت پیر دستگیر کی وفات کا نزدیک پہنچا تو آپ بعد عطائے خرقہ خلافت اور تلقین اسمِ اعظم کے یہ وصیت فرمائی کہ جب میں اس سے پردہ اختیار کروں تو تم یہاں تین روز سے زیادہ ہرگز قیام نہ کرنا۔ تم کو حق تعالیٰ نے ولایتِ دیارِ پانی پت کی عطا فرمائی ہے۔ تم وہاں جاکر سکونت پذیر ہونا اور اس کے گمراہوں کی رشد و ہدایت عمل میں لانا۔ میں ہر جگہ اور ہر وقت ممد و معاون تمہارا ہوں آپ نے عرض کیا کہ غلام کی تو دلی تمنا تھی کہ تا دمِ واپسیں حاضر آستانہ رہ کر جاروب کشی کیا کرتا رہوں، اور دیگر عرض کیا کہ وہاں پر تو حضرت شرف الدین بو علی قلندرؒ رونق افروز ہیں میری اُن کی صحبت کا کیا طریقہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم اس کا اندیشہ نہ کرو۔ ولایت ان کی وہاں کی ختم ہو چکی ہے وہ تمہارے پہنچتے ہی شہر کو خالی کر دیں گے الغرض آپ بعد وفات پیر دستگیر کے موافق وصیت عمل پیرا ہوئے اور پانی پت پہنچ کر اپنے نورِ ولایت سے دیار کو معمور و منور فرمایا اور تمام خلائق آپ کی طرف رجوع ہوئی اور آپ کے سلسلہ ارادت میں داخل ہو کر اپنے مقاصدِ دلی کو پہنچی اور آپ سال ہا سال مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز رہ کر ہدایت وارشاد مخلوق خدا میں مشغول رہے جب زمانہ حیات کا آخر کو پہنچا تو آپ نے حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیا رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین فرما کر خرقہ خلافت سے ممتاز فرمایا۔

کلماتِ طیّبات

مخلوق سے نیکی کرنیوالے کو کسی محکمہ میں رہنا نقصان نہیں کرتا۔ تمام کاموں میں خلوصِ نیت درکار ہے۔ کسی نے پوچھا خلوصِ نیت کیا ہے۔ فرمایا جس کام کی نیت کرے اس میں حق تعالیٰ کی رضامندی ملحوظ رکھے اور سالک کے لئے نگہداشت شریعت واجب۔

بت حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قولاً فعلاً وارادۃً ضروری ہے۔ بغیر
بت رسولِ خدا صلعم کے محبت حق تعالےٰ کی حاصل نہیں ہوتی (۳) بنائے مسلمانی دو چیز پر
ہے کہ جو خدا اور رسول نے فرمایا۔ اس کو کرے اور جس سے منع کیا ہے اور اس سے
رہے (۴) سالک راہ سلوک کو چاہیئے کہ راتوں کو بیدار رہے کیونکہ نزولِ انوار
ں کو ہوا کرتا ہے اور اکثر نصف شب کے بعد نزولِ انوار ہوتا ہے۔ اس وقت جو
گتے ہیں وہ فیضیاب ہوتے ہیں اور جو سوتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں (۵) شیخ کہلانے
وہ مستحق ہے جس میں یہ تین شرطیں ہوں۔ اوّل یہ کہ تین علم یعنی شریعت و طریقت و حقیقت
عالم ہو دوسری شرط یہ ہے کہ اس زمانہ کے عُلماء فضلا اور عقلا اس کو قبول کریں اور
ں کے معتقد و مُرید ہوں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو سوائے حق تعالےٰ کے اور کوئی
لب نہ ہو۔ جاہل صوفیوں سے بچو کیونکہ وہ دین کے چور اور مسلمانوں کے رہزن ہیں۔

حضرت خواجہ محمد جلالُ الدّین کبیر الاولیا پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

نام مبارک خواجہ محمد اور خطاب اقدس جلال الدین کبیر الاولیا ہے آپ اولاد وامجاد
سے حضرت امیر المومنین عثمان ذی النّورین رضی اللہ عنہ کے تھے اور آپ مرید و خلیفہ حضرت
شمس الاولیاء شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رضی اللہ عنہ کے تھے۔ اور آپ کو حضرت ابدال
شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہٗ سے بہت کچھ فیض پہنچا تھا۔ اور آپ نے بہت سے
شیخ عظام کی صحبت پائی تھی۔ آپ نے ایک سو ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور تاریخ
۱۳ ربیع الاوّل ۷۶۵ھ بعہدِ سلطنت سلطان فیروز شاہ کے راہی خُلدِ بریں ہوئے
مزار پُر انوار پانی پت میں ہے۔

آپ قطب الاقطاب محبُوب ربّ الارباب، ناطق حقائق، امام خلائق حجت الاولیا
برہان الاتقیاء اور ولی مادر زاد تھے مستجاب الدعوات ایسے تھے کہ جو کچھ زبان مبارک
سے فرمادیتے وہی ہوتا۔ آپ پر محبّت حق تعالےٰ کی ایامِ طفولیت سے ہی غالب تھی اکثر
صحرا میں تشریف لے جاتے اور حق تعالےٰ کی یاد میں مصروف رہتے آپ بچپن ہی سے
حضرت بو علی قلندر قدس سرہٗ کے منظورِ نظر تھے۔ اور حضرت قلندر صاحبؒ کو آپ سے
اس قدر شدید محبّت تھی کہ بلا دیکھے آپ کے ان کو صبر و قرار نہ آتا تھا۔ روزانہ آپ کو

دیکھنے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک روز حضرت بوعلی قلندر صا
ایک دیوار پہ بیٹھے ہوئے تھے آپ گھوڑے پر سوار اُدھر سے گزرے۔ جیسے ہی نظ
حضرت بوعلی قلندر کی آپ پر پڑی۔ ان کی زبان مبارک سے نکلا "زہے اسپ وز
سوار"۔ معاً اس فرمانے کے آپ کی حالت غیر ہو گئی اور آپ بے خود و بدحواس
گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور گریباں چاک کر کے رو بصحرا ہوئے اور چالیس ر
تک مسافرت میں رہے اور انہی ایّام میں حرمین شریفین زاد اللہ ہما شرفاً تشری
لے گئے اور حج و زیارت مدینہ منوّرہ سے مشرّف ہوئے علاوہ ازیں اور بہت
مشائخ عظام کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور نعمتہائے بے اندازہ حاصل کیں۔
منقول ہے کہ اسی مسافرت میں بوقت واپسی معہ چند قلندروں کے ہانسی تشریف
گئے اس وقت حضرت قطب العالم شیخ جمال الدین قدس سرہٗ بقید حیات تھے۔ ان
غیب سے بشارت ہوئی کہ جلد آپ سے ملیں اور آپ سے دعا کے لئے عرض کریں تاکہ
کی دعا کی برکت سے سلسلہ ان کا جاری ہو جائے پس حضرت قطب عالم نے ایک شخ
آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ کو عزت و احترام سے لے آئے۔ حضرت قطب عالم
آپ کے پہنچنے تک سراپا انتظار میں کھڑے رہے جب آپ تشریف لائے تو آپ
بہت تعظیم و تکریم بجا لائے اور صدر مجلس پہ بٹھایا۔ بعد ازاں ساری کیفیت اپنا سلسلہ
کی اور پھر حضرت شیخ الشیوخ العالم رضی اللہ عنہ کی بشارت کی کہی کہ ایک مرد خدا سلسلہ
چشتیہ صابریہ میں سے آپ کے حق میں دعا کرے گا۔ لہٰذا آپ طالب دعا ہوتے ا
آپ نے دعا کی اور آپ کی دعا کی برکت سے سلسلہ حضرت قطب عالم کا ان کے صاح
شیخ برہان الدین و شیخ نور الدین سے جاری ہوا۔ اور کچھ دن آپ کو مہمان رکھا
ازاں حضرت قطب عالم صاحب نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے وطن میں جا کر اقا
پذیر ہوں وہاں ایک مرد صاحب کمال پہنچیں گے ان کی ذات بابرکات پر تمہار
لئے نعمت عظمیٰ کا حصول مقدر ہو چکا ہے۔ حسب ارشاد قطب عالم صاحب
آپ پانی پت میں تشریف لائے اور اقامت گزیں ہوئے۔
منقول ہے کہ آپ دورانِ اقامت پانی پت ایک روز حضرت قطب ابدا
شیخ شرف الدین بوعلی قلندر رضی اللہ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر دا

بیعت وارشاد کے بصد ہوئے حضرت قطب ابدال صاحب نے فرمایا کہ اے فرزند تیری کشائش وانعام خداوندی ایک مردِ خدا پر موقوف ہے اور وہ مردِ خدا امروز فردا میں رونق افروز پانی پت ہوگا۔ پس آپ نے صبر کیا یہاں تک کہ حضرت شاہ ولایت شمس الاولیا شیخ شمس الدین ترک پانی پت میں رونق افروز ہوئے اور آپ حضرت شاہِ ولایت شمس الاولیا کی عنایت صوری و معنوی سے سرفراز ہوکر بہ الہام ربانی مرید ہوئے اور عرصہ دراز تک حضرت پیر دستگیر کی خدمت میں رہ کر ریاضت شاقہ و مجاہدہ سخت عمل میں لاکر مرتبہ کمال کو پہنچے اور حضرت پیر دستگیر نے آپ کو اپنا خلیفہ و سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ اور اسم اعظم جو سینہ بسینہ چلا آتا تھا تلقین فرمایا۔ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو وہ قدرت کاملہ و کرامات عطا فرمائی تھیں کہ اگرچہ مقام کتنا ہی دور ہوتا آپ طرفۃ العین میں وہاں پہنچ جاتے اور پھر واپس چلے آتے یہ منقول ہے کہ آپ اکثر نماز جمعہ کی کعبہ معظمہ میں ادا کیا کرتے تھے۔ آپ سے کشف و کرامات بہت سی ظہور پذیر ہوئیں جو کہ بوجہ طوالت کتاب ہذا کے لکھنے سے قاصر ہوں۔

حضرت شیخ عبدالحق رودولی رحمۃ اللہ علیہ

نام مبارک احمد خطاب اقدس عبدالحق ہے۔ آپ اولاد امجاد سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تھے نام آپ کے والد ماجد کا حضرت شیخ عمر بن داؤد تھا۔ آپ مرید و خلیفہ اعظم حضرت خواجہ جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی رضی اللہ عنہ کے تھے آپ نے بتاریخ ۱۵۔ جمادی الثانی ۸۳۷ھ روز دوشنبہ بعہد سلطنت مبارک شاہ کے وفات پائی مزار پُرانوار قصبہ رُدولی شریف نواح لکھنؤ میں ہے۔

آپ ولی مادر زاد تھے اور بڑے صاحب تصوّف اور مظہر خوارق و کرامات و صاحب ذوق و شوق و سکر و حالت فقر و تجرید تھے۔ زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرماتے، یا خیال مبارک میں لاتے۔ اس کا اسی وقت ظہور ہو جاتا تھا۔ انوار العیون میں ہے کہ جب آپ سات برس کے تھے آپ کی والدہ ماجدہ رات کو نماز تہجد کے لئے اٹھتیں تو آپ بھی چپکے سے اٹھ کر کسی کونہ میں نماز پڑھتے اور اللہ اللہ کرنے لگتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت شفقت سے فرماتیں کہ اے نورِ نظر صغر سنی میں تو نماز فرض بھی معاف ہے

تم نفل نماز کے لئے کیوں اتنی محنت کرتے ہو۔ چونکہ آپ پر محبت حق غالب تھی۔ آپ کو فرمانا والدہ ماجدہ کا پسند نہ آیا۔ جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ نے سفر کا ارادہ کیا اور حق تعالیٰ کی طلب میں گھر سے مستانہ وار نکل کھڑے ہوئے اور پیر کی تلاش میں پھرتے پھرتے پانی پت پہنچے اور حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیا رضی اللہ عنہ کی قدم بوسی حاصل کی۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے بہت کچھ اکرام کیا۔ اور اپنے شرف ارادت سے مشرف فرما کر کُلاہ اپنی آپ کو عطا فرمائی۔ انوار العیون میں مرقوم ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے ایک مُرید نے اپنے گھر دعوت پر آپ کو مدعو کیا۔ تو طرح طرح کے لذیذ کھانے اور انواع و اقسام کے مشروبات شرعی آپ کے سامنے رکھے جیسے نظر آپ کی ان تکلفات پر پڑی۔ آپ بتزا نیچ کہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسی حالت جلال میں حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آکر کُلاہ عطیہ شیخ علیہ الرحمۃ کو واپس کر دی اور خود جنگل کی راہ لی۔ مگر شہر سے نکلتے ہی راستہ بھول گئے۔ تمام دن چلتے رہے مگر باوجود کوشش کے راستہ نہ ملا۔ ناچار ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ یہ دیکھ کر درخت سے اُترے اور ان سے دریافت کیا کہ بھائی میں راستہ بھول گیا ہوں۔ مجھے سیدھا راستہ بتاؤ۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ تم راستہ سیدھا تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے دروازے پر چھوڑ آئے ہو۔ یہ کہہ کر وہ دونوں غائب ہوگئے۔ آپ نے جان لیا کہ دونوں حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے اور میری ہدایت کے لئے تھے۔ اُسی وقت توبہ استغفار کر کے اُلٹے قدموں پھرے جب خانقاہ معلّیٰ پہنچے تو حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو دروازہ پر کھڑا پایا دیکھتے ہی قدموں پر گر کر نہایت عجز و الحاح سے معافی کے طلبگار ہوئے آپ نے اُٹھا کر سینہ سے لگایا اور انعاماتِ خداوندی سے سرفراز فرمایا۔

سیر الاقطاب میں آپ کے اسم مُبارک عبدالحق سے موسُوم ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے باآواز بلند حق حق فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت پیر دستگیر نے بحکم رب العزت نام آپ کا عبدالحق رکھا اور فرمایا کہ اے احمد عبدالحق میرا سلسلہ تجھ سے جاری ہوگا۔ اور عالم تیرے نورِ ہدایت سے معمور و منوّر ہوگا۔ بعد اجازت پیر دستگیر کے آپ ملک بہ ملک اور شہر بہ شہر پھرتے رہتے اور بہت سے

بزرگانِ عظام کی فیض صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ یہاں تک وقت وفات حضرت پیر دستگیر کے بھی حاضر نہ تھے۔ حضرت پیر دستگیر نے انتقال کے وقت اپنے فرزندوں سے فرمایا کہ تمہاری تعلیم و تربیت باطنی اور دستگیری کے لئے شیخ احمد عبدالحق کافی ہیں اور اپنا خرقہ خلافت و تبرکات اپنے صاحبزادے حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ کو دے کر فرمایا کہ یہ امانت شیخ احمد عبدالحق کی ہے تم ان کو پہنچا دینا۔

منقول ہے کہ آپ حضرت پیر دستگیر کی وفات سے کچھ روز بعد پانی پت تشریف لائے اور خرقہ پیر دستگیر شیخ شبلی صاحب سے لے کر زیب بدن کیا۔ اور مرشد زادوں کو تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی سے فیضیاب کر کے مرتبہ تکمیل تک پہنچایا، اور پھر اپنی طرف سے شیخ شبلی صاحب کو خرقہ پیر دستگیر کا عطا فرمایا اور واپس اپنے وطن رُدولی شریف تشریف لے گئے اور اپنے والد علیہ الرحمۃ کے مکان میں سکونت اختیار کی، اور آپ مسندِ ارشاد پہ متمکن ہو کر ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اور ہزاروں طالبانِ خدا کو خدا سے ملایا اور بہتوں کو درجہ ولایت تک پہنچایا۔

عادات وصفات

آپ زہد و تقویٰ وعبادت و ریاضت میں درجہ اعلےٰ رکھتے تھے۔ آپ نے ایسی ایسی ریاضتیں و مجاہدے کئے ہیں، کہ اس فرقہ چشتیہ اہل بہشت میں کسی دوسرے نے بہت کم ہی کئے ہونگے۔ آپ نے کامل تیس برس تک تکیہ پہ سر نہ رکھا۔ اور تمام عمر صرف ایک ہی خرقہ میں بسر فرمائی۔ جہاں سے پھٹ جاتا تھا پیوند لگا کر درست کر لیتے تھے۔ منقول ہے کہ آپ نو ماہ تک ایسے دریا میں رہے جس میں ہر وقت موجیں آتی رہتی تھیں اور تمام دریائی جانور آپ کے محافظ تھے بعد نو مہینے کے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام و حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ و حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور آپ کو دریا سے نکالا اور ارشاد فرمایا۔ اے احمد! تیری عبادت حق تعالےٰ کی درگاہ میں قبول ہوئی اور تو محبوبانِ الٰہی میں داخل ہو گیا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حسب الارشاد حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کو دعاء حیدری تعلیم فرمائی جو آج تک اس خاندان میں باقی ہے۔

کلماتِ طیبات

۱- حضرت شیخ محب اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذخیرہ مونس العارفین میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک روز مجمع عام میں فرمایا کہ حق تعالےٰ نے مجھے فہرست ان لوگوں کی عنایت کی ہے جو بھی میرے مُرید ہوں گے یا میرے سلسلے میں داخل ہوں گے قسم ہے ربُّ العزت کی جب تک میرے مرید و دوست جنت میں داخل نہ ہو جائیں گے مَیں جنت میں داخل نہیں ہوں گا۔

۲- انوار العیون میں مرقوم ہے کہ فرمایا آپ نے "مَیں اپنی جان کا مالک ہوں ملک الموت بغیر میری مرضی کے میری جان قبض کرنے کا مجاز نہیں۔ چاہوں مروں چاہوں ابدالآباد تک حیات رہوں۔ چنانچہ قریب زمانہ وفات کے ایک روز آپ نے اپنی اہلیہ صاحبہ کو فرمایا کہ مجھ کو چند بار موت کا پیغام آچکا ہے۔ مگر میں بارگاہِ رب العزت میں عرض کر دیتا ہوں کہ میرا ایک ہی لڑکا ہے جب تک میں اس کی شادی نہ کر لوں کیسے آؤں؟ بس اب تقاضا شدید ہے لہٰذا شادی کی فکر کرنا ضروری ہے۔ بعد اس کے آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ کی شیخ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے شادی کی اور رحلت فرما کر عالمِ بقا ہوئے۔

حضرت شیخ احمد عارف رحمۃ اللہ علیہ

آپ فرزند و خلیفہ اعظم اور سجادہ نشین حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولی رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ ۸۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور چالیس برس کی عمر میں بتاریخ ۲۱ شوال ۸۵۹ھ روز دوشنبہ بعہد سلطنت سلطان بہلول لودھی کے وفات پائی۔ مزار پُر انوار قصبہ رودولی شریف میں ہے۔

آپ کے پیشوائے اہلِ کمال مقتدائے اہلِ حال اور جامع شریعت و طریقت و معرفت تھے۔ منقول ہے کہ آپ کمال درجہ کے خلیق اور خلق و محبت میں لاجواب تھے جو شخص بھی آپ سے ملتا اور چند ساعت آپ کے ساتھ گزارتا تو وہ یہی سمجھتا کہ جو

محبت و الفت آپ کو میرے ساتھ ہے وہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہے اور یہ تمام باتیں کمال ولایت کے سبب تھیں آپ کے ایک صاحبزادہ حضرت شیخ محمدؒ اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

حضرت شیخ محمدؒ رحمۃ اللہ علیہ

آپ فرزند ارجمند اور خلیفہ وسجادہ نشین حضرت شیخ احمد عارف رضی اللہ عنہ کے ہیں آپ نے بتاریخ ۲۱ شعبان ۸۹۸ھ کو بعد سلطنت سلطان سکندر لودھی کے رحلت فرمائی۔ مزار پُر انوار قصبہ رُودَولی شریف میں ہے۔

آپ فقر و فنا و تجرید و تفرید اور ذاتِ مطلق میں استغراق بدرجہ کمال رکھتے تھے۔ آپ کی عظیم الشانی اور علوی المکانی کس درجہ بلند مرتبہ تھی کہ حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ جیسے عالی مرتبت آپ کے مُرید تھے منقول ہے کہ جب آپ کو آخر وقت میں مرضِ موت لاحق ہوا۔ تو آپ نے اپنے صاحبزادے شیخ الاولیاء شیخ بڈھا کو یاد کیا چونکہ اس وقت شیخ بڈھا علیہ الرحمۃ شاہ آباد میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کے پاس کسبِ فضائل میں مصروف تھے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ تو شاہ آباد میں ہیں۔ الحاصل حضرت شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمۃ باشارہ روح مبارک حضرت شیخ عبدالحق رضی اللہ عنہ کے حضرت شیخ بڈھا علیہ الرحمۃ کو اپنے ہمراہ لے کر بسرعتِ تمام رُدَولی شریف پہنچے اس وقت آپ حالتِ نزع میں تھے اور آپ کا یہ حال تھا کہ اکثر استغراق ذات احدیت میں مستغرق ہوجاتے تھے جب ہوش میں آتے تو کہتے سُبحان اللہ میں نے سمجھا۔ حضرت عبدالقدوس نے عرض کیا۔ کیا سمجھا فرمایا توحید مطلق کو سمجھا۔ پھر جب مفارقت روح کا وقت نزدیک آیا اور استغراق نے زیادہ غلبہ کیا۔ تو حضرت شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ یہ وقت مردانِ خدا کی ہوشیاری کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس طرف سے بالکل بے فکر و بےغم رہو۔ اب میرے سینہ میں سوائے ذاتِ پاک حق تعالےٰ کے اور کچھ نہیں ہے یہ فرما کر باذوق تمام اُٹھ بیٹھے اور تمام امانت پیرانِ چشت قدس اللہ اسرارہم کی اور اسم اعظم جو آپ کے والد ماجد سے پہنچا تھا آپ کو تلقین فرمایا۔ اور اپنا جانشین کیا۔ حضرت قطب عالمؒ نے عرض کیا کہ

بعد آپ کے مَیں غریب کیونکر رہوں گا۔ مجھ میں طاقت مفارقت ذات برکات کی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ تم مقبولانِ حق میں سے ہو۔ اور مقام میرا، مقام تمہارا تم جہاں بھی رہو مَیں تم سے ہرگز جدا نہیں۔ ہاں تربیت میرے فرزند شیخ بڈھا کی تمہارے سپرد ہے اگر تم اپنے وطن جانا چاہو تو اس کو اسرارِ باطن سے کما حقہٗ محرم کرکے اور نعمتِ پیر عظام اُس کے حوالے کرکے اور اپنی نیابت میں اس کو سجادہ نشین کرکے جانا۔ جب آپ نے یہ وصیت تمام کی تو خوش و خرم رحلت فرمائی اور عالمِ بقا ہوئے۔ بعد وفات آپ کے حضرت شیخ عبدالقدوس رضی اللہ عنہ تعمیل و تکمیل آپ کی وصیت کی کما حقہٗ ادا فرمائی اور حضرت شیخ بڈھا علیہ الرحمۃ کو اپنی نیابت میں سجادہ نشین کیا اور آپ خود عازمِ گنگوہ شریف ہوئے۔

حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اولاد و اجداد سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ آپ کے والد کا اسمِ گرامی شیخ اسمٰعیل بن قاضی صفی الدین تھا۔ آپ اویسی اور روحانی فیض یافتہ حضرت شیخ عالم احمد عبدالحق رودولوی رضی اللہ عنہ کے تھے اور آپ نے تعلیم باطنی شیخ العالم کی روح مبارک سے پائی تھی۔ لیکن بظاہر خلافت و ارادت آپ کی سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں حضرت شیخ محمد بن حضرت شیخ احمد عارف رضی اللہ عنہما سے تھی۔ علاوہ ازیں آپ جمیع طبقات مشائخ اور خانوادوں سے فیض حاصل تھا۔ ولادت با سعادت آپ کی ۸۶۱ھ میں ہوئی ہے اور وفات حسرت آیات بقول صحیح بتاریخ ۲۳ جمادی الثانی ۹۴۴ھ روز سہ شنبہ بوقت چاشت بعہد سلطنت سلطان ہمایوں بادشاہ دہلی کے وقوع میں ہوئی۔ مزار پُر انوار قصبہ گنگوہ شریف ضلع سہارنپور میں ہے۔

آپ مخزن اسرار الٰہی، معدنِ انوار لا متناہی، جگر گوشہ اولیا ستودہ اصفیا مقتدائے ارباب تصرف، پیشوائے اصحاب تصوف۔ ولی مادر زاد۔ خوارق و کرامات میں مشہور اور ریاضت و عبادت میں معروف تھے اور علم و عمل و ذوق و شوق اور وجد و سماع میں تمام اور حظِ وافر رکھتے تھے اور دریائے فیض آپ کا ایسا جاری و موجزن تھا کہ طالب کو ذرا سی توجہ سے ناسوت سے مرتبہ لاہوت تک پہنچا دیتے تھے اور جو شخص بھی حسن عق

اور خلوص نیّت سے آپ کی ملازمت اختیار کرتا تو وہ اولیا کاملین سے ہوجاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے دھوبی و سائیس وغیرہ تک ولی و صاحب باطن تھے اقتباس الانوار فرماتے ہیں کہ آپ میں صفت جمال و جلال دونوں اعتدال کے ساتھ جمع تھیں سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خصوصاً حضرت مخدوم علی احمد صابر رضی اللہ عنہ کی ذات میں صفت جلال کی غالب تھی۔ آپ کی شان جمالیت اور حضرت مخدوم صابر علیہ الرحمۃ کی شان جلالیت نے مل کر اعتدال قبول کیا چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو اور رنگ بخشا ہے۔ پس ذات سراپا برکات آپ کی وجود کبیر تھی۔

لطائف قدوسی میں ہے کہ آپ ہنوز صلب پدر میں جلوہ فرما تھے۔ کہ خبر آپ کی کمالیت کی جہاں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب شیخ اسمٰعیل علیہ الرحمۃ آپ کے والد ماجد بچّہ ہی تھے تو ایک روز چند بچّوں کے ہمراہ حضرت شیخ العالم احمد عبدالحق رضی اللہ عنہ کو دیکھنے گئے بچّے باری باری دروازہ کے دریچے میں سر دے کر حضرت شیخ العالم کو دیکھتے اور واپس آجاتے۔ جب شیخ اسمٰعیل کی باری آئی تو حضرت شیخ العالم نے دیکھتے ہی شیخ اسمٰعیل کو اپنے پاس بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر اُن کی پشت پر بوسہ دے کر فرمایا کہ میں اس بچّہ کی پشت میں وہ سعید ہستی کو دیکھ رہا ہوں۔ جو قطب عالم ہوگا اور تمام رجوع اس کا میری طرف ہوگا اور وہ ایک میرے خلفائے برگزیدہ میں سے ہوگا اور نعمت میری اس کو پہنچے گی چنانچہ جب آپ پیدا ہوئے تو آثار و احکام سعادت ازلی و کمالات سرمدی آپ سے ظاہر و باہر تھے ایام طفولیت ہی میں آپ کی توجہ تجرید و تفرید ریاضت و مجاہدات کی طرف مصروف رہتی تھی اور خیال کوہ گردی و صحرا نوردی اور حق تعالیٰ راہ طلب میں ہمیشہ سعی و جستجو میں کوشاں رہتے تھے۔ آخر الامر تمامی رجوع آپ کا حضرت شیخ العالم احمد عبدالحق رضی اللہ عنہ کی روح مبارک کی طرف ہُوا اور ہمیشہ آپ کو فیض و ارشاد روحی حضرت شیخ العالم کا پرورش و مرتبہ تکمیل تک پہنچاتا رہا۔

لطائف قدوسی میں رقم ہے کہ جب آپ نے غلبہ سودائے عشق و جذبہ باطن سے تعلم علم ظاہری کو خیر باد کہا تو قصبہ رودولی سے نکل کر جنگل کی راہ اختیار کی ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ اثنائے راہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا حق تعالےٰ کی طلب میں جا رہا ہوں۔ اس بزرگ نے فرمایا

کہ تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ تم حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق رضی اللہ عنہ، کی درگاہ پر واپس جاؤ وہیں سے تمہیں گوہرِ مقصود و مطلوب حاصل ہوگا۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹے اور حضرت شیخ العالم کی درگاہ پر حاضر ہوئے اور وہاں پر حضرت شیخ پیارے کے خادم بزرگ حضرت شیخ احمد عارف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے حضرت شیخ پیارےؒ سے عرض کیا کہ میں طالب علم توحید ہوکر آیا ہوں۔ کچھ میری مدد کرو۔ حضرت شیخ پیارےؒ نے آپ کی طلب وجذبہ کی بہت قدر کی اور آپ کے حال پر بہت کچھ توجہ و مہربانی مبذول فرمائی، اور اپنی صحبت میں رکھا۔ لیکن تعلیم باطنی شیخ العالم کی روحِ مبارک سے ہوتی تھی یہاں تک کہ آپ شغل باطن میں واسطہ و رابطہ حضرت شیخ العالم کے جمال باکمال کا تھا، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وقت تہجد یا نماز فجر کے وقت شیخ العالم تشریف لاتے اور آپ کو بیدار کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ العالم کے حق حق حق کی آواز میرے کان میں آتی تھی اور میں ہوشیار ہو جاتا تھا۔ لطائف قدوسی میں قصہ آپ کی ارادتِ ظاہری کا اس طور پر لکھا ہے کہ حضرت شیخ محمد بن احمد عارف رضی اللہ عنہما آپ کے ہم سن تھے۔ اس لئے توجہ و التفات آپ کی جانب کم تھی۔ چاہتے تھے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ جب یہ خطرہ آپ کو پیدا ہوتا تو روح مبارک حضرت شیخ العالم کی باطن میں حاضر ہوتی اور فرماتے کہ تو مرید ہمارا ہے ہرگز کسی دوسری جگہ کا قصد نہ کر۔ پس آپ سکوت کر کے رہ جاتے۔ آخر الامر یہ معاملہ کئی بار پیش آیا، تو آپ نے اپنے دل میں کہا کہ بے شک میں مرید آپ کا ہوں لیکن من حیث الظاہر مجھے کسی کا مرید ہونا ضروری ہے۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ حضرت شیخ العالم جسم ظاہری کے ساتھ ظاہر ہوئے اور فرمایا کیا ہنوز تجھ کو کوئی شبہ باقی ہے کیا اب بھی تو مجھ کو مردہ خیال کرتا ہے تو ہرگز کسی جگہ مت جا کیونکہ تو مرید ہمارا ہے۔ یہ فرما کر مجھ کو شیخ محمد رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور آپ مرید شیخ محمد کے ہوئے۔

اسی موقع کی نسبت حضرت شیخ عبدالستار سہارنپوری علیہ الرحمۃ مرید و خلیفہ آپ کے اپنی کتاب ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ پنج شنبہ کا روز تھا۔ حضرت شیخ العالم کے مزار مبارک پر ایک مجمع لگا ہوا تھا۔ اور آپ قریب چبوترہ کے بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ مزار مبارک حضرت شیخ العالمؒ کا شق ہوا اور آپ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا ۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجان وگر تو آئی بتن،

یہ دیکھ کر آپ کے بدن پر لرزہ طاری ہوا۔ اور بے اختیار حضرت شیخ العالمؒ کے
ئے مبارک پر گر پڑے۔ حضرت شیخ العالمؒ نے نہایت شفقت سے آپ کا ہاتھ پکڑا،
ر فرمایا کہ میں تجھ کو حق تعالے کو پہنچایا۔ چنانچہ اس منظر کو سب حاضرین نے دیکھا۔ ایسے
ارق سوائے حضرت شیخ العالمؒ کے کسی دوسرے ولی اللہ سے ظاہر نہیں ہوئے۔ حضرت
شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ آپ کے صاحبزادے مؤلف لطائف قدوسی فرماتے ہیں
ہ حضرت شیخ محمد علیہ الرحمۃ اگرچہ آپ کے پیر تھے۔ لیکن تعظیم وتکریم آپ کی بہت
رتے تھے۔ اور خود آپ کا یہ حال تھا کہ کُل خدمت حضرت پیر دستگیر کے گھر کی
یہاں تک کہ آب کشی وگُل کاری وہیزم تراشی اور جاروب کشی وغیرہ سب آپ کی ذات
کے متعلق تھیں اور ہر جمعہ کو معمول تھا کہ آپ تمام کپڑے اپنے پیر کے اور پیر کے گھر کے
تمام لوگوں کے اپنے سر پر رکھ کر دھونے لے جاتے تھے اور پھر دھو کر اسی طرح سر پہ
لاتے اور اس اہتمام سے غرض یہ تھی کہ آپ ایک لحظہ بھی اپنے آپ کو معطل نہ رکھیں اور
ذکر وفکر سے غافل نہ ہوں تاکہ نفس وشیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔

مرات الاسرار میں ہے کہ جب آپ سارے مقامات سیر وسلوک کو تمام کر کے
مرتبہ تکمیل اور ارشاد کو پہنچے تو آپ کو حضرت شیخ العالم علیہ الرحمۃ نے عالمِ روحانیت میں
فرمایا کہ ہم نے تم کو ولایت بالادست دی اور قطبِ عالم بنایا۔ پس آپ بعد چند روز
کے ۸۹۶ھ بعہد سلطنت سلطان سکندر لودھی حسبِ درخواست عمر خان کاشی کے
جو امرائے سلطانی سے تھے اور آپ سے ارادتِ خاص رکھتے تھے قصبہ رودولی سے اپنے
ہمراہ شاہ آباد میں لائے جو توابع دہلی سے تھا اور آپ نے سکونت وہاں کی اختیار کی اور
بہت کچھ شہرت پائی اور ۳۶ برس تک وہاں پر خلقِ خدا کو رشد وہدایت کرتے رہے
جب ۹۳۲ھ میں ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ہندوستان میں آئے اور تمام ہندوستان
کو فتح کر لیا۔ اور قصبہ شاہ آباد کو بوجہ کثرت سکونت افاغنہ ویران وبرباد کر دیا تو اس
وقت آپ معہ اہل وعیال کے قصبہ گنگوہ میں متوطن ہوئے آپ نے چوراسی برس کی عمر
پائی۔ سلاطین وقت آپ سے ارادت خاص رکھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تعداد آپ کے

خلفاء کی تقریباً پانچ ہزار تھی اور مریدوں کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ لطائف قدوسی میں
کہ ہر چند آپنے علم ظاہر کو پورے طور سے حاصل نہیں کیا تھا اور ہمیشہ ویرانوں و تنہا
جگہوں میں رہ کر ریاضت و مجاہدات میں عمر بسر کی تھی لیکن چونکہ تعلیم یافتہ ازلی
علم لدنی کے تمام علوم ظاہری و باطنی میں اس درجہ ماہر و کامل تھے کہ علماء و فض
وقت کو آپ کے سامنے دم مارنے کی تاب نہ تھی۔ آپ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے
میں سوائے اطاعت و تسلیم کے اور کوئی دوسری راہ نہ پاتے تھے۔ لطائف قدوسی
کہ معاملہ باطن میں حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان
کے دہن شریف میں دی اور آپ کو قرآن مجید پڑھنا سکھایا۔

اور کتاب انوار العیون فی اسرار المکنون بھی آپ کی تصنیف لطیف سے
میں سات باب ہیں اوّل باب میں حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق رضی اللہ
فضائل و مناقب آپ نے لکھے ہیں اور آپ کے خوارق و کرامات اور اپنی عقید
کا ذکر کیا ہے اور خوش خطی و حرفوں کی ملاحت تو آپ کو ایسی نصیب ہوئی تھی
ہی کسی کو نصیب ہوئی ہوگی چنانچہ مصحف و نسخہ کافیہ وغیرہ جو بقلم خاص آپ کے
ہے قابلِ دید ہے۔

چند کشف و کرامات

۱۔ حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ فقیر طالب
ہوا اور آپ کی شرفِ بیعت سے مشرف ہوا تو اس وقت آپ نے
درود و وظائف کا حکم نہیں دیا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ وقت ضائع
کچھ شغل و ورد و وظائف کا کرنا چاہیئے پس میں نے بلا اذن و واقفیت
کے ایک اوراد کی کتاب لے کر مطابق اس کے عمل شروع کر دیا اور
واسطے قدم بوسی کے حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی شغل
کرو جب ہم کہیں گے تو اس وقت شروع کرنا۔

۲۔ آپ کو حجرہ کی چھت کے لئے لٹھوں کی ضرورت تھی ملک مبارک خضر
جو آپ کے مرید تھے۔ پہاڑ سے لٹھے کٹوا کر بھجوا دیئے لیکن جب

توسب چھوٹے نکلے بڑھئی اور کاریگروں نے اس بات کی اطلاع آپ کی خدمت میں کی آپ نے فرمایا کہ لکڑی حق تعالےٰ کی قدرت سے جنگل میں بڑھتی ہے پس یہاں پر بھی اس کی قدرت کاملہ اس کے بڑھانے پر قادر ہے پس جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھت پر ڈال دو پس جب لٹھے چڑھائے گئے تو سب پورے بلکہ کچھ بڑے ہو گئے۔

۳۔ مولانا چندن آپ کے مرید تھے کپڑا دھونے کے لئے ندی پر گئے وہ جگہ تنہائی کی تھی وہاں پر ایک حسین وجمیل عورت کو دیکھ کر قدمِ عافیت ان کا ڈگمگایا اور قریب تھا کہ ان سے کوئی حرکتِ ناشائستہ سرزد ہو جاتی اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ آپ عصا مبارک لئے ہوئے بالائے آب کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئے اور برائی سے محفوظ رہے۔ جب بعد کئی روز کے شرماتے شرماتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے تبسّم فرمایا اور ارشاد کیا کہ کچھ اندیشہ نہ کرو۔ پیر ہر حال میں مُرید کا محافظ ہوتا ہے۔

۴۔ آپ کے مُرید شیخ بھوردیر ایک مکّار عورت نے ناحق دعوے امانت میں خیانت کرنے کا کیا تھا حاکم نے اُن کو طلب کر کے قید خانہ میں ڈالدیا اور لوہا گرم کر کے ان کے ہاتھ پر رکھنا چاہا۔ انہوں نے اس مشکل کے وقت آپ کو یاد کیا آپ اسی وقت آپہنچے اور فرمایا کہ تم کوئی اندیشہ نہ کرو انشاءاللہ سب معاملہ بخیریت تمام انجام پائے گا۔ اس سے شیخ بھوردکی تسکین ہو گئی۔ آخر ظالم حاکم نے لوہا خوب سُرخ کر کے ان کے ہاتھ پہ رکھا۔ لوہے کا ہاتھ پر جانا تھا کہ برف کی مثل ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حاکم سخت شرمندہ ہُوا اور معذرت خواہ ہو کر آپ کی باعزّت رہائی کا حکم دیا۔

۵۔ حضرت شیخ عبدالسّلام معروف شاہ اعلیٰ قدس سرہٗ صاحب سیر الاقطاب کے فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر رضی اللہ عنہ کے مزارِ اقدس پہ حاضر ہُوا تو میں نے دیکھا کہ سرِ مُبارک قلندر صاحب کا قبر پہ اور پائے مُبارک ایک روشن چہرہ مرد کے زانو پہ ہیں۔ یہ دیکھ کر میں سخت خوف زدہ ہُوا اور مرد روشن چہرہ نے اُٹھ کر مجھے حضرت قلندر صاحبؒ کے قدموں پہ ڈالا اور فرمایا کہ یہ میرا پیرزادہ ہے۔ پھر ایک ساعت کے بعد دونوں بزرگ،

میری نظر سے غائب ہو گئے۔ پھر سات برس کے بعد میں نے اس بزرگ روشن چہرہ کو کرنال میں دیکھا۔ تو وہ حضرت شیخ قطب العالم عبد القدوس قدس سرہٗ تھے۔

کلماتِ طیّبات

۱۔ انبیاء ہوں خواہ اولیاء۔ بلا سب کے لئے ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ کسی کے لئے بطریق ابتلاء و امتحان کے اور کسی کے لئے از راہ خسران و عصیان۔ تلوار مارنے اور تلوار کھانے والے اور ہیں اور پیالہ چاٹنے و ثرید کھانے والے اور ہیں۔ مثنوی ؎

طالبانِ راہ حق خوں خوردہ اند — بندگی و حق گزاری کردہ اند
لاجرم در بندگی سلطان شدند — مہترِ خلق جہاں ایشاں شدند

۲۔ فقر وہ چیز ہے جس پہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فخر تھا۔ حقیقت فقر کی کمال استغنا ہے فقر کے دو رخ ہیں۔ فنا و بقا۔ غیر ہے۔ اس کی فنا اور جو کچھ عین ہے اس کے ساتھ بقا۔ جب فقر فقیر تمام ہوتا ہے تو متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ اور نشان حق تعالیٰ کا ہے۔ حضرتِ منصور علیہ الرحمۃ کا عین الحق فرمانا اور سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا سبحان ما اعظم شانی کہنا اسی مقام پر قیاس چاہیئے۔ جب آئینہ صاف ہوتا ہے تو قابل عکس آفتاب کے ہوتا ہے نشان آفتاب کا دیتا ہے۔ اس وقت دعوائے آفتابی اس کے لئے درست ہے۔ ہستی مطلق صرف حق تعالیٰ کے لئے ہے جب شغل غیر کا نہ رہا نہ رہا۔

تا تو مے باشی عدو بینی ہمہ — چوں شوی فانی احد بینی ہمہ فہم من فہم

۳۔ اگرچہ حق تعالیٰ کی راہیں تمام مخلوق کے انفاس کی تعداد کے مطابق ہیں لیکن کوئی راہ عزیز تر و شریف تر و قریب تر و آسان تر راہ پیری و مریدی کے نہیں۔ کسی نے پوچھا کہ پیر رہ کبریت آمدہ است کے کیا معنی ہیں آپ نے ارشاد فرمایا

کہ کبریت احمر اکسیرِ اعظم کو کہتے ہیں۔ کہ اگر ایک ذرّہ اس کا مس میں پڑ جائے۔ تو سونا ہوجائے پس پیرِ کامل کی بھی یہی صفت ہے جس نے اس کی صحبت صدقاً و اخلاصاً و اطاعتہً اختیار کی وہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے حق تعالیٰ کو پہنچا اور یہ فضلِ حق تعالیٰ کا دریاب اولیأ کے ہے کہ نظر اُن کی شفا اور کلام ان کا دوا ہے۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود گوشۂ چشم بما کنند

۱۔ ہر چند درویش عالم تحقیق کو پہنچ جائے، ولی، غوث و قطب اور ابدال ہوجائے لیکن اس پر بھی غم دین اور شوق ربّ العالمین سے فارغ نہیں ہوتا۔ بلکہ ذوق و اضطراب دین اور شوق قُربِ رَبُّ العالمین اور غالب ہوتا ہے۔ درویش کو لازم ہے کہ وہ ہمیشہ باحق رہے۔ اور جو کچھ سوائے حق کے ہو اسے فراموش کر دے تاکہ فائز الحق ہو۔

۔ مقصودِ علم سے عمل ہے۔ قیامت میں سوال عمل کا ہوگا نہ کہ بسیاریٔ علم کا مقصودِ عمل سے اخلاص و محبت حق تعالیٰ کی ہے اور مقصود اخلاص و محبت سے محبُوب برحق ہے۔

"إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"

حضرت شاہ جلال الدین تھانیسری قدس سرہٗ

آپ خلیفۂ اکبر حضرت قطب عالم عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کے تھے۔ آپ یکم رجب ۸۶۷ھ میں پیدا ہوئے بتاریخ ۱۷۔ رجب المرجب ۸۹۷ھ کو خلافت حاصل کی اور بتاریخ ۱۵۔ ذوالحج ۹۸۹ھ کو رحلت فرمائی۔ مزار پُر انوار تھانیسر میں ہے ۹۶۵ھ کو ابوالفتح جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان سلسلہ چشتیہ صابریہ میں آپ کے مرید ہوئے۔ بعد حصولِ شرف ارادت بادشاہ نے عرض کیا کہ حضور غلام کے حق میں دُعائے خیر فرما دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکبر بابا خلق اللہ پر ظلم نہ کرنا، عدل و انصاف سے حکومت کرنا۔ فسق و فجور سے باز رہنا، خاندانِ چشتیہ سے بادل و جان محبت رکھنا۔ اور خلیفہ اکبر خاندان صابریہ کا مُطیع و فرمان بردار رہنا۔

آپ مشائخ روزگار اور اولیائے صاحبِ اسرار سے اور علوم ظاہری و باطنی میں

کامل اور رموزِ صوری و معنوی سے واقف اور بڑے صاحبِ حال و اطوار تھے۔ سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت قطب العالم شیخ عبد القدوس گنگوہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت میں حق تعالیٰ مجھ سے استفسار فرمائیگا کہ تم دنیا سے ہماری بارگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو تو میں شیخ جلال الدین تھانیسری رح کو حاضر کر دوں گا۔

کلماتِ طیّبات

۱۔ درویش بشرط پیروی قول و فعل و حال اپنے پیغمبر کے ولی ہوتا۔ اگر مخالف ہے کوئی چیز از قسم کرامت ظاہر ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ اگر فاسق تو معونت ہے اگر کافر ہے تو استدراج ہے

۲۔ مشیخیت کے لئے تین شرطیں ہیں۔ اگر یہ تینوں نہ ہوں تو مشائخ کہلانے کا دعوٰے غلط ہے۔ اوّل شرط تین علم یعنی شریعت طریقت و حقیقت کا علم دوسری شرط یہ ہے کہ اُس زمانہ کے عقلا و فضلا اس کو قبول کریں۔ تیسری یہ ہے کہ اس کو سوائے حق تعالےٰ کے اور کوئی طلب نہ ہو۔ جاہل صوفیوں سے بچو کیونکہ وہ دین کے چور اور مسلمانوں کے رہزن ہیں۔

۳۔ کسی صاحبِ دل کی زیارت یا پیر کی صحبت یا کسی عالم ربّانی کی مجالست درجہ فاضل تر ہے اُس سے کہ کوئی مُصلّے پر بیٹھکر اَوراد میں مشغول ہو کیونکہ اَوراد ذکر کی یاد دہی کرتی ہے اور صحبت مذکور کی۔

۴۔ جب مسائلِ کلامیہ میں گفتگو فضائلِ صحابہ کرام کے بارے میں ہوتی ہے تو کسی سے مباحثہ شروع نہیں کرتا۔ اگر مخلصانِ اصحاب میں سے کسی وقت بحث کی نوبت پہنچتی ہے تو میرا یہی عقیدہ ہے افضل صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق رض پھر حضرت عثمان غنی رض پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں

حضرت شاہ نظام الدین بلخی قدس سرہٗ

آپ خلیفہ اکبر حضرت شاہ جلال الدین تھانیسری علیہ الرحمۃ کے تھے۔ آپ ۱۲ رجب المرجب سنہ ۹۱۲ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۱ شوال سنہ ۹۸۲ھ کو خلافت حاصل کی

رجب المرجب ۱۰۱۷ھ کو رحلت فرمائی۔

آپ سید الاولیاء، سند الاذکیا، جمالِ طریقت، کمالِ حقیقت اور کراماتِ ظاہری و کمالاتِ باطنی سے مالا مال، علم میں اکمل اور عمل میں افضل تھے۔ آپ ہمیشہ فقراء کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی تعظیم و تکریم میں بہت مبالغہ فرماتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ فقراء اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلعم کے دوست ہیں۔ ایسا کون سا دل ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دوست کو دوست نہ رکھے۔ کلام آپ کا مقبول انام تھا جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا تھا سب اس کو دل و جان سے قبول کرتے تھے، آپ کو کشفِ قلوب و کشفِ ارواح بھی حاصل تھا۔

کلماتِ طیبات

۱۔ زمین سخیوں پر ناز کرتی ہے اور ان کے ہر قدم پر ایک نیکی ان کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ داخلہ سخیوں کا بہشت میں سب سے ہزار سال پیشتر ہو گا۔

۲۔ شریعت میں شراب پینا حرام ہے لیکن طریقت میں سیر ہو کر پانی پینا بھی روا نہیں۔ کیونکہ اطاعت میں کاہلی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ جس شخص میں یہ تین خصلتیں موجود ہوں بہ تحقیق وہ حق تعالیٰ کا دوست ہے سخاوت مثل سخاوت دریا کے شفقت مثل شفقت آفتاب کے تواضع مثل تواضع زمین کے۔

۴۔ شور و فریاد عاشق کا اسی وقت تک ہے جب تک کہ مشاہدہ سے دور ہے۔ جہاں مشاہدہ کو پہنچا ساکت ہو گیا جس طرح ندی نالوں کی رواں حالت کس زور شور سے ہوتی ہے۔ مگر جہاں دریا میں پہنچے ساکن ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی قدس سرہٗ

آپ خلیفہ اکبر حضرت شاہ نظام الدین سرہٗ کے تھے۔ آپ بتاریخ ۱۴ ماہ شعبان ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱ ماہ شوال ۹۹۸ھ کو خلافت حاصل کی اور یکم ماہ ربیع الثانی ۱۰۴۳ھ میں رحلت فرمائی۔ ۱۰۲۵ھ میں نورالدین جہانگیر بادشاہ آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور شرفِ بیعت سے مشرف ہو کر دعائے خیر کا

طالب ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ضرور تمہارے حق میں دعا کروں گا بشرطیکہ تم وعدہ کرو کہ خلق اللہ کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آؤ گے ظلم اور فسق و فجور سے باز رہو گے۔ خواجگان چشت کی عزت و حرمت ہمیشہ نگاہ میں رکھو گے اور خاندان صابریہ کے خلیفہ اکبر کے مطیع و منقاد رہو گے۔ بادشاہ جہانگیر نے آپ کے ان تمام ارشادات عالیہ کو من وعن قبول کیا اور ان پر مستحکم رہنے کا وعدہ کر کے دارالسلطنت کو واپس آیا۔ اور عدل وانصاف سے حکومت کرنے لگا۔ ماہ شعبان ۱۰۳۶ھ میں بادشاہ جہانگیر نے بموجب ارشاد اپنے پیرو مرشد حضرت ابوسعید علیہ الرحمۃ کے روضہ شریف حضرت بادشاہ دوجہاں سلطان الاولیا مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری قدس سرہٗ کی جو شکستہ ہو گیا تھا اُس کی مرمت کروائی۔

کلماتِ طیّبات

۱۔ سالک کے دو مقام ہیں صحو و محو۔ صحو ہوشیاری ہے اور محو مستی پس سالک کو چاہیئے کہ ہوشیار رہے تاکہ جوارح و اعضا کے عمل سے نہ گرے۔ یہی کمال ہے۔ علاوہ اس کے سالک کے لئے دو مقام اور ہیں ابتدا و انتہا۔ ابتدا توبہ کا صحیح کرنا اور یہ دو طرح پر ہے ایک شریعت و طریقت کی معاصی سے توبہ کرے دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ کرے اور مقام انتہا تمکین اللہ ہے اور یہی وصول مقصود ہے عاقل کو چاہیئے کہ قدیم کو اختیار کرے اور محدث کو چھوڑ دے وہ عاقل نہیں جو نعمت میں مشغول ہو اور نعمت دینے والے سے غافل ہو۔

حضرت محمدؐ صادق گنگوہی قدس سرہٗ

آپ خلیفہ اکبر شیخ ابوسعید صاحب چشتی صابری قدس سرہٗ کے ہیں۔ آپ ۱۷ ربیع الثانی ۹۸۷ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۳ شوال ۱۰۱۲ھ میں سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خلافت حاصل کیا۔ اور ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی مزار پر انوار گنگوہ شریف میں ہے۔

آپ عبادت و ریاضت و زہد و تقویٰ و تفرید و تجرید میں رتبہ اعلیٰ رکھتے

اور حلم وحیا وصدق وصفا۔ جود وسخا۔ نصیحت وشفقت والفت ومروت وبردباری و کسرِ نفسی وحسنِ ظن وحسنِ اخلاق وغیرہ میں یکتائے زمانہ تھے۔

کلماتِ طیبات

۱۔ تین باتوں سے حذر کرنا چاہیئے۔ کبر۔ حرص۔ اترا ہٹ۔ کیونکہ حق تعالےٰ متکبر کو اس جہاں سے باہر نہیں لے جاتا جب تک کہ اس کو ذلیل وخوار نہیں کرا لیتا، اور حریص کو اس جہاں سے باہر نہیں لے جاتا جب تک کہ اس کو بول براز میں لٹا نہیں لیتا۔

۲۔ مراقبہ یہ ہے کہ ہمیشہ اس بات کو جانے کہ حق تعالےٰ کو میرے ظاہر وباطن سے کوئی پوشیدہ نہیں وہ میری ہر حالت سے باخبر ہے۔ نہ یہ کہ سر کو زانو پر رکھ کر بیٹھا رہے۔

۳۔ طالب پر واجب ہے کہ پہلے علم حاصل کرے بعد اس کے عمل میں مشغول ہو طالب کو بغیر مرشد کے چارہ نہیں اور طالب کو چاہیئے کہ ایک کا مرید ہو اور اسی پر حسنِ اعتقاد ویقین محکم رکھے۔

حضرت شیخ محمد داود قدس سرہٗ

آپ خلیفہ اکبر حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی قدس سرہٗ کے تھے۔ آپ بتاریخ ۲۵ ربیع الثانی ۱۰۲۵ھ کو پیدا ہوئے اور بتاریخ ۱۲ رجب ۱۰۴۲ھ کو خلافت حاصل اور بتاریخ ۱۷ رمضان المبارک ۱۰۸۰ھ کو رحلت فرمائی مزار پر انوار گنگوہ شریف میں ہے۔

آپ عالم علوم ظاہری وباطنی وواقفِ رموزِ صوری ومعنوی اور اپنے وقت کے مرشد کامل اور بڑے متقی وپرہیزگار اور عابد وزاہد تھے۔

کلماتِ طیبات

۱۔ جو یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی عبادت وریاضت اس کو آگ سے بچا کر بہشت

میں پہنچا سکتی ہے وہ خطرے میں ہے اور جو اعتماد حق تعالیٰ کے فضل پر رکھتا ہے وہ ضرور بہشت میں جائے گا۔ اسباب پر بھروسہ کرنا مسبب الاسباب پر اعتماد کرنے سے منقطع ہوتا ہے۔

۲۔ اگر مرید کو اپنے پیر پر کوئی بدگمانی یا وسوسہ پیدا ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ فوراً تجدید بیعت کرے اگر پیر موجود نہ ہو تو جامہ پیر کا یا کوئی دوپٹہ و رومال جو پیر نے عطا کیا ہو اُسے سامنے رکھ کر اس سے بیعت کرے حضرت شیخ السلام فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی صمدی قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ محمد داؤد قدس سرہٗ کے خلیفہ اکبر تھے۔ آپ گیارہ شوال ۱۰۲۵؁ھ میں پیدا ہوئے ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۷۰؁ھ میں خلافت حاصل کی اور ۱۱ ربیع الاوّل ۱۱۶۰؁ھ میں رحلت فرمائی مزار پُرانوار انبیٹھ شریف ضلع سہارنپور میں واقع ہے آپ زُہد و تقویٰ و ترک و تجرید میں یگانہ وقت تھے۔ خلوت نشینی و گمنامی کو بہت دوست رکھتے تھے شہرت و نام و نمود سے سخت نفرت تھی۔ شریعت عزہ و سنّت سنیہ کے ایسے پابند تھے کہ کبھی کوئی فعل و قول آپکا خلاف شریعت و سنّت کے نہیں ہُوا اور اخلاقِ حمیدہ و تواضع منکسرانہ کا یہ حال تھا کہ ہر کس و ناکس کے ساتھ نہایت کشادہ پیشانی اور لطف و مدارت کے ساتھ پیش آتے۔ شفقتِ کریمانہ اس درجہ تھی کہ ہر خواص و عام آپ کو اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز رکھتا اور عزت و تکریم کرتا تھا۔

کلماتِ طیّبات

۱۔ بیعت وہی بیعت ہے جو ظاہراً شیخ حیّ و قائم کے ہاتھ پر کی جائے۔ بیعت در بیعت سوائے بعض حالتوں کے درست نہیں ہے۔

۲۔ جس شیخ میں دس صفتیں نہ ہوں وہ شیخ نہیں:۔

(۱) ریاضات و مجاہدات میں طاق ہو (۲) تمام قول وفعل اس کے موافقِ شرع شریف کے ہوں (۳) مؤدب وادب آموز ہو (۴) ریاکار نہ ہو (۵) سخاوت پیشہ و متوکل ہو (۶) تمام کام نرمی سے کرے۔ مسکین نواز و مسافر پرور ہو (۷) جائز کاموں میں صراحتاً اور خاص خاص مواقعہ پر اشارتہً وکنایتہً امر کا عادی ہو (۸) ہر خاص وعام کیلئے دل جوئی میں یکساں معاملہ رکھے (۹) جن چیزوں سے اجتناب کرے نہ پھر خود کرے نہ دوسرں کو اجازت دے (۱۰) جسے ایک بار قبول کرے پھر اس کو رد نہ کرے۔

۳۔ سرمایہ صوفیوں کا سوائے فراغِ دل اور جمعیّت باطن کے نہیں۔ اگر دل ایک ساعت بھی حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہو تو ہزار بہشت بھی اس ایک ساعت پہ قربان ہوں ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بخو بروئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ عمر ہاؤ ہوئے

حضرت سیّد شاہ میراں بھیکھ چشتی صابری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ ابو المعالی صمدی چشتی صابری قدس سرہٗ کے خلیفہ اکبر تھے آپ ۱۳ ار جمادی الثانی ۱۰۸۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۲۔ رمضان المبارک ۱۱۱۶ھ میں خلافت حاصل کی اور ۵ رمضان المبارک ۱۱۶۹ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار پُر انوار گھسکہ ضلع سہارن پور میں ہے۔

آپ ولی مادرزاد، صاحب ارشاد وکامل طریقت، ماہرِ حقیقت، اختر برج سیادت گوہر درج سعادت، آلِ مصطفےٰ، اولادِ مرتضےٰ، علوم ظاہری وباطنی میں طاق کشف و کرامات میں یگانہ آفاق اور جمیع علوم ظاہری وباطنی میں کامل واکمل تھے۔

منقول ہے کہ عالم طفولیت سے ہی آثار بزرگی کے آپ کے ناصیہ حال سے ظاہر وباہر تھے جس وقت آپ کی عمر سات برس کی تھی تو آپ کو بغرض حصول تعلیم ایک مولوی صاحب کے سپرد کر دیا۔ علاوہ تعلیم کے آپ مسجد کی جاروب کشی اور مولوی صاحب کے گھر کے کام کے علاوہ مولوی صاحب کے گھر کے لئے کنویں سے پانی بھی لایا کرتے تھے۔ جب کچھ عرصہ اسی حالت میں گزر گیا۔ ایک روز آپ پانی کا گھڑا سر پہ

اٹھائے آ رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے ایک صاحب نظر درویش بھی آ رہے تھے۔ جونہی اس درویش کی نظر آپ پر پڑی، تو وہ حیرت میں ڈوب گیا۔ اس لئے کہ وہ پانی سے بھرا ہوا گھڑا آپ کے سر سے چار انگشت اوپر تھا۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے مسجد تک آیا، اور مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ یہ صاحب زادہ کون ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ سیّد زادہ میرا شاگرد ہے۔ جب اس درویش نے مولوی صاحب کے باطن پر نگاہ ڈالی تو وہ کبوتر سے بھی کمزور دکھائی دیا تو اس صاحب نظر درویش نے مولوی صاحب سے کہا کہ یہ باز تمہارے بس کا نہیں اس کو کسی شہباز کے سپرد کر کے اپنی جان بچاؤ تو اس صاحب حال درویش نے آپ کو شاہباز لاہوتی حضرت شاہ ابوالمعالی صمدہ چشتی صابری قدس سرہٗ کے حضور پیش کیا۔ آپ نے مسلسل پچاس برس تک اپنے پیر و مرشد کی دن رات خدمت کی یہاں تک کہ اس خدمت گزاری میں اپنی ہستی کو بھول گئے۔ جدھر دیکھتے سوائے پیر کے اور کچھ نظر نہ آتا چنانچہ اپنی اسی حالت کو آپ نے اپنے الفاظ میں یوں فرمایا۔

سُنم سُنم مہاں سب اوہنگ سونگ چھوٹ گیا۔ وہاں جپ اور جاپا دونوں رہے
ناراَئن ہرے ناراَئن ہرے۔ کچھ کہ پایا کا انت نہیں سب سگن ہوئے پورے ہوئے
بھیکھ معالی ہے معاں بھیکھ ہے، ناراَئن ہرے ناراَئن ہرے۔

ایک دوسری جگہ آپ نے یوں فرمایا ہے ؎

ہر روٹھے گرسیل دے گُر روٹھے نہیں ٹھور
بھیکھ وہ تر کوڑ ہیں جو گُر کو سمجھیں اور

روشن الدولہ ظفر خاں رستم جنگ محمد شاہ دہلی کا وزیر اعظم اور آپ کا مرید تھا ایک سال خشک سالی واقع ہوئی۔ بادشاہ نے روشن الدولہ سے کہا کہ تم میراں شاہ بھیکھ قدس سرہٗ کے مرید ہو۔ لہٰذا تم بارش کی دعا کرو۔ روشن الدولہ بادشاہ کے حکم پر مجبور ہو کر چار پہر جمنا کی ریت پر سر برہنہ سر بسجود ہو کر یا بھیکھ یا بھیکھ پکارتا اور روتا تھا۔ اسی حالت میں نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ عالم ارواح میں حضرت میراں بھیکھ قدس سرہٗ سے لے کر حضور آقائے دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام خواجگانِ چشت اہلِ بہشت سر برہنہ بارانِ رحمت کے لئے دعا فرما

رہے ہیں۔ روشن الدولہ یہ رُوح افزا منظر دیکھ کر جب بیدار ہُوا تو دیکھا کہ آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ قحط سالی کا خطرہ ٹل گیا۔ اس شکریہ میں بادشاہ نے چوبیس گاؤں روشن الدولہ کو بعطائے سند دوامی دیئے اور اُنہوں نے یہ گاؤں بجنسہٖ حضرت میراں صاحب کی نذر کئے اور عرض کیا کہ اس سے طالبانِ خُدا کے لئے لنگر جاری کیا جائے چونکہ روشن الدولہ آپ کا محبّ صادق تھا آپ نے اس کی محبت و اخلاص کی وجہ سے اس کی خوشی کو نہ رَدّ کیا اور اسناد مذکور اپنے ہادی برحق حضرت شاہ ابو المعالی کی نذر کر دیں۔ اور روشن الدولہ سے فرمایا کہ اے طالبِ دُنیا تو نے ایک دنیاوی بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے تمام حضرات کو تکلیف دی۔ کاش تو خُدا کی طلب میں اس قدر اضطرارِیِ قلب ظاہر کرتا تو یقیناً تو خُدا کو پا جاتا۔ لیکن خبردار پھر ایسی دُعا نہ کرنا کیونکہ اس سے مرضیِ الٰہی سے تخالف پیدا ہوتا ہے اور بندۂ خاص کا مقام تسلیم و رضا ہے۔

کلماتِ طیّبات

۱۔ مُرشد کامل نائب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ لیکن وہ مُرشد کہ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت سے آگاہ ہو اور آداب و احکام آثار ان تینوں مراتب کے اس سے ادا ہوتے ہوں۔ اور شرط یہ بھی ہے کہ وہ مرفوع الازجات ہو، ہاتھ اس کا ہاتھ رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور حضرت رسالتمآب صلعم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے پس ایسے مُرشد محمدؐی مشرب سے بیعت جائز ہے مسنُون ہے اور خلافِ شرع اگر کوئی شخص خواہ ہوا پہ کیوں نہ اُڑتا ہو، مُلحد ہے اور ایسے شخص کو جو مرشد مان کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ بھی مُلحد ہوگا۔

۲۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَاتَّبَعَ السَّبِیْل اس آیۂ مبارکہ سے وسیلہ فرض قرار دیا گیا اور وہ وسیلہ مرشد کامل مرفوع الازجات پابندِ شریعت حضرت محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے اور مُرشد کامل برزخ جامع ہے بین الوجوب والامکان حضرت مرشد از روئے صورت حادث ہے اور از روئے معنی قدیم مثل لفظ اور معنی کے اور جس نے حضرت مُرشد کو از روئے

صورت و معنیٰ کے جانا اور پہچانا اس نے خدا اور رسولؐ کو جانا اور پہچانا کیونکہ حقیقت ذاتیہ وصفاتیہ اور اضافیہ و ثبوتیہ حضرت مرشد پاک کی برزخ جامع چنانچہ حضرت مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

درمیان جان و جاناں چیست دانی مغربی
برزخ جامع خطِ موہوم حد فاصل است

اور سمجھ لو کہ یہ ایک راز ہے کہ سوائے عارفوں کے کوئی اس کو بوجھ نہیں سکتا

حضرت شاہ عنایت جیو صاحب ذُوالقوۃ المتین قدس سرہٗ

آپ خلیفہ اکبر حضرت شاہ میراں بھیکھ قدس سرہٗ کے تھے آپ ۲۷ رجب ۱۱۰۹ھ کو پیدا ہوئے۔ ۲۷ ذوالحج ۱۱۳۱ھ میں خلافت حاصل کی اور ۵ المبارک ۱۱۹۵ھ میں رحلت فرمائی۔

آپ روشن مشیخیت میں صاحب اعتبار، علوم ظاہری و باطنی میں برگزیدہ روزگار، کشف و کرامات میں عدیم المثال عبادت و ریاضت میں مستقیم الاحوال بڑے صاحب عرفان و کبار مشائخ ہندوستان سے تھے۔

کلمات طیبات

مُرید کو ہر درے اور ہر سرے نہ رہنا چاہیئے۔ ایک دروازہ پکڑنا چاہیئے تا زیست اسی در کا ہو رہنا چاہیئے۔ اگر ایک در چھوڑ کر کسی اور در پہ جائے گا تو اس کی مثال مُرغی کے اس انڈے کی سی ہوگی جو قبل از وقت مرغی کے نیچے سے اٹھالے اس کو پھر سینکڑوں مرغیوں کے نیچے رکھو وہ گندہ ہی رہے گا۔

حضرت شاہ عبدالکریم قدس سرہٗ

آپ خلیفہ اکبر حضرت شاہ عنایت جیو قدس سرہٗ کے تھے آپ ۴ رجب ۱۱۴۲ھ کو پیدا ہوئے اور پانچ رمضان المبارک ۱۱۶۷ھ کو خلافت حاصل کی اور دو شعبان ۱۲۰۶ھ کو راہی ملک بقا ہوئے۔

آپ عالم علومِ شریعت و طریقت واقفِ رموزِ حقیقت و معرفت اور بڑے درجہ کے اہل حال و صاحب ارشاد تھے اور آپ کی علوشانی و رفعت مکانی اس سے بھی ظاہر ہے کہ سِلسلہ صابریہ، قادریہ، نظامیہ تینوں سلاسل میں مرفوع الدرجات صاحب خلافت و ارشاد تھے۔ آپ کو سِلسِلہ قادریہ عالیہ میں خلافت حضرت شاہ منور علی صاحب قدس سرہٗ سے حاصل تھی اور جو حضرت کبیرالدین شاہ دولہ قدس سرہٗ گجراتی کے خلیفہ اکبر تھے۔ اور حضرت شاہ دولہؒ حضرت قطبِ ربانی و محبوبِ سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اکبر تھے۔

حضرت منور علی شاہ قدس سرہ مکتوب نطاب نقر الفیف اپنے میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اٹھائیس برس کی عمر میں تاریخ اکیس ماہ ذوالحجہ ۵۱۹ھ بروز یکشنبہ بعد نماز مغرب کے حضرت قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت توبہ سے مشرف ہو کر بائیس برس وضو کرانے کی خدمت پر معمور رہا مورخہ ۲۷ شوال ۵۴۱ھ کو بروز چہارشنبہ بوقتِ ظہر حضرت ممدوح کو وضو کرا رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت آبِ حیات کی کیا کیفیت ہے جس کے نوش کرنے سے حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کو حیاتِ ابدی حاصل ہوئی۔ حضرت ممدوح نے ایک جرعۂ آب اپنے سیدھا ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ اس وقت فقیر کے ہاتھ میں ساڑھے چھ سو برس کی عمر کا آبِ حیات ہے لے تو نوش کرلے۔ میں نے اسی وقت نوش کرلیا اور مجھے حضرت کبیرالدین شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت پر مامور کیا اور بتاریخ سترہ ماہ ربیع الثانی ۵۷۱ھ کو قبل از نماز جمعہ حضرت قطبِ ربانی، محبوبِ سبحانی غوثِ صمدانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ برس کے بعد حضرت سید کبیرالدین شاہ دولہ گجراتی قطب الاسرار حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے بتاریخ سترہ ربیع الاول ۵۸۷ھ کو بروز دوشنبہ بوقتِ عصر مجھ کو مرتبہ تکمیل باطن پر کامیاب فرما کر بیعت خلافت و ارشاد و جملہ تبرکات بزرگانِ عظام سے مستفیض فرما کر ارشاد کیا کہ حبیب مخدوم علی احمد رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ عروج ولایت کا ہو اور تم کو باطن سے خبر ملے تو اس وقت دعائے حرز یمانی سیف اللہ کے سوا باقی سب تبرکات

ان کے حضور ارسال کر دیا اور حرز مرتضوی شریف کے لئے حضرت شاہ عبدالکریم آخون صاحب
مصطفےٰ آبادی کا حلیہ مبارک بتا کر ارشاد فرمایا کہ یہ ان کا حصہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالکریم
اللہ علیہ پندرہ ماہ ربیع الآخر ۱۱۹۹ھ بروز چہار شنبہ وقت نماز اشراق کے الہ آباد پہنچ
حضرت منور علی شاہ صاحب کے قدم بوس ہوئے آپ کو بیعت خلافت سلسلہ قادریہ سے مشرف
فرمایا۔ اور دعائے حرز یمانی شریف بموجب ارشاد حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ
اللہ علیہ میرے سپرد کی اور میری پیشانی پر بوسہ دے کر اور اپنے سینے سے لگا کر کیفیت
باطن سے مالامال کر دیا اور جان بحق تسلیم کی۔ بعد نماز عشا آپ کی تجہیز و تدفین سے فارغ
ہو کر مصطفےٰ آباد واپس آیا۔ آپ کے خلیفہ اکبر حضرت عبدالرحمٰن کبیر رحمۃ اللہ علیہ اور
ان کے خلیفہ اکبر حضرت شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ اکبر حضرت شاہ
رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ اکبر حضرت حافظ علی حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مراد آبادی اور ان کے خلیفہ اکبر اس فقیر پر تقصیر مؤلف کتاب ہذا کے پیر و مرشد حضرت قبلہ
کعبہ صوفی احمد حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ والئے گھیرہ شریف ہیں۔

حضرت قبلہ و کعبہ صوفی احمد حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

المعروف میاں صاحب گھیرے شریف والے

جس روز یہ بندہ ناچیز گم کردہ راہ قبلہ میاں صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرف
بیعت سے مشرف ہوا تو حضرت قبلہ عالم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بیٹے صدرالدین میری
اس نصیحت کو غور سے سن اور ہمیشہ اس پر کاربند رہ۔ اوّل حرص و حسد کو اپنے سے
جدا کر دے اور محبت و خدمت کو اپنے لئے ضروری اختیار کر لے۔ کیونکہ حرص کی وجہ سے
ہمارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے نکالے گئے۔ اور حسد کی وجہ
سے ابلیس راندہ درگاہ ربّ العزت ہوا جہاں میں فساد کی جڑ زیادہ تر یہی حسد و حرص
ہے۔ اور محبت کی وجہ سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ زنگی سے کافور ہوئے، اور
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غایت درجہ محبت کی وجہ سے نورالعلیٰ نور ہوئے
اور محبت کی وجہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اہلِ بیعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم کے لقب سے ملقب ہو کر دنیا میں مشہور ہوئے۔ باقی رہا خدمت، خدمت

پیغمبرؐ کی سُنت ہے۔ ہمارے آقا و مولا حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً بارہ برس اپنے پیرومُرشد حضرت بابا فرید الدین گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر کی شب و روز خدمت کی اور یہاں تک کہ آپ کو کھانے پینے کا ہوش تک نہ رہا اسی خدمت کی وجہ سے آپ کو پیرو مُرشد نے مخدوم الاعظم کا خطاب عطا فرمایا ؎

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شد
ہر کہ خود را دید اُو محرُوم شد

پس اوّل اللہ کر کو یعنی حسد و حرص کو چھوڑ کر ثانی اللہ کر محبت و خدمت کو اختیار کر اور اپنے نفس کو ذکر پاس انفاس کی سان پر چڑھائے رکھ کیونکہ نفس ایک شریر گھوڑا ہے۔ اس پر سواری گھٹی رہے تو یہ ٹھیک رہتا ہے اور شہسواروں میں وہی نام پاتا ہے جو اپنے گھوڑے کی باگ کو قابو میں رکھے۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان کی پیدائش تلاشِ حق کے لئے ہے جو اس تلاش میں نہیں وہ نقشِ سُبو ہے انسان نہیں۔ ترکِ دُنیا کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اولیائے کرام و علمائے عظام نے جو ترکِ دُنیا پر زور دیا ہے ان حضرات کی کوئی ذاتی رائے نہ تھی۔ بلکہ قرآن شریف اور احادیث کے متواتر احکام کے موجب یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ اور اس پر زیادہ تاکید اُس زمانہ میں ہوئی جبکہ قیصر و کسریٰ اور باقی تمام مفتوحہ ممالک کے خزانے مسلمانوں کے قدموں میں جمع ہو گئے تھے اس وقت یہ حالت تھی کہ سخاوت کرنے والے کو کوئی سائل نہیں ملتا تھا۔ زکوٰۃ دہندہ کو زکوٰۃ لینے والا نایاب تھا۔ اس وقت صوفیا کرام نے اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ مبادا سیم و زر کی چمک دمک دیکھ کر کہیں مسلمان خدا کو بھول کر عیش و عشرت میں نہ پڑ جائیں اور اُس وقت یہ حکم مناسب تھا اور اشد ضروری تھا۔ لیکن آج کل جبکہ مسلمان قوم زیادہ تر مفلس و نادار ہو چکی ہے۔ اس لئے موجودہ زمانہ کے مشائخ حضرات کو چاہیئے کہ بجائے ترکِ دُنیا کے ہر مُرید کو یہ نصیحت کریں کہ جائز روزی اپنی محنت سے کمائیں۔ اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات رزقِ حلال سے پوری کریں۔ ترکِ دنیا کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ انسان تمام علائقِ دُنیاوی سے قطع تعلق کر کے اور صرف لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسان کمائے کھائے پیئے پہنے۔ لیکن فضول خرچی نہ کرے اور کسی لحظہ خدا سے غافل نہ رہے۔ ماسوائے خدا کے دل کسی چیز میں اٹکائے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا

چیست دُنیا از خُدا غافل بدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

رازِ ہستی

ہم کیا ہیں، کیوں ہیں، کہاں سے آئے ہیں۔ کہاں جانا ہے۔ یہ سوالات ا
ہیں کسی فلسفی سے حل نہ ہو سکے۔ کوئی سائنس اس مشکل سے عہدہ برآ نہ ہو سکی
نکتہ داں کے ناخنِ تدبّر نے اس گرہ کو نہ کھولا حتّٰی کہ کوئی مذہب بھی اس را
ہستی کو واضح طور پر بتا دینے کا روادار نہ ہوا۔ اور آخر کار سب کو یہی کہنا پڑا "ا
ہیچ معلوم نہ شد" لیکن تحقیق و تجسّس کا مادہ جوں جوں بڑھتا گیا ہے۔ ان سوالا
ہجوم زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایک فلسفی اور حکیم
مینا خانہ حیرت میں آکر سرگرداں ہو جاتا ہے اور اس طلسم کدہ ہستی میں اپنے آپ
خیال و تمثال سے بڑھ کر نہیں پاتا۔

ایک نے اپنے وجود کو حباب کہا دوسرے نے تمام موجودات کو سراب
کہا۔ کوئی اتنے گھٹے کہ شہنشاہِ کونین ہونے کے باوجود فرمایا کہ "مَا اَنَا اِلَّا بَ
مِثْلُکُمْ"، اور کوئی اتنے بڑھے کہ صرف مصری سلطنت پر "اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰے"
دعویدار ہوئے کسی ذرہ نے "انا الشرق" کہا اور کسی بشر نے "اَنَا الْحَق" غرض
حقیقت مستورہ نے کبھی اپنے چہرہ سے نقاب نہ اُلٹا اور یہ عالم غیب کی باتیں کبھی م
شہود میں نہ آئیں۔ پس پردہ گفتگوئیں ہوتی رہیں لیکن حریم اسرار کے اندر کا حال کسی
بیان نہ کیا۔ زمانہ حال کے سب سے بڑے شاعر اور ترجمانِ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب
نے اپنے عجز کا اعتراف اسی طرح کیا ؎

نگاہ پائی ازل سے جو نقطہ بین میں نے
ہر ایک چیز میں دیکھا اسے مکیں میں
لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنّت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں
رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
دکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں
بنایا ذرّوں کی ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنی تعلیمِ اہلِ دیں میں
سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال سے راتیں گزار دی میں

عرش کا راز ہویدا کیا زمانے پر — لگا کے آئینۂ عقل دور بیں میں نے
دیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو — بنا دی غیرت کہ سرزمیں میں نے
مگر خبر نہ ملی آہ راز ہستی کی
کیا خرد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے

رازِ ہستی کے معمّہ کو حل کرانے کے لئے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ رحمت اللہ علیہ نے حضرت قلندر صاحب پانی پتی کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوال جواب طلب ارسال کیا۔

من کیہ ہیچ ن ہیچ بن ہزاروں ہزار ہیچ من خود را ہیچ میدانم وحق میفرماید کہ من در توام و شریعت می گوید کہ ادب کن پس جواب ایں ہر کلمہ قلمی فرمایند۔

جواب میں حضرت قلندر صاحبؒ نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی ؎

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من — ایں حرف معمّا نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو — چوں پردہ بیفتد نہ تو مانی و نہ من

ترجمہ: ازل کے بھیدوں کو نہ تُو جانتا ہے اور نہ میں۔ یہ معمّہ نہ تیری سمجھ میں آسکتا ہے نہ میری سمجھ میں آسکتا ہے۔ یہ من و تُو کی باتیں کے باہر کی باتیں ہیں۔ جب پردہ اُٹھ جائیگا نہ تُو رہے گا اور نہ میں۔

انسان کے ضعیف البیان ہونے کی حد ہے کہ ایک مچھر کو اُڑانے کی تاب و توان نہیں۔ اور احسن التقویم کا یہ زور کہ پہاڑوں کی عظمت بھی آنکھوں میں نہیں جچتی۔ جس بوجھ کو زمین اور آسمان نہ اُٹھا سکے۔ اور جس کا نام سن کر پہاڑ بھی ہمچک گئے وہ اس کمزور ہستی نے اُٹھایا۔ اور ظلوماً جہولا کا خطاب پایا۔ ایک طرف عقل کی نارسائی یہ کہ اپنے جسم کے بال تک کی حقیقت کو نہ جانا دوسری طرف علم طبیعات کا یہ عالم کہ برق خرمن سوز کو ایک دانے میں بند کر لیا۔ بلند حوصلگی اتنی کہ اپنے قطرہ کو دریا سمجھا اور پست ہمتی اتنی کہ اپنے دریائے ناپیدا کنار کو ایک قطرے سے کم جانا۔ حضرت غالب نے سچ فرمایا ؎

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

ارشاداتِ حکیم عمر خیام رحمۃ اللہ علیہ

اسرار حقیقت نشود حل بہ سوال — نہ نیز بدر باختن نعمت و مال
تا جان کنی خون نخوری سالہا سال — از قال ترا رہ نمایند بحال

ترجمہ:- حقیقت کے بھید سوال جواب سے حل نہیں ہو سکتے اور نہ مال و دولت خرچ کرنے سے حل ہو سکتے ہیں۔ جب تک تو سالہا سال جان کو تکلیف میں نہ ڈالے گا اور خون پسینہ نہ کرے گا تجھے مقام قال سے مقام حال تک نہیں پہنچائیں گے۔

از لعل گراں تو زمانِ دیگر است — واں دُرِّ یگانہ را نشانے دگر است
اندیشہ ایں و آں خیال من و تست — افسانۂ عشق را زمانے دگر است

ترجمہ: تیرا بیش قیمت لعل کسی اور ہی کان کا ہے اور اس دُرِّ یگانہ کا نشان پتہ اور ہی کچھ ہے۔ این و آں کا اندیشہ میرا اور تیرا خیال ہے۔ عشق کے افسانے کی زبان ہی اور ہے۔

مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

در مذہب عاشقاں قرارے دگر است — ویں بادۂ ناب را خمارے دگر است
ہر علم کہ در مدرسہ حاصل گردد — کارِ دگر است و عشق کارے دگر است

تَفَکَّرُوْا فِیْ صِفَاتِہٖ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِہٖ

تمام عمر "علم الٰہیات" میں غور و فکر کرنے کے بعد آخر کار انسان کو یہی کہنا ہے کہ اے پروردگار ہم پوری طرح جیسا چاہیئے تھا تجھے پہچان نہ سکے اور پہچان بھی کس طرح سکتے۔ انسانی عقل ایک عاجز و محدود اور ذات پاک لامحدود۔ نہ اُس کی کچھ کی خبر۔ نہ اُس کی انتہا کا علم ہے۔

آغاز کا وثوق نہ انجام کی خبر
ایسے کٹے ہوئے ہیں کسی داستاں سے ہم

نہ اُس کو کسی مکان کی پابندی، نہ زماں کی قید۔ نہ حد نہ قد نہ حصر نہ شمار۔

حضرت خاتم المرسلین محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سراپا برکات کے علاوہ بلند پرمعراج ادراک خداوند تعالیٰ کی ذات اقدس کے بارے میں کسی کو نصیب ہو سکا اور جن سے بڑھ کر صفات الٰہی میں فکر و تدبّر کا موقعہ کسی کو حاصل نہ ہُوا۔ فرماتے ہیں ؎

لا احصی ثناءً علیک کما اثنیت علیٰ نفسِکَ

یعنی میں تیری ثنا پوری نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ تو خود اپنے آپ کو جانتا ہے "تو آنی تو وانی" مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عجز کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست　　شرح آں یارے کہ آنرا یار نیست
خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است　　کیں دلیل ہستی و ہستی خطا نیست

ترجمہ:- میں کیا بیان کروں جس کی ایک رگ بھی ہوشیار نہیں۔ اور پھر ذکر اُس ذات اقدس کا جس کی نہ کوئی مثل اور نہ مثال ہے۔ وہ اپنی ثنا خود آپ ہی میرا عجز ہی اس کی ثنا ہے۔ میری پُر خطا اور فانی ہستی اس باقی و بلند تر ہستی کے لئے کسی طرح بھی دلیلِ راہ نہیں ہو سکتا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کنہ ذات کو نہ پہنچ سکے تو ما وشما کا کیا مقدور ہے۔ تفکّر فی ذات اگر جہالت نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ سیّد اکبر حسین صاحب الٰہ آبادی نے فلسفی کو چپ کرانے کے لئے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے ؎

جلوۂ ارض و سماء دکھلا کے ہے یکسر ہی چُپ　　لا الٰہ اور قل ہو اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چُپ
بحث اسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی　　ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چُپ

انسان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خداوند تبارک و تعالیٰ کی خدائی کا معترف ہو اس کے اور اس کے رسُولِ مقبولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے کی توفیق کا طالب رہے اتنی معرفت کافی ہے۔ عقل کی رسائی منزلِ مقصود تک امرِ محال ہے ؎

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں　　عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

اللہ تبارک و تعالیٰ کا خود اپنے کلام پاک میں ارشاد ہے۔

سورۃ کہف:- یعنی اے پیغمبرؐ کہہ دو کہ اگر میرے مالک کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر کی سیاہی ہو تو میرے مالک کی باتیں تمام ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے۔ گو اتنا ہی ایک

اور سمندر ہم اس کی مدد کو لائیں۔

ایک اور مقام پر سورہ لقمان میں ارشاد باری ہوتا ہے۔ کہ اگر زمین میں
درخت کے قلم بنائے جائیں اور سمندر سیاہی ہو، اور اس کے بعد سات اور ایسے
سمندر سیاہی بنیں جب بھی اللہ تعالےٰ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بلاشبہ اللہ تبارک
تعالےٰ زبردست حکمت والا ہے۔ اصل بات یہی ہے۔ کہ ہزارہا سمندروں کے
کی اگر سیاہی بنائی جائے تو بھی اسی غیر محدود ذات تبارک وتعالےٰ کی باتیں لکھی
نہیں آسکتیں۔ اسی لئے تمام انبیاء اور اولیاء اور عام حکیم اور فلسفی ادراک کُنہ ذات
سے اپنی عاجزی بیان کرتے چلے آتے ہیں۔ لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ انسان جس
اپنے آپ کو اس معرفت میں عاجز پاتا ہے اسی قدر اس کا شوق طلب تیز ہوتا جاتا
عقل سے پہچانتا تو درکنار انسان اسے آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے۔ تمام دنیا
کہ وہ سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔ خدا خود بھی کہے کہ " لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ "
(سورہ انعام) پھر بھی نگاہِ شوق اس کی دید کی ہمیشہ طلبگار رہتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ
اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غالباً اسی بیتابی کی حالت میں کہا ہے ؎

کبھی اے حقیقت منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

پھر اگر آنکھیں دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں تو قیامت کا انتظار کرتے ہیں الغرض
مختصر یہ کہ عاشق کی بصارت اور اس کی بصیرت دونوں دید کی منتظر رہتی ہیں۔ یہ سب
کچھ اس لئے ہے کہ وہ پردے میں ہے۔ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔ فلسفہ وہاں
تک پہنچا نہیں سکتا۔ اور کوئی حکمت اس عقدے کو کھول نہیں سکتی ؎

ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند
آں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

سرِ وحدت جاننا حدِ بشریت سے باہر ہے لیکن انسان تو اضداد کا مجموعہ
ہے اور تجسس کا مادہ روزِ ازل ہی سے اس کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔

ماخوذ از مثنوی سرمایہ تصوف مولفہ حاذق

آدمی ایک ذرہ بے مقدار ہے　　　سرِ وحدت جاننا دشوار ہے

انتہا سے بھی ہے یہ بالا مقام　　آدمی کی حد سے ہے باہر یہ کام
ہے یہ فرمانِ محمد مصطفےٰ　　ما عرفناک کی گئے ایک حد لگا

مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

پھر بھی کوشش چاہیئے کرنی تجھے　　خالقِ مطلق کا یہ فرمان ہے
فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ دیکھ تو　　ہے کلام اللہ میں کیا گفتگو
سرِ وحدت کو وہی بس پائے گا　　منزلوں سے جو گزرتا جائے گا
راہ کثرت اور تعین کا سماں　　طے اگر کرتا ہے سن اے خوش بیاں
مرشدِ کامل کوئی کر لے تلاش　　جس کی ہو قربِ الٰہی بود و باش
سب مراتب تیرے طے ہو جائینگے　　گو حواسِ ظاہری کھو جائیں گے
اور مقامِ وحدت اطلاق تک　　ایک دن پہنچے گا تو لاریب و شک
ہے وہ عارف کیلئے ایسا مقام　　جہاں ملتا ہے مئے وحدت کا جام
شاہد ذات حقیقی ہے وہ بشر　　جا مئے ہستی سے جو جائے گزر
ہیں حصولِ معرفت کے دو طریق　　کہتے ہیں یہ عارفِ اعلیٰ رفیق
اولاً یہ جان و دل سے مان لے　　یہاں سوا حق کے نہیں ہے کوئی شئے
ذات حق ہے ہر طرف جلوہ فروز　　ہے اندھیروں میں اسی سے نیم روز
دوسرا قاعدہ یہ ہے اے نیک خو　　ہو تجلی احمدؐ کے رو برو
اور فنا کر دے وجود فتنہ ساز　　ڈالدے اس آگ میں شوق مجاز
ہو نگاہِ سرسری حق الیقین　　جز خدا کے جان لے کچھ بھی نہیں
راہِ حق میں حائل ہے تیرا وجود،　　اس سے باہر ہو تو ہے عقدہ کشود
جبکہ تو اس تن سے باہر آگیا　　جان لے پھر ذاتِ حق کو پا گیا
جب مٹا دے گا تو یہ اپنا وجود　　دیکھے گا پھر جلوہ ربِّ ودود
خانۂ دل صاف کر اغیار سے　　اور حق کے لئے اسے بس چھوڑ دے
غیر سے آباد مت کر تو اسے　　لوگ کہتے ہیں خدا کا گھر اسے
جاننا چاہتا ہے اس کو تو اگر　　ماسوا پر مار تو لا کا تبر
غرق ذاتِ حق کے دریا میں ہو تو　　ہو زبان حق سے تیری گفتگو

یاد رکھ اُٹھ جائے گا پھر یہ نقاب | جو خودی کا درمیان ہے اب حجاب
عالمِ توحید آئے گا نظر | دیکھتے ہیں جس کو اکثر دیدہ ور
میرے کہنے کا یقین آجائے گا | اپنے ماضی پر بہت پچھتائے گا
کیونکہ عارف جو ہوا اس کا ہر سخن | ہو نہیں سکتا تقلید اور ظن
ہے حقیقت اسکی تحقیق اور یقین | اس میں کچھ شک و شبہ ہرگز نہیں
داغ ہستی جب تلک اس میں رہے | صورت عین الیقین کب ہو سکے
کیونکہ جسمانی و نفسانی قیود ، | ہیں رکاوٹ در راہِ ربِّ ودود
ترک خود سے ہو فنا اللہ جب | تیرا ہر سجدہ ہو پھر مقبولِ رب
بے ریا ہر سجدہ ہو تیری نماز | با نیازی سے ملے وہ بے نیاز
موجب ارشاد ختم الانبیاءؐ | یہ عبادت ہوگی آنکھوں کی ضیا

عابد و معبود کے پھر درمیان
اک بھی پردہ نہ ہوگا میری جان

حدیثِ عشق

منزل عشق بسے دو درازے لے،
طے شود جادۂ صد سالہ بیک آہے گاہے (حضرت اقبالؒ)

اس میں شک نہیں کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے دل میں عشق کی آگ رکھتا ہے اور محبوبِ حقیقی کی یاد میں ہر وقت مضطرب و شوریدہ سر رہتا ہے۔ حیوانات نباتات۔ جمادات حتیٰ کہ جو حیات تک میں اگر گرمی ہے تو اسی کے عشق کی اور نور ہے تو اسی کا۔ ارض و سما، دشت و دریا، رعد و برق، باد و باراں، طور و فاراں سب کے سب اس کی تعریف میں مدح خواں ہیں "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" اور کوئی شے نہیں جو اللہ کی تسبیح اور تعریف نہ کرتی ہو۔ اور کوئی دل ایسا نہیں جو مے محبت سے خالی ہو۔ ہر ایک شخص خواہ وہ رندِ جہاں سوز ہو یا حکیم عالم افروز، متقی پرہیزگار ہو یا فاسق گنہگار۔ ملّا ہو یا صوفی، قصہ ہائے دوست کو سن کر ضرور وجد میں آجاتا ہے۔
ہر ایک شخص نے نالہ ہائے بلبل کی تعبیر اپنی حالت کے موافق کر لی۔ فسانے وہی

رہے۔ اصطلاحیں وہی رہیں لیکن اپنے اپنے حالات کی روشنی میں ہر فرد و بشر نے ان فسانوں اور اصطلاحوں کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ بنالیا ہے۔

عشقِ مجازی کے تمام قصے وکہانیاں کو عاشقانِ حقیقت نے حقیقت کا جامہ پہنا دیا۔ چنانچہ لب و رخسار، خط و خال، زلف و گیسو، چشم وابرو۔ دُرِ دندان ولبستہ دہان، دست و بازہ وغیرہ وغیرہ کو ان حقیقت شناس لوگوں نے محبوبِ حقیقی کی مختلف صفات کا سمجھ کر اپنا مطلب پورا کر لیا۔

تضمین حاذق بر غزل حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے عشق کا اظہار بایں الفاظ بیان کرتے ہیں ؎

دے کے دل تجھکو زمانے بھر میں ہم رسوا ہوئے
یا تو لب بستہ رہے یا رو دیئے یا ہنس دیئے
لب تک درد پھریں اس درد فرقت کو لئے
اینکہ سر برتن بود بر دار بودے کاشکے
دیں بدن خاشاک راہ یار بودے کاشکے

ٹھوکریں کھاکھا کے مدت میں تو جاگا ہے نصیب
دردِ دل ہی کھینچ لایا ہے مجھے سوئے طبیب
آیا ہوں مشکل سے مرکر کوئے جاناں کے قریب
تا صبا خاکم ببردی از سر کوئے حبیب
خاک من خشتی ازاں دیوار بودے کاشکے

میں وہ عاشق ہوں زباں پر آ نہیں سکتا گِلا
جو رکیا ظلم کر مختار ہے تو دِلربا
درد دل اُٹھ اُٹھ کے ہر دم دے رہا ہے یہ صدا
چوں تو گا ہے میکنی پرسش مریض خویش را
دائما چوں دل تنم بیمار بودے کاشکے

عشق میں حاذق عجب ہی ہم نے دیکھی ہے بہار
داغِ ہجراں سے میرا سینہ بنا ہے لالہ زار
جز تیرے کوئی نہیں صیاد و گلچین و ہزار
چوں تو نتوانی کہ ہم چو گل جدا کردی زخار
محیِ دل افگار تو آں خار بودے کاشکے

خواجہ حافظ شیرازی اپنے نامعلوم محبوب کیلئے سراپا انتظار ہیں

تضمین حاذق بر غزل حضرت خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ ؎

اے حصولِ عشق کیوں کرتا نہیں لطف و کرم
ہو رہا ہوں میں ازل ہی سے رہینِ رنج و غم
نیند کیسی رات کو آٹھوں پہر ہوں چشم نم
دیدہ بسر برم سراپا انتظار یکستم

شوق دیدارم کہ دارم بیقرار کیستم

ایک کچھ میں ہی نہیں ہوں خلق ہے ساری گواہ — جستجو نے کر دیا تیری میرا احال تباہ
ہو ادھر بھی حسن کی خیرات دزدیدہ نگاہ — گشتہ آں خالِ مشکیں بستہ زلف سیاہ
گر مسلماں نیستم زنار دار کیستم

خانہ دل جل کے ہو جائے نہ کیوں خاک سیاہ — دیکھتا ہے مجھ کو پھر پھر کر وہ دزدیدہ نگاہ
تیرِ مژگاں سے نہیں اس شوخ کے جائے پناہ — گشتہ صیاد دلم از زخم شمشیر نگاہ
نیم بسمل گشتہ ام یارب شکار کیستم

پھنس گیا ہوں آکے میں آلودہ لوث ہوس — جا کے یہ کہدے کوئی ہے ایک پل سو سو برس
لوٹتا ہوں دام کے نیچے نہیں فریاد رس — صید دام افتاد از صیاد میگرد و قفس
ہیچ خبر سے من ندانم من شکار کیستم

پھر رہا ہوں ایک مدت سے یونہی حیرت زدہ — یونہی بن بن کر مری بگڑی ہزاروں سجدہ گہ
دیکھا حاذق نے کبھی کعبہ کبھی دان بت کدہ — حافظ در مدرسہ دردے کشم در میکدہ
سخت حیراں گشتہ ام من در شمار کیستم

تضمینِ حاذق

بر غزل جناب مولانا حامد صاحب مرحوم و مغفور المتخلص مولوی

جائے عبرت ہے ارے ناداں بازی گاہ نیست — بر سر منزل ہے اور توشہ تیرے ہمراہ نیست
منزل ہستی سے جز تیرے کوئی آگاہ نیست — عشق خونخوار است آنجا بوالہوس را راہ نیست
زادِ راہش جز غم و درد و فغان و آہ نیست

اصطلاحِ عاشقی میں ہے یہی مردانگی — رنج و غم درد و فغان و نالہ و بیگانگی
بادہ پیمائی گدائی خانماں ویرانگی — ہمرہ راہش نہ شد جز ہستی و دیوانگی
میرسد آنکس کہ او از خویشتن آگاہ نیست

زاہدو بس ہے یہی دن رات مستانوں کا کام — فرقت ساقی میں رونا دیکھ کر شیشہ و جام
خانہ دل میں ہجوم یاس و غم کا اژدہام — در جمال ذات مستغرق مے باشد مدام
کار شاں اندر جہاں جز طاعت اللہ نیست

ایک کچھ میں ہی نہیں ہیں سینکڑوں سینہ فگار — ٹھوکریں کھا کھا کے لاکھوں چل بسے دیوانہ وار
خضر بھی اس میں بھٹکتے ہیں یہ ہے راہگذر — عشق صیاد است شیراں را کُند ہر دم شکار
لائق دامش ہمیدوں گر بہ و دوبارہ نیست

ڈھونڈھتا ہے منزل مقصود کو حاذق کہاں — حاصل عشق و محبت ہے ترا تجھ میں نہاں
دیدہ و کعبہ کا ہٹا دے پردۂ وہم و گماں — مو نویا چشم بکشا بر رُخِ پیر مغاں
در جہاں سارا تماشائے دگر دلخواہ نیست

دیگر تضمینِ حاذق

بر غزل حضرت مولانا حامد صاحب مرحوم مغفور

ایسی ساقی نے پلائی بھر کے کچھ روزِ الست — پھر رہا ہے آج تک بے خانماں ہر ایک مست
کوئی بتخانہ کا قائل اور کوئی حق پرست — ہر زمانے دلبرم را جلوہ ہائے دیگر است
از پئے دل بر دم نشو و نمائے دیگر است

جلوہ جاناں عجب رکھتا ہے دل سے دل لگی — عمر بھر کو کر دیا ہے مجھ کو وقف بے کلی
جان جائیگی تو سمجھونگا بلائے جان ٹلی — بود بہر جان من چاہ زنخدان آتشی
اژدہائے زلفِ گرد او بلائے دیگر است

اے عزیزو تم نہیں ہو واقف اسرارِ غم — لطف ہے گردن پہ چل جائے جو شمشیر ستم
یار کے جور و جفا ہیں عینِ الطاف و کرم — تیر مژگان از میانِ سینہ ام پرشد چہ غم
کشتگانِ دوست را ہر دم بقائے دیگر است

کیوں نہ آنکھوں سے ملوں اُس یار کا میں نقش پا — ہر قدم پر سینکڑوں دل ہو گئے ہیں سرمہ سا
خوب ہیں یہ ہم نے مانا سرمہ و خاکِ شفا — سرمہ گرچہ نور بخش است از برائے دیدہ ہا
خاکپائے دوست را نور و ضیاء دیگر است

عشق وہ منتر ہے جب چل جائے جان نیک ٹلے — ٹھوکریں گلیوں میں کھائیں ناز و نعمت کے پلے
سُن جو کہتے ہیں شب فرقت میں اس کے دل جلے — نالۂ مرغ سحر بسیار خوش باشد ولے
خستگانِ عشق را در سر نوائے دیگر است

ابنِ مریم سے کہو آئیں نہ بالیں کے قریب — لوٹ کر مر جائے کچھ پروا نہیں حرماں نصیب

درد دل کے واسطے درماں ہے روئے حبیب — بر نشد درد دل ما از دواہائے طبیب
درد مند عشق را رنج و دوائے دیگراست

میں حرم اور دیر میں کیوں ٹھوکریں کھاؤں کہیں — لطف ہے سنگ در جاناں پہ حاذق ہو جبیں
موت بھی آئے تو مل جائے وہیں دو گز زمیں — مولویا روئے خود را روئے جاناں کن نشیں
کز جمال روئے او ہر دم لقائے دیگراست

ایضاً تضمین حاذق

بر غزل مولانا حامد صاحب مرحوم مغفور

زنہار ہو گی مجھ کو طبیبو نہ کچھ شفا — یہ وہ مرض ہے جو کبھی ہوا اس میں مبتلا
آئے گی بعد مرگ بھی مرقد سے یہ صدا — جانا بیا کہ درد دلم را توئی دوا
حقا کہ نیست طاقت فرقت دگر مرا

ہے اور ہی طرف کو خیال مریض عشق — جاں دینی یار پہ ہے کمال مریض عشق
پرسے بن موت کے ہے مآل مریض عشق — واقف نہ شد طبیب ز حال مریض عشق
لعل لب تو ہست مرا شربت شفا

پھرتی ہے آرزو لئے تیری کہاں کہاں — ہے کونسی جگہ نہیں ڈھونڈھا تجھے جہاں
اب تک ملا نہ رہنے کا تیرے کہیں مکان — مجنوں صفت در عشق تو اے لیلئے زماں
گردم میان کوچہ و بازار شہر ہا

سینے پہ کھاتا رہتا ہوں ہر وقت تیر غم — بریاں ہے دل کباب جگر اور چشم نم
ہے اب غم فراق ترقی پہ دم بدم — از راہ دل ہمیشہ بسویش نظر کنم
ہر دم در انتظار مسیحا دم لحا

مانا ہے سینہ خنجر غم سے ترا فگار، — کیوں رو رہا ہے حاذق رنجور زار زار
یوں بھی کسی نے کیا ہے تلاش یار — اے مولوی بہ پیر مغاں روئے بخویش دار
حقا کہ روئے او شدہ مارا خدا نما

تضمین حاذق بر غزل قتیل صاحب

معلوم تجھے بھی ہے کچھ اوبت ہرجائی — اے مائل خود بینی اے محو خود آرائی

کاندھے پہ جنازہ ہے خلقت ہے تماشائی　　کُن بر سرِ تابوتم یک جلوہ بہ رعنائی
اے در لبِ لعلِ تو اعجازِ مسیحائی

جو کچھ بھی ہے تُو ہی ہے شاہد کہوں یا مرشد　　دل میں یہی حسرت ہے اب شوق یہی بے حد
بن جائے پسِ مُردن کوچہ ہی تیرے مرقد　　خاک درِ کوئے تو ایں طرفہ اثر دارد
ہم صندلِ دردِ سر ہم سرمۂ بینائی

خنداں ہے اگر خلقت وحشی ہے تیرا گریاں　　گریاں ہے اگر محفل مستانہ تیرا حیراں
اسود سے کہیں بڑھ کر ہے سنگِ درِ جاناں　　دیگر چہ طمع داری از عاشقِ بے ساماں
عقل و دل و دیں بُردی بے تاب و توانائی

ڈرا ل شریعت کا کیا ہے تیرے شیدا کو　　یہ عین عنایت ہے گردن بھی اگر مارد
اب تو یہی سوچا ہے جو ہو سو بلا سے ہو　　کردیم ز تحویلِ دل آرائش کوئے تو
غیرے خیرے یعنی اے محو تماشائی

معلوم ہے کچھ تجھ کو اے مائلِ خود داری　　ہے تیر کلیجہ میں حاذق کے لگا کاری
اس شعر کو پڑھتا ہے رو رو کے وہ صد باری　　غیرے تو امیر سے نے پیش کہ کند زاری
بیچارہ قتیل تو اے دلبرِ ہرجائی

تضمین حاذق بر غزل نامعلوم

قاصد کوئی ایسا نہیں اس یار کو پیغام دے　　اے کاش حالِ بیکلی اس پر کہیں میرا کھلے
اے چرخ یہ بھی کم نہیں لطف و کرم ہم پر تیرے　　آمد نسیم دلستاں سوئے من از کوئے کسے
شُد پر سرُور و پُر طرب جانِ من از خوئے کسے

کیا خوفِ محشر ساقیا محفل میں پیمانہ چلے　　اٹھی ہے مغرب سے گھٹا بیٹھے ہیں پیاسے دل جلے
ہاں چھیڑ اے مطرب کوئی نغمہ خودی جس سے مٹے　　زاہد مقیم جنت و من ساکنِ کوئے کسے
عابد بخواند مصحف و من بیند ابروئے کسے

بڑھ گیا ہے اس قدر شوقِ زیارت یار کا　　سر جھکا دیتا ہوں پاتا ہوں جو کوئی نقشِ پا
وقتِ حرماں ہو کے کہتا ہے دلِ مضطر مرا　　گر دسترس لیسے مرا از شوق بوسم چوں صبا
ہر صبحدم روئے کسے ہر شام گیسوئے کسے

دیکھا نہیں ہم نے کوئی اس شان کا ایسا حسیں ثانی کوئی اس کا نہیں مہر چرخ و بر روئے زمیں
دلبر کہوں یا دلربا، خورشید رُو یا مہ جبیں شد ترک چشم نازنیں غارت گر ایمان و دیں

دُزدیدہ دین و دل زمن یک زلفِ ہندوئے کسے

شاید ہے اس کی خاک پا مٹی میں میری مشتمل نذر نگاہِ یار ہے سب زہد و تقویٰ جان و دل
نظریں فدا بر مصحف ایمان فدا بر زلف و تِل آمد گروہ زاہداں بہر سجود آب و گِل

شد سجدہ گاہِ عاشقاں محرابِ ابروئے کسے

بُت کون ہے کس کا خدا حاذق تجھے ہے کیا خبر دیوانے کیا جانیں بھلا ہے دیر کیا کعبہ کدھر
قبلہ سمجھتے ہیں اُدھر وہ یار رہتا ہے جدھر من عاشق شوریدہ سر از کفر و ایماں بے خبر

دینِ من از مہر کسے ایمانِ من روئے کسے

مذہب عشق میں رسوم ظاہری کی پابندی نہیں۔ علوم ظاہری اور آداب رسمی مسلک عشق کے لئے غیر ضروری ہیں۔ شریعت۔ طریقت معرفت اور حقیقت گو سالکانِ راہِ سلوک کے لئے نشان راہ اور مقامات ہیں۔ لیکن یہ سب ایک عاشقِ صادق کے قبلہ مقصود نہیں ہیں۔ وہ نہ جنت کا خواہاں ہے اور نہ جہنم سے ترساں وہ صرف اپنے معشوق کے وصال کا طالب رہتا ہے۔ دُنیا و عقبیٰ اور ما فیہا سے وہ بے نیاز رہتا ہے۔ وہ کفر و اسلام، مسجد و کنشت دیر و حرم اور تسبیح و زُنّار سے بالاتر ہوتا ہے۔ ہر حالت میں اور ہر مقام پر اسے اپنے محبوب کا ہی دھیان رہتا ہے۔

حضرت شاہ اعظم ابو حامد محمد حسن خیالی عاشق کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

اے تیر غمت را دلِ عشاق نشانہ خلقے بتو مشغول و تو غائب ز میانہ
کہ معتکف دیرم و گہ ساکن مسجد یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ
مقصودِ من از کعبہ و بتخانہ تو بودی مقصود توئی کعبہ و بتخانہ بہانہ

حاجی بہ رہ کعبہ و من طالب دیدار
او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

حکیم عمر خیام مرحوم مغفور، عشق کی اس طرح تشریح فرماتے ہیں ؎

سر دفتر معانی عشق است سر بیت قصیدۂ جوانی عشق است
اے آنکہ خبر نہ داری از عالم عشق این نکتہ بداں کہ زندگانی عشق است

عشق عالم معانی کا سر دفتر ہے عشق جوانی کے قصیدہ کا مطلع ہے رائے کہ تجھے عالم عشق کی خبر نہیں یہ تھوڑی سی بات سمجھ لے کہ زندگانی عشق ہی کے ساتھ قائم ہے۔

دیگر رباعی حضرت عمر خیامؒ

یارب ز قبول و ردم باز رہاں | مشغول کن نز خودم باز رہاں
تا ہشیارم ز نیک و بد میدانم | گم کن واز نیک و بد باز رہاں

اے خدا مجھے قبول اور رد کی قید سے چھڑا لے مجھے اپنی طرف مشغول کر لے اور خودی سے آزاد کر دے جب تک میں ہوشیار ہوں نیک و بد کا ذمہ دار ہوں مجھے اپنے عشق میں بیہوش کر دے تاکہ میں نیک و بد کی تمیز سے رہا ہو جاؤں ؎

پروردگار کوئی نہ ہو مبتلائے عشق | ہے سو بلاؤں سے بڑھ کر بلائے عشق
کھینچا جو دار پر تو یہ منصورؒ نے کہا | اے منکران عشق یہی ہے سزائے عشق
مانا کہ قیس بھی ہوئے فرہاد بھی مگر | معلوم آج تک نہ ہوئی انتہائے عشق
کہتے ہیں جس کو آنکھ وہ ہے جلوہ گاہ حسن | دل جس کو لوگ کہتے ہیں یہ ہے سرائے عشق
کیا حضرت خضر کو ہے ان سے واسطہ | جن رہروان عشق کو رستہ بتائے عشق
کہتے ہیں جس کو حسن وہ ہے آنکھ کی خطا | دام فریب حسن ہے یارو بنائے عشق
بالیں پہ آئے حاذقؔ بیمار کی فضول | چارہ گرو نہیں ہے جو کوئی دوائے عشق

دیگر

ہر رہگذر ہے شاہد خلق خدا ہے شاہد | سجدوں کا میرے نیز اہر نقش پا ہے شاہد
مسجد میں بتکدہ میں میں تجھ کو ڈھونڈتا ہوں | واقف ہے ہر برہمن ہر پارسا ہے شاہد
کہسار میں کہ بن میں تجھ کو کہاں نہ ڈھونڈا | پائے طلب ہے شاہد دست دعا ہے شاہد
بلبل میں رنگ گل میں میں تجھکو ڈھونڈتا ہوں | صحن چمن ہے شاہد باد صبا ہے شاہد
قسمت کی گردشوں کا احوال اے پری رُو | مجھ سے نہ پوچھ تیری زلف دوتا ہے شاہد
کوچہ میں عطر پاشی رہتی ہے تیری جاناں | کیسے یقین نہ آئے باد صبا ہے شاہد

سینہ میں میرے حاذقؔ دل درد آشنا ہے
روز ازل سے نقطہ قالوا بلیٰ ہے شاہد

ہمہ اوست

وحدت الوجود کا تعلق وجود مطلق کے اسرار سے ہے اس حقیقت کا علاقہ باطنی
سرفرازی اور مخفی مرتبے سے ہے ہر شخص ہر مرتبے کا سزاوار نہیں ہوتا۔ پورا درخت ایک
ہی تنے سے وابستہ ہوتا ہے لیکن پھول صرف پھول ہے۔ پتا صرف پتا ہے اور خار صرف
خار ہے۔ کیونکہ مسئلہ وحدت الوجود۔ وجود مطلق کے اسرار میں شامل ہے لہٰذا اس
بر ملا اظہار کفر ہے اور یاد رکھو جب بھی کوئی منصور کہیں نعرہ زن ہوگا کہ انا الحق انا الحق
اس کا سر تختہ دار پر ضرور پہنچے گا۔ تاہم یہ جان لو کہ مسائل کی نوعیت مختلف ہے معذور
کا مسئلہ کچھ اور ہوتا ہے اور تندرست کا کچھ اور شریعت۔ طریقت اور حقیقت گو ایک
دوسرے سے جدا نہیں، لیکن مراتب و درجات جدا گانہ ہیں۔ مثلاً شریعت لا معبود الّا
اللہ طریقت لا مقصود الّا اللہ اور حقیقت لا موجود الّا اللہ۔ اگر کوئی وحدت الوجود
بارے میں یہ اعتراض کرے کہ وحدت الوجود کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
اور ان کے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی جانب سے کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ شغل
کے نزدیک اس مسئلے پہ دین کا مدار ہے۔ اور نہ اس کے متعلق کوئی وضاحت ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ مسئلہ شریعت میں صراحت سے نہیں چلتا تاہم اشارۃ
النص اور دلالت النص سے اس کا ذکر متعدد مقامات پہ آیا ہے علما ظاہر اسے متشابہ
سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ تبع و تابعین کے زمانے میں پیدا ہوا
اور وہ زمانہ بھی خیر القرون میں شامل ہے۔ جو بزرگ یہ مسئلہ روشنی میں لائے تھے وہ
اپنے دور کے مجتہد اور آئمہ دین تھے۔ علما ظاہر۔ ہر معاملہ انہی سے رجوع کرتے تھے۔ اگر
یہ مسئلہ شریعت کے خلاف ہوتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
امام شافعیؒ، امام احمد حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور دوسرے آئمہ مشائخ اور
مواحدین و فقہا ضرور کہتے، کہ یہ مسئلہ شریعت کے خلاف ہے وہ اس پر سکوت
اختیار نہ کرتے بلکہ اس کے بطلان اور رد پہ شدت اختیار کرتے۔ حق پر سکوت اختیار
کرلے والا گونگا شیطان ہوتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ضرور ہے۔ بعض زہاد

کثرت وجود کے اور بعض وحدت وجود کے قائل ہیں۔ جو لوگ کثرت وجود کے قائل ہیں ۔۔ حق کی ذات کو نادر الوجود کہتے ہیں جس کا ہماری عقل ادراک نہیں کر سکتی اور جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ وہ حق کی ذات کو وجود مطلق قرار دیتے ہیں۔

ہمہ اوست کا نظریہ جب الفاظ کا روپ اختیار کرتا ہے تو اس کی تفصیل کچھ یوں بنتی ہے اس آئینہ خانہ عالم دہر میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے، وہ دراصل تمام صفات الٰہیہ کا عکسِ جمیل ہے۔

ذاتِ خداوندی کو موجودات کی کیا ضرورت تھی اس لئے کہ وہ تو "غنی عن العالمین" یعنی ساری کائنات سے بے نیاز ہے۔ اس کی شان صمدیت و فردیت کی شاہد ہے۔ لیکن اس ذاتِ برتر بالا کی اَن گنت صفات بھی تو ہیں۔ اور صفاتِ الٰہیہ کا ظہور تبھی ممکن تھا۔ کہ کائنات معرضِ وجود میں آتی۔ لیکن کائنات میں بھی جب تک انسان جیسی ہمہ جہت وہمہ صفت مخلوق کا ظہور نہ ہوتا تو صفاتِ الٰہیہ کا بتمامہ انعکاس ممکن نہیں تھا۔

چنانچہ حدیث شریعت میں صراحتاً کہا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ یعنی اللہ تبارک و تعالٰے نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ گویا انسان کی صورت گری صفاتِ الٰہیہ کے اس نقشہ کے عین مطابق ہوئی۔ کہ حق تعالٰے اگر اپنی صفات کا مشاہدہ کرنا چاہے۔ تو وہ انسان کے رُوپ میں خود ہی اپنا ظہور دیکھ لے۔ خدائے بزرگ و برتر لے اس عالمِ رنگ و بُو کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اس کائنات کے آئینہ میں اپنی تجلیات و صفات کا مشاہدہ کرے۔

خودنگری و خودشناسی کے لئے آئینہ کی ضرورت لازمی ہے اور اُسی ضرورت کے لئے یہ عظیم الشان اور وسیع و عریض دُنیا تخلیق کی گئی۔

وحدت الوجود کے اس صاف اور سادہ مفہوم کو سمجھنے میں دشواری یوں پیش آئی کہ بعض کم فہم لوگوں نے ذات وصفاتِ خداوندی میں غلط مبحث پیدا کر دیا۔ بلاشبہ اس کی ذات تنزیہ و تقدیس کے سراپردوں میں مستور ہے "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" اس کی ذات کی مثل کوئی شے نہیں لیکن اس کی صفات کے لئے تو بے شمار تشبیہات موجود ہیں، مثلاً "وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ "وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" وہ لطیف اور خبیر ہے۔ وہ علیم و حکیم ہے۔ یہ سب اس کی صفاتِ

کمالیہ و جمالیہ ہی کے مظاہر ہیں۔

ہر اچھا نام خُدا کا ہے۔ اور خوبی و کمال کی ہر صفت سے ذات خداوندی متصف ہے۔ اگرچہ اس کی ذات تشبیہ سے منزّہ ہے۔ مگر اس کی صفات کی تشبیہات اس کی کتاب حکمت میں جا بجا موجود ہیں پھر ان صفات کا جلوہ آرا ہونا اگرچہ اس ذات کی تجلّیات کی ایک نمود ہے لیکن چونکہ اس کی ذات تشبیہ و تمثیل سے ورا ہے" او با صد تجلّی در حجاب است" اس لئے اس آئینہ خانہ ہستی میں جو کچھ ہے وہ سب اسی ذات وحدہٗ لاشریک کی صفات ہی کا عکسِ جمیل ہے۔

اللہ و تبارک تعالےٰ کے اسما الحسنیٰ میں سے ایک نام المصوّر" بھی ہے۔ کی صورت گری اس کے ذہن اس کے ادراک اور اس کے شعور سے جدا نہیں یک جان دو قالب نہیں۔ بلکہ یک جان یک قالب ہی ماننا پڑے گا۔ توحید الٰہی تصوّر اسی صورت میں جامع ہوگا۔ جب اس حقیقت کا وجدان ہوگا کہ تنہا اس کی پاک اس عالم ہست و بود میں حقیقت ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ لاشئے محض بود نابود ہے اس حقیقت یعنی وحدت الوجود کے فلسفہ کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اگر یہ نظریہ تسلیم نہ کیا جائے تو توحید مطلق کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا یوں تو یہ ساری کائنات آئینہ، انوار و تجلّیات الٰہی ہے لیکن " وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ" اور اس میں اپنی رُوح پھونک دی" کہہ کر بتا دیا کہ آئینہ خانہ وجود نہیں، اگر کوئی آئینہ صیقل اور مجلّی ہے تو وہ صرف انسان ہے یہ کائنات امرِ خداوندی ہے اور ہر امر کی ابتداء انتہا سب ذاتِ خداوندی پر منتہی ہوتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا" وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ" ہر امر اُسی پر منتہی ہوتا ہے۔ کیونکہ آغاز بھی اُسی سے ہوا۔ تو خود امر خداوندی کا اقتضا یہ تھا کہ آئینہ وجود مجلّیٰ ہو۔ اس کی تصویر دھندلی نہ ہو۔ چنانچہ آدم اِسی آئینہ کی جِلا تھا۔ اور وہی اُس کی رُوح تھا۔ ویسے دُنیا میں مخلوق تو بہت تھی لیکن جِسے خلافت سے نوازا گیا اور جو کچھ اس کے حصّے میں جامعیت آئی۔ وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی اور آدم" اپنی خلافت کی بنیاد پر تمام مجموعہ صفاتِ الٰہیہ سے بہرہ یاب ہوا۔ اور اس کی تصویر اس آئینہ ہستی میں خُدا کی تصویر سے ہم آہنگ ہوئی۔ لیکن یاد رہے کہ یہ مسائل تصوّف محض فکر و نظر کے ذریعہ عقل انسانی

ی نہیں کر سکتی بلکہ یہ فنِ لطیف ادراک کے اس ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جس کا سرچشمہ
ِ کشفِ الٰہی ہے۔

اصطلاحِ صوفیہ میں حق سبحانہ و تعالےٰ ایک وجودِ مطلق ہے جس کے لئے
حد، قد، حصر شمار نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس کا ظہور تجلّی شکل اور حد میں ہوتا ہے
شکل اور حد کے نہ ہونے سے اس میں کوئی تغیر نہیں آتا بلکہ "الآن کما کان" یعنی
ویسا آج ہے ہمیشہ سے ویسا ہی ہے۔ وجود ایک ہی ہے۔ صرف لباس اور تعینات
مختلف ہیں۔ وہی وجودِ مطلق کل موجودات کی حقیقت ہے۔ یہاں تک کہ ایک ذرہ بھی
اس کے وجود سے خالی نہیں۔ اور کل موجودات اسی سے قائم ہیں۔ اس ذاتِ مطلق کے
کئی مراتب ہیں

اوّل :- مرتبہ لاتعین و اطلاق ہے اس مرتبہ میں وجودِ مطلق سب نعوت و صفات سے
منزّہ ہے اور ہر قسم کی قیود سے آزاد ہے یہ مرتبہ احدیت ہے۔ اس سے اوپر کوئی مرتبہ
نہیں۔ باقی سب مراتب اس کے نیچے ہیں۔

دوم :- مرتبہ تعینِ اوّل اور وہ اللہ تعالےٰ کا علم اپنی ذات و صفات کے لئے ہے جس
میں اجمالی طور پر تمام موجودات آ جاتے ہیں اس مرتبہ کو واحدیت یعنی عقلِ کل
روحِ اعظم اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں۔

سوم :- مرتبہ ثانی یہ مرتبہ علمِ ذاتی و صفاتی کا نام ہے جس میں ہر موجودات کی تفصیل الگ
الگ آجاتی ہے۔ مرتبہ دوم، سوم دونوں تجلّی و علمی ہیں صرف فرق حیثیت کا ہے
یعنی اجمال اور تفصیل کا۔ جب خداوند تعالیٰ کی تجلّی اس کے علم میں مجموعی طور پر ہوتی
ہے تو اسے حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں۔ اور جب وہی تجلّی الگ الگ اور مختلف صورتوں
میں ہوتی ہے تو انہیں عیانِ ثابتہ حقائق کونیہ اور صورِ علیمہ کہتے ہیں۔ اس مرتبہ کو
واحدیت یا حقیقتِ انسانی بھی کہتے ہیں۔

چہارم :- مرتبہ عالمِ ارواح کا ہے جس میں اشیا کونیہ (غیر مادی) بسیط ترکیب سے
پاک شامل ہیں جو کہ اپنی ہی ذات میں ظاہر ہوتی ہیں۔

پنجم :- مرتبہ مثال ہے اور وہ کونی و لطیف اشیا کا نام ہے جن میں جوڑ توڑ ناممکن ہے۔

ششم :- مرتبہ تمام اجسام ہے وہ کونی مرکب اور کثیف اشیا کا نام ہے جس میں تقسیم چیرنا پھاڑنا

ممکن ہو۔

ہفتم:- مرتبہ تمام مراتب کا جامع ہے اور وہ انسان ہے جو شعور میں سب سے ا
ظہور میں سب سے آخر ہے۔ مگر جب ترقی کرتا ہے تو با استثنائے احدیت
باقی تمام مراتب اس میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر اس کو انسانِ کامل کہتے ہیں
تمام مراتب پورے پورے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود
جس طرح وجودِ مطلق کے بسات مراتب ہیں۔ اسی طرح انسانی ترقی کے لئے
مراتب ہیں اسے سیر عروجی یا سیر الی اللہ کہتے ہیں وہ مراتب جو انسان کو
میں طے کرنے پڑتے ہیں۔
وہ ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت۔ لاہوت ہیں۔ جب ان تمام مراتب کو طے
فنا فی اللہ ہوجاتا ہے تو پھر بقائے حق کے ساتھ خلقت کی طرف رجوع کرتا ہے
خلقت کو ہدایت کرے اُسے سیر باللہ کہتے ہیں۔

حق تعالےٰ نے اپنے فعل وصفات سے آگاہ کیا۔ اگر فی ذاتہ اپنی ذات
آگاہ کرتا تو کوئی بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والا ہوش میں نہ رہ جاتا۔ یعنی ہیبت و تجلی
غرق ہوجاتے یہ تمام آواز و گفتگو وحرکت و آرزو سب پسِ پردہ ہیں۔ اگر ذرا سا پردہ
اُٹھ جائے تو ساری گفتگو و دلبری ختم ہوجائے۔

عدم آئینہ ہے اور عالم وجودِ حق کا عکس۔ انسان اس عالم کی آنکھ ہے
حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس آنکھ کا نور، آنکھ سے ساری دنیا نظر آتی ہے۔ مگر آنکھ خود
نہیں آتی۔ کیا عجب تماشہ ہے کہ اس کے حسن کو سوا اس کے کسی نے نہیں دیکھا اور
سوا اس کے کوئی کسی کو کیونکر دیکھ سکتا ہے۔ کہ جب سوا اس کے کوئی کسی کو کیونکر دیکھ
سکتا ہے۔ کہ جب سوا اس کے کوئی ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ سب اعیان کی علم ہے
اگر کوئی ہوتا خدا، سوائے خدا کے طلب کرتا تو دو خدا ہوتے۔ خدا کو خدا ہی
ڈھونڈے۔ خدا کو خدا ہی پکارے۔ خدا کو خدا ہی دیکھے، خدا کو خدا ہی جانیں۔

حق چوں جاں جملہ عالم چوں تن است
ہم چو خور در کائنات ایں روشن است

حق کائنات کی عین ہے لیکن کائنات حق کی عین نہیں۔ سارا عالم اسی کے

ے ظاہر ہے ۔ وہ عالم کے ذریعے کس طرح ظاہر ہو سکتا ہے۔ ذرہ کی نمود آفتاب سے
ہے لیکن ذرہ سرگشتہ کو یہ مرتبہ کہاں کہ وہ آفتاب کے ظہور کا سبب و ذریعہ بن سکے۔

ہمہ عالم بنور اوست پیدا
کجا او گردد از عالم ہویدا

"ربنا خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما الا بالحق"

ترجمہ :- اے میرے رب جو کچھ تو نے آسمان و زمین اور اس کے درمیان پیدا کیا۔
سب حق ہی حق ہے۔ نیز فرمانِ حق تعالیٰ "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" - ترجمہ:-
یعنی جدھر دیکھو میرا نور ہی نور ہے ؎

تجلّے تیری ذات کا سُو بسُو ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "من راٰنی فقد راٰ الحق" - یعنی جس نے
مجھے دیکھا حق تعالےٰ کو دیکھا۔ نیز حضور نے فرمایا "خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ"
یعنی اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور یہ بھی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کا ہی فرمان ہے "فلا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ" ترجمہ :- یعنی زمانہ
کو گالیاں نہ دو کیونکہ زمانہ ہی خدا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا - "ولا تسبوا الریح فانہ
من نفس الرحمٰن یعنی ہوا کو برا نہ کہو۔ کیونکہ ہوا خدا کی سانس ہے۔

اس قسم کے بہت سے استدلال کلام مجید و احادیث و اقوال صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اولیاء کرام قدس اللہ ارواحہم تواتر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ جن
کی تفصیل اس مختصر سی تصنیف میں نہیں آسکتی۔ اور ان قوی اور معتبر استدلال ہی کی وجہ
ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک کوئی وجود غیر وجود۔ حق و ہستی مطلق کے موجود نہیں۔

ذیل میں اللہ تبارک وتعالےٰ کی اُن سعید و بزرگ ترین ہستیوں کے افکار و خیالات
درج کئے جاتے ہیں جو صاحب کشف و مقامات اور محرم اسرار الٰہی ہوئی ہیں تاکہ ان کے
نقشِ قدم پر چل کر سالکان راہِ طریقت کی راہ آسان ہو۔

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز ہمہ
اوست کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار فرماتے ہیں ؎

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست — حریف خلوت ساقی انجمن ہمہ اوست
اگر بہ دیدہ خوشیتن بنگری، دانی — کہ ناظر دل منظور جان و تن ہمہ اوست
چو اندر آئینہ دل فتادہ عکس رخش، — چناں نمود کہ جسم و جانِ من ہمہ اوست
اگر تو خرقہ ہستی خویشتن پارہ کنی — نظر کنی کہ دریں زیبہ پیرہن ہمہ اوست
مگو کہ کثرتِ اشیا نقیض وحدت گشت — تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست
تعین است گر اعتبار ما و من است — ز اعتبار گزر کن کہ ما و من ہمہ اوست
ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس — کہ دار نیز ہمی گفت بارسن ہمہ اوست

چہ جائے بادہ جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینی وہم مزن ہمہ اوست

جناب عارف محمود تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اس مسئلہ ہمہ اوست بارے میں اظہار ہے

ہر آنکس را کہ اندر دل شکے نیست — یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست
جناب حضرت حق را دوئی نیست — کہ در آں حضرت من و ما و توئی نیست
من و ما و تو و او ہست یک چیز — کہ در وحدت نہ باشد، ہیچ تمیز
ہر آنکہ جنالی از خود چوں خلا شد — انا الحق اندر وصوت و صداش
در آور وادی ایمن کہ ناگاہ — درختے گوید اِنّی اَنَا اللہ

روا باشد انا اللہ از درختے
چرا ہنود روا از نیک بختے

حکیم عمر خیام صاحب کا ہمہ اوست کی بابت اظہارِ خیال ہے

اے زندگی تن و توانم ہمہ تو — جانی و دلی اے دل و جانم ہمہ تو
تو ہستی من شدی از انی ہمہ تن — من نیست شدم در تو ازانم ہمہ تو

ترجمہ:- اے کہ میرے تن کی زندگی اور میری تاب و تواں تو ہی تو ہے۔ تو جان ہے اور دل ہے۔ اے کہ میرا دل و جان تو ہی تو ہے۔ تو میری زندگی ہے اس لئے تو نہیں میں نہیں ہوں۔ میں تجھ میں فنا ہو گیا ہوں اس لئے میں نہیں تو ہی تو ہے

گہ گشتہ نہاں روئے بکس بنمائی — گہ در صور کون و مکان پیدائی

این جلوہ گری بخویشتن بنمائی — خود عین عیانی و خود بینائی

ترجمہ :- کبھی تُو پوشیدہ ہوتا ہے اور چہرہ کسی کو نہیں دکھاتا۔ کبھی تُو کون و مکان کی صورتوں میں ظاہر ہوتا۔ یہ جلوہ گری تُو اپنے آپ کو دکھاتا ہے۔ تُو خود عین عیاں ہے اور خود ہی بینائی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تُو ظاہر بھی اور باطن بھی، ناظر بھی ہے منظور بھی، شاہد بھی ہے اور مشہود بھی، تُو خود آنکھ بھی اور آنکھ کی بینائی بھی ہے

در دیدۂ معشوقاں اسرار ہمی بینم — وہ جلوہ گری حُسنش اظہار ہمی بینم

در کون و مکاں باشد حقاکہ ظہور اُو — در دیر خراباتی دیدار ہمی بینم

این جلوہ تجلی او گر دیدہ بکشائی — دیوار چہ دروازہ آں یار ہمی بینم

کن فاش آشکارا ایں سر انا الحق — کاندر سر منصور خمار ہمی بینم

ہمہ اوست کے بارے میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

خود کوزہ و خود کوزہ گرے — خود گل کوزہ، خود رند سبو کش

خود بر سر آں کوزہ خریدار بر آمد — بشکست روان شد

اور میرے آقا و مولا حضرت سید مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے

در جلوہ گاہے وحدت کثرت کجا بگنجد

ہژدہ ہزار عالم یکساں شد است ما را

حضور مخدوم علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد کیا ہے

آستیں بر رو کشیدی ہمچوں مکار آمدی — باخودی خود در تماشہ سوئے بازار آمدی

در بہاراں گل شدی و صحن گلزار آمدی — بعد ازاں بلبل شدی با نالہ و زار آمدی

شور منصور از کجا و دار منصور از کجا — خود زدی بانگ انا الحق بر سر دار آمدی

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا — خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

صوفی صدر الدین حاذق چشتی صابری قدوسی مؤلف کتاب ہذا کا خیال بابت ہمہ اوست

هُوَ الْاَوَّلُ، هُوَ الْاٰخِرُ، هُوَ الظَّاهِرُ، هُوَ الْبَاطِنُ ہے

یہاں دیکھتا ہوں وہاں دیکھتا ہوں — اُسی بے نشاں کا نشاں دیکھتا ہوں

سمجھتا ہے تُو لامکاں جس کو واعظ — مکیں اُس کو میں ہر مکاں دیکھتا ہوں

وہ اوّل وہ آخر وہ ظاہر وہ باطن — من و تُو نہ ہم درمیاں دیکھتا ہوں

بٹھایا ہے زاہد نے عرشِ بریں پر — مگر میں تو جانِ جہاں دیکھتا ہوں

ہے پیرِ مغاں خاص اللہ کی صورت — علیٰ صورتہٖ کو عیاں دیکھتا ہوں

ہُوا مَن رَآنی کا واجب سے عُقدہ — فَقَدْ رَاَ الْحَق بے گماں دیکھتا ہوں

شریعت میں جس کو میں سمجھا تھا قاری — حقیقت میں سارا قرآں دیکھتا ہوں

دوئی دور دل سے ہوئی جب سے حاذق
تو کُن والا ہی کُن فکاں دیکھتا ہوں

انتباہ در مسئلہ ہمہ اوست

یاد رہے کہ مسئلہ ہمہ اوست کو عقیدہ کے طور پر اپنانا صرف صاحبِ کشف و محرمِ اسرارِ الٰہی حضرات ہی کو سزاوار ہے۔ اور عام آدمی کے لئے یہ کافی ہے کہ اُس کی خُدائی کا معترف ہو۔ اور اس کے رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے کی توفیق کا طالب رہے۔ اتنی ہی معرفت کافی ہے۔ عقل کا مرکب منزلِ مقصود تک نہ پہنچا سکے گا۔ بعض چرسی بھنگی بے علم اور جاہل پیروں فقیروں نے اس مسئلہ ہمہ اوست کو نہ سمجھنے کی وجہ سے طرح طرح کی گمراہیاں پھیلا رکھی ہیں مثلاً وہ ہما شما سب کو خُدا کہکر پکارتے ہیں۔ مثلاً میں بھی خُدا تم بھی خدا گھوڑا بھی خُدا گدھا بھی خُدا حتیٰ کہ بُت بھی خُدا۔ توبہ نعوذ باللہ۔ ہر وجہِ حکم دارد حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی۔ جو شے جس تعین جس شکل و صورت میں ہے اس کو اسی نام سے پکارو، بندہ بندہ ہے، خُدا خُدا ہے کسی حالت میں بھی دائرہ عبدیت سے باہر نہ نکلو۔

نظامِ باطنی

ظاہر بین حضرات تو بس اسی حد تک جانتے ہیں۔ کہ یہ تمام نظام ظاہری ہم دنیاداروں کی کوشش سے چل رہا ہے لیکن وہ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ وہ محض مٹی کی پتلیاں ہیں جو اہلِ باطن کے اشاروں پر چل رہی ہیں۔ خُداوند عالم جلّ جلالہٗ نے اپنی تمام مخلوق میں جملہ احکام کا صُدور بواسطہ حضُور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مُقرّر کیا ہے، اور دربارِ نبویؐ کی طرف سے سرکارِ دوعالمؐ کے ہر حکم کی تعمیل پر اغواث واقطاب و ابدال نجبا و نقبا معمور ہیں۔ درجہ بدرجہ جو احکام حضورؐ سرکارِ دوعالم کی جانب سے صادر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی تعمیل پر ہر وقت مُستعد رہتے ہیں جو باتیں قابلِ اطلاع حضورؐ کے ہوتی ہیں ان کو دربارِ نبویؐ میں پہنچاتے ہیں۔ احکام لانے اور پہنچانے کا طریقہ یہ ہے کہ حضرات اقطاب واغواث، نقبا و نجبا وابدال کے قلوب مثل آئینہ کے صاف ہوتے ہیں۔ جب کوئی ابدال سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے کوئی حکم لاتا ہے تو وہ غوث قطب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تو فوراً ان حضرات کے قلوب پر وہ احکام منکشف ہو جاتے ہیں پھر اس ابدال کو یہ حضرت حضورؐ کی طرف سے صادر کردہ احکام کو درجہ بدرجہ مخلوق تک پہنچانے کا حکم دیتے ہیں پھر ان سب احکام کی بجا آوری کی اطلاع شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں پہنچا دیتے ہیں

حضرات نقبا و نجبا کا یہ کام ہے کہ جو احکام باطنی ان کو اغواث واقطاب کی جانب سے ملتے ہیں۔ یہ زمین سے ایک فرسخ بلند ہو کر ان احکام کو پکارتے ہیں، ان کی آواز باطنی سے یہ سب احکام خلق اللہ کے قلوب پر ظاہر ہو جاتے ہیں کہ بےساختہ خلق اللہ کی زبان سے وہی کلمے صادر ہونے لگتے ہیں۔ جو ان صاحبِ باطن حضرات نے ارشاد فرمائے تھے۔ زبانِ خلق نقارہ خدا کی ضرب المثل ہے وہ یہی ہے۔ باقی رہا مقدماتِ فوجداری و دیوانی کا، مقدماتِ دیوانی کے تمام حکم احکام نجبا کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ موکل جلالی و جمالی ہوتے ہیں۔ ان کا یہ کام ہوتا ہے جو بندگانِ الٰہی خیر کا کام کرتے ہیں وہ اس شہر کے قطب و غوث کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ ہر

زمانہ میں بارہ قطب رہتے ہیں اور ان سب پر ایک قطب الاقطاب یعنی قطب عالم یا قطب مدار ہوتا ہے۔ اور قطبِ عالم کا تعلق بلا واسطہ حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سراپا برکات سے ہوتا ہے اور باقی تمام اقطاب وغواث و نجبا و نقبا قطب عالم کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔

جنّاتِ ہوائی

جنّاتِ ہوائی یہ وہ مخلوقِ خدا ہے جو مشرّف با اسلام ہو چکی ہے۔ ان کے سپرد یہ کام ہے کہ انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور کفّار و اشرار جنّات کی کفر و شرارت سے آدمیوں کو محفوظ کرتے ہیں۔ اگر یہ جنّات ہوائی جو مقبولان بارگاہِ الٰہی ہیں نہ ہوتے تو سرکش کفار جنّات کی شرارتیں جو ظاہر کے دیکھنے والوں کی نظر میں نہیں آتی ہیں (بے شمار انسانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچاتے) یہ حضرات ہر قسم کے کھانے پینے پہننے رہنے سہنے غرضیکہ کل انسانی تعلقات کی اشیا کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کوئی کافر جن کسی شخص پر دست اندازی کرتا ہے تو یہ فوراً اس کی سرکوبی کو پہنچ جاتے ہیں۔

صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ قطبِ عالم ہر زمانہ میں ایک ہی ہوتا ہے اور تمام عالم موجودات کا وجود اس کے وجود سے وابستہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فیض برابر عالم میں جاری رہتا ہے باقی بارہ قطب ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جو قطبِ عالم کے ماتحت ہیں وہ سب علیحدہ علیحدہ ہر ہر نبی کے فیض سے مستفیض اور اس کے خصائل سے ملتبس ہوتے ہیں۔

قطبِ اوّل :- حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے، اور اس کا ورد سورۂ یٰسین ہے۔

قطبِ دوم :- یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے، اور اس کا ورد سورۂ اخلاص ہے

قطبِ سوم :- یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور اس کا ورد اِذا جاءَ ہے۔

قطبِ چہارم :- یہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد اِنَّا فَتَحْنَا ہے۔
قطبِ پنجم :- یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ ہے۔
قطبِ ششم :- یہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد سورۃ واقعہ ہے۔
قطبِ ہفتم :- یہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے،
اور اس کا وِرد سورۃ بقرہ ہے۔
قطبِ ہشتم :- یہ حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد سورۃ کہف ہے
قطبِ نہم :- یہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد سورۃ نمل ہے۔
قطبِ دہم :- یہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد سورۃ انعام ہے۔
قطبِ یازدہم :- یہ حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے اور
اس کا وِرد سورۃ طٰہٰ ہے۔
قطبِ دوازدہم :- یہ حضرت شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب سے مستفیض ہوتا ہے
اور اس کا وِرد سورۃ مُلک ہے۔

اور ان سب کے حاکم اعلیٰ قطبِ عالم یعنی قطبِ مدار ہیں جو بلا واسطہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر اسی فیضِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے تمام عالم، علوی سفلی کو فیضیاب کرتے ہیں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت چونکہ خیر الامم ہے اس وجہ سے اس اُمت میں ہمیشہ غوث، قطب، ابدال، اوتاد کثرت سے ہوتے رہے ہیں اور اسی طرح تا قیامت ہوتے رہیں گے اور یہ حضرات ہر زمانہ میں حضور سرورِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان کو ہر وقت مخلوقِ خدا پر پہنچاتے رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے سب مخلوقِ اللہ پر رحمت کے انوار برستے رہتے ہیں۔ اُمتِ مرحومہ کے علاوہ غیر لوگ بھی باوجود معصیت کے مثلِ اُمم سابقہ کے بطفیل سید الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قہرِ الٰہی میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اہلِ باطن نے اِن حضرات کی خدمات کو اپنے انوارِ باطنی سے معلوم کر کے اس کو بالتفصیل ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اولیا اللہ کے انکشافات کو بہ نظر حقارت نہیں دیکھنا چاہیئے جیسے کہ آج کل ناواقفِ مذہب اور مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سب پیروں کی من گھڑت داستانیں ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ توبہ نعوذ باللہ اس بات پر پختہ یقین رکھو کہ مقبولگانِ بارگاہِ الٰہی جو کچھ کہتے ہیں وہ از روئے مشاہدہ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ علمت علم الاولین والآخرین کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات شک و شبہ سے پاک و بالاتر ہوتی ہے۔ بندہ ناچیز نے یہ مختصر حالات خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ نقشہ سے (جو کہ بہت لمبا چوڑا ہے) اخذ کر کے لکھ دیئے ہیں۔ اگر کسی صاحب کو زیادہ معلومات کی ضرورت ہو تو یا کسی قسم کا شک وشبہ ہو تو وہ حضور خواجۂ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل نقشہ یا قطب بحر المعانی (کشف المحجوب) نفحات الانس۔ لطائف قدوسی، لطائفِ اشرفی وغیرہ ملاحظہ فرمالیں۔

اورادِ چشتیہ

ضروری ہدایات:۔ ہر قسم کے ورد، وظائف، شغل اشغال سے پہلے مرید کو لازم ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو مرشد کے ہاتھ پر بیع کر دے یعنی مرید کا اپنا ذاتی کوئی ارادہ باقی نہ رہے سب مرشد کا ہو جائے اور اپنے شیخ کے حکم کی پوری پوری اطاعت کرے۔ جس کو اپنے شیخ کی اطاعت میسّر آگئی تو پھر اس کا شیخ اپنی نگاہِ لطف و کرم سے اطاعتِ رسولؐ تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اطاعتِ رسولؐ ہی اطاعتِ الٰہی کا مرکز ہے اور جب اطاعتِ الٰہی میں کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت سالک راہِ سلوک کے تمام دُشوار گزار مرحلے طے کر کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنی خودی سے رہا ہو کر واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت اس کی زبان۔ زبانِ خدا۔ اُس کا حکم۔ حکمِ خدا۔ اُس کا قول، قولِ خدا بن جاتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ سالک خود نہیں رہتا بس وُہ ہی وُہ رہ جاتا ہے جو ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ ہی رہے گا۔

آج کل یہ مسئلہ بھی اُلجھن بنا ہُوا ہے کہ اکثر لوگ یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ مَیں نے فلاں درویش کے کہنے پر کشائشِ رزق کے لئے وظیفہ کیا۔ لیکن نتیجہ کچھ حاصل نہ ہُوا۔ کوئی کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں پیر کے کہنے پر سورۂ یٰسین کا وظیفہ کیا لیکن صاحبِ اولاد نہ ہُوا کوئی کہتا ہے کہ فلاں درویش کے کہنے پر آیۂ کریمہ کا ورد کیا لیکن مقدمہ میں کامیاب نہ ہُوا۔ تو ازراہِ کرم اس پر روشنی ڈالیں کہ توبہ نعوذ باللہ توبہ نعوذ باللہ یا تو خدا کے کلام میں کوئی شک و شبہ ہے یا بتانے والے سب جھوٹے ہیں۔ تو یاد رکھنا چاہئیے کہ خُدا کا کلام سچّا اور اُس کا وعدہ سچّا ہے لیکن خرابی طریقہ طلب کی ہے کاش وہ لوگ یہ سب کچھ یعنی ذکر اذکار۔ ورد وظائف خوشنودی اللہ تبارک وتعالےٰ کی رضا کی خاطر کرتے اور خُداوند عالم کی قدرت و طاقت پر ایمان و یقین کامل رکھتے تو یقیناً ان کے سب دُنیاوی کام بھی پورے ہو جاتے اور ان سے خُدا بھی خوش ہو جاتا۔

یقین کیجیے کہ فی زمانہ ایک لاکھ آدمیوں میں سے شاید ہی ایک آدمی بھی

بمشکل تمام طالب خدا نظر آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں لیکن کیف و سرور سے خالی۔ ہم ذکر بھی کرتے ہیں تو لسانی و ریائی تو پھر بتائیں ہمیں کس طرح طمانیت قلب میسر آسکتی ہے۔ طمانیت قلب تو تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہم ذکر اذکار ورد وظائف محض خداوند تعالےٰ کی رضا کے لئے کریں نہ کہ اپنی اغراض و مقاصد کے لئے۔

القصہ مختصر یہ ہے کہ جیسے مرید ویسے پیر۔ جیسے طالب ویسے ہی مطلوب ہم نے خداوند تعالےٰ کی خالص عبادت چھوڑ دی اور اپنی دنیاوی اغراض و مقاصد پورے کرنے کے لئے عبادت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اس لئے ہمیں اہل اللہ کی بجائے دنیا دار پیر و ریاکار پیر مل جاتے ہیں۔ گستاخی معاف میں نے اجمیر شریف و کلیر شریف کے مشہور عرسوں کے موقع پر اکثر یہ دیکھا ہے کہ وہاں پر بعض نام نہاد پیر عملیات کی تجارت کرنے جاتے ہیں اور وہاں پر باقاعدہ دکانداری کرتے ہیں وہ مجمع عام میں ذکر و شغل کے حلقے کرتے ہیں تاکہ اُن کو خدا رسیدہ سمجھا جائے وہ مریدین کے غول کے غول لے کر محفل سماع میں جاتے ہیں تاکہ ان کا رعب و اثر پڑے۔ وہ محفل سماع میں ایسی ممتاز جگہ بیٹھتے ہیں جہانکہ وہ حاضرین کی توجہ کا مرکز بن سکیں اپنی مجالس میں دوسرے درویشوں کی برائیاں کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے مرید کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں وہ اپنی تعریف و اپنے کمالات و کرامات کا ذکر خود اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنے خلفا کو خفیہ یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ لوگوں میں ان کے تصرفات و کرامات کا ذکر کیا کریں یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ طالبوں کی طلب گمراہ ہو گئی ہے اور خدا کی طلب لوگوں میں صحیح طریقہ پر باقی نہیں رہی ہے جیسی روحیں ویسے فرشتے۔ جیسے مرید ویسے پیر۔ جیسے ان کے مقاصد ویسے ہی اُن کے حل ہیں۔

اس بات کا بھی لحاظ رکھیں کہ تمام مشائخ ہی ریاکار نہیں زمانہ حال میں کچھ اہل اللہ ایسے بھی موجود ہیں جن کے دم قدم سے یہ دنیا آباد اور قائم ہے۔ ہم طالبوں کا مقصود خدا کا راستہ ہونا چاہیئے اور ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے رہبر بذات خود اطاعت اللہ و اطاعت رسول اللہ کے پابند ہیں یا کہ نہیں۔ اگر وہ پابند

ہیں تو سبحان اللہ۔ اگر قسمت سے ایسا رہبر مل جائے تو لازم ہے کہ اس کے حکم کی پوری پوری پابندی کرے اور مرید کو یہ واجب نہیں کہ پیر کے ذاتی چال چلن اور اس کے عیب ثواب کو دیکھنے میں اپنی عمر کو ضائع کرے۔ بلکہ ہر حکم شرعی کو خدا کا حکم جان کر پوری پوری پابندی کرے۔ جو کچھ پیر و مرشد ذکر و فکر ورد وظائف بتائے اس پر دل وجان سے عمل پیرا ہو۔ میرا یہ ذاتی مشاہدہ ہے کہ میں نے جو کچھ اپنے پیر و مرشد کی تعلیم سے حاصل کیا اس سے مجھے یہ یقین حاصل ہوا ہے کہ ذکرِ خدا میں وہ طاقت ہے کہ اگر مرشد کامل کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر عمل کیا جائے تو اس میں یہ طاقت ہے کہ اولاد کی دولت بھی مل جاتی ہے مقدمہ میں فتح بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ رزق کی تنگی بھی دور ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی پریشانیوں سے نجات بھی مل جاتی ہے۔

اورادِ چشتیہ

<u>وظائف نماز فجر</u>:۔ نماز فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان چالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ یعنی الحمد شریف اس طرح پڑھے کہ بسم الرحمٰن الرحیم۔ الرحیم کی میم اور الحمد کے لام سے ملا کر پڑھے (یعنی الرحیمِ لحمد للہ رب العالمین، پڑھے) پھر نماز فجر کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھے بعد ازاں شجرہ شریف پڑھے پھر ایک بار الحمد شریف ایک بار آیۃ الکرسی تین مرتبہ سورۃ اخلاص اور گیارہ مرتبہ درود شریف (ہزارہ) صابریہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِائَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ پڑھ کر دعا مانگے۔ اگر صاحب فرصت ہو تو اللہ تبارک وتعالےٰ کے ننانوے نام اسماء الحسنیٰ اور حضور محمد <u>مصطفےٰ</u> صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسما مبارک بھی پڑھ لیا کرے تو بہت جلد فیض المرام ہو اور دین و دنیا کی ہر نعمت میسر آجائے۔

<u>وظائف نماز ظہر</u>:۔ نماز ظہر کے فرضوں کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ پڑھیں پھر کل نماز کے بعد سو مرتبہ آیہ کریمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، پڑھیں اوّل وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف (ہزارہ) چشتیہ صابریہ پڑھیں پھر دعا مانگیں۔ اگر صاحب فرصت ہو تو کچھ دیر مراقبہ

میں بیٹھکر تصور شیخ کر لیا جائے۔

وظائف نمازِ عصر:۔ عصر کی نماز فرض ادا کر لینے کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھیں پھر درود شریف چشتیہ صابریہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر یکصد مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۔ پڑھ کر پھر گیارہ مرتبہ درود شریف چشتیہ صابریہ پڑھیں اور پھر دعا مانگیں

وظائف نمازِ مغرب:۔ نماز مغرب میں فرض اور سنت ادا کر لینے کے بعد سر برہنہ ہو کر سجدے میں جائے اور یکصد مرتبہ یا مُزَّمِّلُ پڑھے ۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر ڈھانپ لے اور نفل ادا کرے پھر سجدے میں جائے اور ایک مرتبہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھے پھر یکصد مرتبہ اَللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھے ۔ آخریں ایک مرتبہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ پڑھ کر سجدے سے سر اٹھائے بقدر فرصت تصور صورت شیخ مراقبہ میں ادا کرے جب مراقبے سے فرصت ہو تو دعا قاضی الحاجات سے طلب کرے ۔

وظائف نمازِ عشا:۔ ہمارے آقا و مولا حضرت مخدوم صابر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خاص وظیفہ ہے ۔ ترتیب شریف صابری دوران نمازِ عشا بارہ رکعت نمازِ عشا پڑھ کر آخری تین وتر و دو نفل سے پیشتر سات سو چھیاسی مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، بیٹھ کر پڑھے بعد ازاں سر برہنہ کھڑا ہو کر یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ ایک ہزار مرتبہ پڑھے پھر سر برہنہ کو سجدے میں لے جاکر سجدہ میں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۔ ستر مرتبہ پڑھے اور پھر سجدے سے سر اٹھا کر ڈھانپ لے اور بیٹھ کر یکصد مرتبہ درود شریف چشتیہ صابریہ پڑھے اور بعد ازاں دعا مانگے ۔

ہمارے سلسلے چشتیہ صابریہ میں اکثر مرید تہجد گزار ہوتے ہیں اس لئے تین وتر اور دو نفل جو عام طور پر نمازِ عشا میں پڑھے جاتے ہیں ۔ درحقیقت یہ نمازِ تہجد کے بعد کے ہیں لہٰذا جو شخص پابند نمازِ تہجد نہ ہو اس کو اجازت ہے کہ نمازِ عشا کے ساتھ ہی پڑھ لیا کرے ۔

نمازِ تہجد:۔ اوّل بارہ رکعت نماز نفل دو دو کر کے پڑھے ہر رکعت میں بعد الحمد شریف

تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اس کے بعد ذکر بارہ تسبیح اس طرح ادا کرے۔
ذکرِ نفی اثبات :- پہلے ذکر نفی اثبات کی دو تسبیح (دو صد مرتبہ) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
پڑھے نفی کرتے وقت دونوں آنکھ بند رکھے اور اثبات کے وقت کھلی رکھے۔
ں ذکر کے کرنے وقت چار زانوں یعنی آلتی پالتی مار کر بیٹھے۔ منہ قبلہ رُخ ہو۔ کمر کو
سیدھا رکھے دونوں ہاتھ زانوں پر رکھے اور اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دل پہ مارے۔
ذِکرِ اثبات :- اس ذکر میں دوزانوں منہ قبلہ رُخ کر کے بیٹھے۔ کمر کو سیدھا
ھے۔ سر کو داہنے کندھے کی طرف سیدھا کر کے پوری قوت سے دل پہ اِلَّا اللّٰہ کی
رب لگائے اور یہ تصور رکھے کہ سوائے اللہ کے اور کچھ موجود نہیں سب اللہ ہی
للہ ہے یہ ذکر چار صد مرتبہ یعنی چار تسبیح کرے۔
ذکر پاسِ انفاس :- اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانو قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے اور کلمہ
ہُ اَللّٰہ - پہلے اَللّٰہ پہ پیش پڑھے دوسرے لفظ اَللّٰہ کو ساکن پڑھے۔ اَللّٰہُ کی
ضرب چھاتی کے داہنی طرف رُوحِ لطیفہ پر لگائے جو چھاتی کے داہنی طرف واقع ہے
دوسرے لفظ ساکن اَللّٰہ کی ضرب دل پہ لگائے جو چھاتی کے بائیں طرف واقع ہے
یہ ذکر چار تسبیح یعنی چار صد مرتبہ کرے۔
ذکرِ اسمِ ذات :- اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانوں منہ قبلہ رُخ کر کے بیٹھ جائے
اور منہ بند کر کے زبان تالو سے لگالے اور جب سانس اندر کی طرف لے تو لفظ اللہ
ادا کرے۔ اور یہ تصوّر کرے کہ اللہ تمام باطن میں مُحیط ہے اس کے بعد سانس
باہر لائے تو ھُو کا لفظ ادا کرے یعنی ہر طرف وہ ہی وہ ہے۔ ایک تسبیح یعنی یکصد
مرتبہ پڑھے اور آخر میں درود شریف چشتیہ صابریہ یکصد مرتبہ پڑھے۔

اَشغال

شُغلِ سُلطانُ الذکر :- اس کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھ۔ ناک۔ کان اور مُنہ بند
کر کے فقط ناک کا ایک سوراخ یعنی ایک ناس سانس لینے کے لئے کھلی رکھے اور یہ
تصوّر کرے کہ کسی اونچی جگہ سے پانی نیچے گر رہا ہے اور اس تصوّر کی حالت میں اسمِ ذات

کا شغل بھی قلب اور اُم دماغ میں جاری رکھے۔ رفتہ رفتہ غیب سے وہ صدا آ
دینے لگے گی جس کو صوت سرمدی کہتے ہیں اور یہ وہ صدا ہے جس کو حضرت
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طُور پر سُنا۔

شغلِ محمُودہ:- اس شغل میں نظروں کو دونوں بھنوں کے درمیان اس ج
جمائے جو ناک کے اوپر اور پیشانی کے نیچے واقع ہے۔ اس شغل سے نماز میں خ
نہیں پیدا ہوتے اور رفع خطرات کا یہ مجرّب عمل ہے۔

مَراقبے

مراقبے:- مراقبے کا مطلب عربی زبان میں گردن کو کہتے ہیں۔ کیونکہ م
گردن کو جھکا کر کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے اس کا نام مراقبہ رکھا گیا ہے۔ اور
اس میں خطرات نفسانی و شیطانی و خیالات کو پراگندگی سے بچانے کے
مشق کی جاتی ہے اس لئے صوفیہ اکرام اور خواجگان چشت اہل بہشت اس کو
قرار دیتے ہیں۔

مراقبہ اسمِ ذات:- اس کا طریقہ یہ ہے کہ باوضُو قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے اور
باللہِ و بِسمِ اللہِ شریف پڑھ کر گردن جھکائے اور اپنے قلب پر نگاہ رکھے او
اس میں تصوّر اللہ کا کرے شروع شروع میں کچھ تکلیف ہوگی لیکن رفتہ رفتہ
اسمِ ذات کی قوت حد کمال پر پہنچ کر طمانیت قلب تک پہنچا دیتی ہے۔

مراقبہ دیدار الٰہی:- مذکورہ بالا طریقہ پر منہ قبلہ رُخ کر کے مراقبہ کرے
تصور میں اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور اس میں تص
اللہ کا کرے۔ جب اس تصوّر میں پختہ ہو جائے تو پھر یہ تصوّر کرے کہ میں اللہ کو
دیکھ رہا ہوں۔

مراقبہ اللہ معی:- اس کو مندرجہ بالا طریق پر شروع کرے اور یہ تصوّر کرنا
چاہیئے "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ" اللہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو۔
اس مراقبہ میں اس آیہ شریف کا تصوّر کرنا چاہیئے۔ اس تصوّر میں خدا کی معیت و

یکجائی کا خیال اور اس پر یقین اس قدر پختہ ہو جائے کہ یقیناً خدا اپنے ساتھ نظر آنے لگے گا۔

مراقبہ ہمہ اوست :۔ اس مراقبے کو بھی مندرجہ بالا طریق پر شروع کرے اور یہ تصور کرے کہ وہ ہی وہ ہے میں نہیں۔ یعنی اے اللہ سب تو ہی تو ہے۔ میں نہیں ہوں۔ اس مراقبہ سے نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور مشاہدات قربِ الہٰی ظاہر ہونے لگتے ہیں جو ذکر اذکار، شغل و اشغال اور مراقبے اوپر لکھے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص بھی اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے اور اس کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر اس میں سے کم از کم ایک ذکر یا ایک شغل یا ایک مراقبہ پر عمل کر کے دیکھے تو پھر وہ خود ہی مشاہدہ کر لے گا کہ اس عمل کی تاثیر سے بندہ و مولا کے درمیانی حجابات بالیقین اُٹھ جائیں گے۔

ذکرِ خُدا کا معجزہ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جو اپنے زمانے کے ولی اللہ کامل و اکمل تھے۔ ان کو کسی سے معلوم ہُوا کہ فلاں مقام پہ ایک درویش رہتا ہے۔ جو حالات آخرت سے آگاہی رکھتا ہے۔ اتفاق سے ایک مجلس میں جہاں مولانا موصوف مدعو تھے۔ اسی مجلس میں وہ درویش بھی حاضر تھے۔ بیٹھے بیٹھے اس درویش نے اچانک ایک چیخ ماری اور اُن کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ دریافت کرنے پر اُس درویش نے بتایا کہ میری والدہ جو فوت ہو چکی ہے اس وقت عذاب میں مبتلا ہیں۔ مولانا صاحب کو اس بات کا علم تھا۔ کہ جو شخص افضل الذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی کلمہ طیبّب کا ستر ہزار مرتبہ ذکر کر چکا ہو۔ وہ اگر کسی گرفتارِ عذاب کے حق میں بخش دے تو اللہ تبارک تعالیٰ فوراً عذاب سے اس کو رہائی عطا فرماتا ہے۔ چونکہ مولٰینا صاحب نے یہ ذکر کئی مرتبہ پُورا کیا ہُوا تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے غائبانہ طور پر اس کی والدہ کو بخش دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دیکھا کہ وہ حالاتِ آخرت جاننے والے درویش خوش و خُرم نظر آتے۔ پھر دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ حاضرینِ مجلس میں سے

کسی خدا کے بندے نے کلمہ طیبہ ستر ہزار مرتبہ ادا کئے ہوئے کا ثواب غائبانہ طور پر میری والدہ کو بخش دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری والدہ پر سے عذاب اُٹھا لیا ہے اور کلمہ طیبہ کی برکت سے ان کو بخش دیا ہے۔

دُرُود شریف کے فضائل و مُعجزہ

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اس آیت شریفہ میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ مَیں اور میرے فرشتے نبی پاکؐ پر درُود بھیجتے ہیں۔ اَے ایمان والو تم بھی اس ذاتِ مُقدّسؐ پر درُود بھیجا کرو۔ اس حُکم خداوندی کے مطابق حضور پُرنُورؐ پر درُود و صلوٰۃ بھیجنا عین فرض میں داخل ہے۔ لہٰذا اس آیۃ شریفہ کے حکم کے مطابق جو شخص دُرود شریف پڑھتا ہے۔ وہ خداوند تعالیٰ کے فعل میں مطابقت کرتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درُود شریف بھیجنے کا فعل خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف منسُوب کیا ہے۔ اور اس کے ملائکہ بھی نبی پاکؐ پر درُود بھیجتے ہیں۔ لہٰذا جو مسلمان حضورؐ پُرنُور پر درُود بھیجتا ہے وہ ملائکہ سے بھی موافقت کرتا ہے۔

۲۔ جس دُعا کی ابتدا و انتہا میں درُود شریف پڑھا جائے گا وہ یقیناً قبُول ہوگی۔

۳۔ درُود شریف پڑھنے والے پر ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو درُود شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہے

۴۔ درُود شریف کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال سے بہتر عمل ہے۔

۵۔ اگر کوئی شخص بات بھول جائے تو درُود شریف کے پڑھنے سے یاد آجاتی ہے

۶۔ درُود شریف کے پڑھنے سے محتاجی و تنگدستی دُور ہو جاتی ہے۔

۷۔ درُود شریف پڑھنے والا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت قریب ہوتا ہے۔

۸۔ بکثرت درُود شریف پڑھنے والے کو خواب میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور عالمِ برزخ میں سرکارؐ کی صحبت و قرب
مُیسّر ہوتا ہے۔

۹۔ درُود شریف پڑھنے والے کو ایمان و ہدایت کی دولت سے نوازا جاتا ہے
اس کا دل زندہ کر دیا جاتا ہے اور فسق و گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۰۔ درُود شریف پڑھنے والے کو حضورؐ خود جواب دیتے ہیں اور یہ شخص نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جواب سے مُشرف ہوتا ہے۔

یہ مذکورہ بالا احادیث کا ترجمہ ہے جو کہ سب صحیح و مُستند ہیں۔

مگر عاشقانِ جمالِ محمدیؐ و شیفتگانِ جمالِ احمدیؐ کا مقام کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اُن کو صورت و خیالِ حضورؐ پُرنور سے ایک لحظہ جدائی نہیں ہوتی۔ آخر کار وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور جب وہ درُود و سلام اپنی وجدانی حالت میں پڑھتے ہیں تو حضورؐ خود ان کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بلا واسطہ ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ ان کو فرشتوں کے توسّل کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی اور بعض عاشقانِ پاکباز کا اس سے بھی اعلٰے وارفع مقام ہے کہ وہ درُود شریف میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ بجز درُود شریف و صاحبِؐ درُود شریف کے اور کوئی بھی ہستی ان کی نظر و خیال میں باقی نہیں رہتی حتیٰ کہ ان کو اپنے وجود تک بھی کوئی خبر نہیں رہتی۔ سراپا جسم و جانم محمدؐ۔ مسلمان ہستم ایمانم محمدؐ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جب عاشقِ صادق کثرت درُود شریف و فیض مرشدی سے فنا فی الرسولؐ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر درمیان فرشتوں کا کیا واسطہ، یہاں پہ تو ہمہ تن درُود و صاحبِؐ درُود موجود ہیں ؎

پیا کو پتیاں جب لکھوں کہ ہوئیں جو بدیس　　تن میں من میں وہ بسیں پھر کاہے کا سندیس

مُعجزہ

درُود شریف کے مُعجز نما اثر کا ایک صحیح اور سچا واقعہ حضرت ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ کا ہے یہ نویں صدی ہجری کا واقعہ ہے کہ مصر کے دار الخلافہ قاہرہ میں حسینیاں محلہ کی

جامع مسجد قاضی معزالدین کی پُر تاثیر تلاوت کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ لوگ جوق در جوق قاضی معزالدین کی تلاوت سُننے کے لئے آتے تھے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد قاضی صاحب کی آواز سے گونجتی تھی اور سامعین کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کہ ساری کائنات وجد میں جھوم رہی ہو۔ سُنا ہے کہ عرب و عجم کے بہت سے اولیاء کرام کوسوں کے فاصلے چشم زدن میں طے کر کے یہاں پہنچتے تھے اور اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ محلہ کے لوگ تو یہاں تک کہتے تھے کہ انہوں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کی سواری بھی اس مسجد میں داخل ہوتے دیکھی ہے۔ ایک بارہ سالہ لڑکا ابراہیم اپنے بھُنے ہوئے چنے کا خوانچہ لے کر یوم جمعہ کو صبح آٹھ بجے ہی سے مسجد کی سیڑھیوں پر آواز لگانی شروع کر دیتا تھا۔ بظاہر تو وہ چنے فروش ہی تھا لیکن باطن میں حضورؐ پر نورؐ کے دیدار کی خواہش حد انتہا رکھتا تھا۔ اپنی کم سنی کے باوجود اس کو یقین تھا کہ کسی نہ کسی جمعہ کے دن کو وہ صحابیوں کے جلو میں اپنی جان سے پیارے رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں جاتے ہوئے دیکھنے میں ضرور کامیاب ہو جائیگا اور اس کا دل کہتا تھا کہ چاہے ہزاروں کا مجمع ہی ہو۔ اگر وہ مسجد کی سیڑھیوں کے پاس موجود رہا تو حضورؐ پلٹ کر مسکراتے ہوئے اس پر شفقت بھری نظر ضرور ڈالیں گے۔ پھر وہ کس کس طرح جھک جھک کر سلام کرے گا۔ اور دُور ہی دُور سے کس کس طرح حضورؐ پہ والہانہ درُود وسلام بھیجے گا۔ پتہ نہیں اس وقت کیا عالم ہوگا۔ کہ وفورِ شوق سے میرا سینہ نہ پھٹ جائے گا۔ حضورؐ خوش ہو کر اپنے رفیقوں سے کہیں گے دیکھو یہ بچہ ہم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ انہی خیالوں میں محو ہو کر وہ جھوم جھوم کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درُود پڑھنا شروع کر دیتا۔ اور محویت کے عالم میں وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتا اور اپنے گرد کا ہوش نہ رہتا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کا سارا وجود ایک روشن دائرہ میں گھوم رہا ہے۔ آواز کی تیزی کے ساتھ ساتھ روشن دائرے کی گردش بھی تیز ہوتی جاتی۔ اس کو یہ خبر نہ ہوتی کہ اس کے گرد جامع مسجد کا ہجوم اکٹھا ہو گیا ہے یہ اس کے درُود شریف کے پڑھنے کا اثر یا عشق کی سرمستی تھی کہ جب وہ درُود شریف ختم کر کے عالم ہوش میں آتا تو اس کا خالی خوانچہ سکوں سے بھرا ہوتا۔ دوسرے خوانچہ والوں کو معلوم ہوتا کہ نمازی ابراہیم کے خوانچہ سے چنوں کے چند دانے بطور تبرک لے جاتے ہیں اور سکے ڈال جاتے ہیں جب

ان حالات کا علم ابراہیم کی والدہ کو ہُوا تو اُنہوں نے ابراہیم کو سمجھاتے ہوئے کہا بیٹا
میں نے سُنا ہے کہ تم چنوں کی بجائے درُود وسلام بیچتے ہو۔ اور تم نے درُود شریف
کی سوداگری شروع کر کے اپنے آپ کو تماشہ بنا لیا ہے۔ خبردار آئندہ منہ سے چنوں
کی آواز لگاؤ اور دل میں درود شریف کا ورد کیا کرو۔

ابراہیم نے آئندہ کے لئے اپنی والدہ کی نصیحت پر عمل شروع کیا۔ یعنی چنے اونچی
آواز سے فروخت کرتا، اور دل درُود شریف وسلام میں مستغرق رہتا۔ دُوسرے جمعہ کو
خاص طور پر محتاط رہا۔ دل کہتا تھا کہ درُود شریف اس طرح پڑھ کہ دُنیا کی کوئی اور آواز
سُنائی نہ دے لیکن ماں کی نصیحت کی وجہ سے اپنے دل پر جبر کر کے اس نے اپنے ہونٹ
بھینچ لئے تھے۔ اس کا پُورا وجُود اور تمام تر اشتیاق۔ شوقِ دید میں صرف آنکھوں میں
سمٹ آیا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ قاضی معزالدین صاحب پر پڑی اور اسی لمحے قاضی
معزالدین خطیب جامع مسجد نے بہت دُور سے ابراہیم کا چہرہ دیکھا اور وہ کچھ سوچ کر
آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُتر کر ابراہیم کے سامنے آکھڑے ہوئے پھر انہوں نے آہستہ
سے پُوچھا کیا تم وہی لڑکے ہو جو بلند آواز سے درُود شریف پڑھتے ہو۔ ابراہیم قاضی
معزالدّین کے نورانی چہرے مُبارک میں ڈوب کر رہ گیا۔ قاضی صاحب نے پُوچھا۔ تمہارا
نام کیا ہے۔ ابراہیم نے نہایت ادب سے بتایا کہ جناب میرا نام ابراہیم ہے قاضی صاحب
نے سوال کیا کہ آج تم درُود شریف کیوں نہیں پڑھ رہے ہو۔ ابراہیم نے عرض کیا حضورؐ
میری والدہ نے کہا ہے کہ زبان سے چنے بیچو دل میں درُود شریف پڑھو اس طرح آدمی
تماشہ بننے سے بچ جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے ابراہیم کے کاندھے پر ہاتھ شفقت
سے رکھ کر کہا کہ تمہاری والدہ نے سچ کہا ہے میں خود گذشتہ جمعہ تم کو یہی کہنے والا تھا
لیکن تم جذبۂ شوق میں بہت آگے بڑھ چکے تھے اس وقت تمہاری مستانہ کیفیت
سے واپس لانا مشکل تھا۔ ابراہیم نے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ حضورؐ جب رہنا
میرے بس سے باہر ہو گیا ہے میں نے سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
سواری اکثر یہاں آتی ہے۔ اور مجمع کثیر ہوتا ہے۔ اس لئے میں اپنی بلند آواز سے
سرکارِ دوجہاں پر درُود بھیجتا ہوں کہ کم از کم میری آواز ہی حضورؐ تک پہنچ جائے۔ قاضی صاحب
نے گھبرا کر کہا نہیں بچے نہیں گذشتہ جمعہ کو درُود شریف میں تمہاری آواز کی بلندی اور

کیف و مستی کے عالم کو دیکھ کر مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مسجد کے در و دیوار بھی تمہارے
ساتھ درود شریف میں نہ شریک ہو جائیں ۔ تمہاری عمر ابھی بہت کم ہے اور بہت سی
راز کی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتیں ۔ لہٰذا تمہیں ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے
جو ان باتوں کے آداب سے تمہیں آگاہ کر سکے ۔ ابراہیم نے عرض کیا کہ حضور اس
شہر میں کوئی ایسا عالم بھی ہے جو تعلیم کے علاوہ حضور سرکارِ دو عالم ؐ کے دیدار کی تمنا
بھی دے سکے ۔ قاضی معز الدین ابراہیم کی زبانی اتنا بڑا سوال سن کر سناٹے میں آ گئے
بولے ابراہیم دیدار کے لئے تعلیم سے زیادہ لگن کی ضرورت ہے ۔ اس پر ابراہیم نے پھر
کہ پھر آپ تعلیم کی بجائے سچی لگن کا راستہ بتائیں ۔ ابراہیم کا جواب سن کر قاضی صاحب
حیرت زدہ رہ گئے اور دل میں یقین کر لیا کہ میں ایک پیدائشی ولی اللہ کے سامنے کھڑا
ہوں ۔ اور ولی بھی ایسا صاحبِ کمال کہ جس کی رہنمائی شاید خود سرکارِ کائنات صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم فرما رہے ہیں ۔ قاضی صاحب نے ابراہیم کو احترام کے ساتھ جواب دیتے ہوئے
آہستہ سے کہا کہ میں اپنی سفید داڑھی کے نام پر صرف ایک درخواست کرتا ہوں کہ تم
صبح اپنے تمام چنے صرف مجھے فروخت کر دیا کرو ۔ پھر پورے دن تم جہاں چاہو بیٹھ کر اللہ
و رسول ؐ کی یاد میں صرف کر سکتے ہو ۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تک میں اپنی والدہ صاحبہ سے
اجازت نہ لے لوں کوئی جواب نہیں دے سکتا ۔ ویسے اس وقت میری یہ درخواست
ہے کہ میرے تمام چنے حضور ؐ کے نام پر حاجتمندوں میں تقسیم کر دیں ۔ آج میری والدہ اور
میں دونوں اللہ کے مہمان ہو جائیں گے ۔ ابراہیم نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپکی تلاوت
سننے کے لئے اکثر سرکار دو جہاں ؐ یہاں تشریف لاتے ہیں قاضی صاحب نے سرگوشی
کرتے ہوئے اقرار کیا ۔ کہ ہاں ابراہیم تم نے سچ سنا ہے ۔ تو ابراہیم نے بے قراری سے
قاضی صاحب سے پوچھا کہ پھر آپ نے تو سرکارِ دو عالم ؐ کی زیارت ضرور کی ہوگی ۔ قاضی
صاحب نے بڑے دکھ سے جواب دیا کہ افسوس یہ سعادت مجھے اب تک حاصل نہیں
ہو سکی ۔ ابراہیم نے حیرت سے پوچھا کہ پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سرکار دو عالم ؐ یہاں
تشریف لاتے ہیں ۔ قاضی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ ابھی تم بچے ہو ۔ بہت سی راز
کی باتیں سمجھ سے باہر ہیں اس وقت تمہارے لئے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ روئے زمین
جہاں سے بھی حضور ؐ کی سواری گزرتی ہے ۔ وہاں پر کوئی قاری خواہ کتنی ہی بلند آواز سے
تلاوت کر رہا ہو اس کی آواز دھیمی ہو کر حد ادب پر آ کر ٹھہر جاتی ہے ۔ مجھے اکثر یہ اعزاز

نصیب ہوا ہے کہ میری آواز حدِ ادب سے اونچی نہیں اُٹھ سکی۔ قاضی صاحب نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ ابراہیم میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ قاضی صاحب حاجتمندوں میں چنے تقسیم کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ ابراہیم بھی اپنے بوجھ سے فارغ ہوکر سب سے اوّل صف میں جا بیٹھا اور دل میں درود شریف کا ورد کرنے لگا۔ جب نمازیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تو نمازیوں نے اسے بچہ سمجھ کر پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ جب خطبے کی اذان جاری تھی اس وقت وہ سیڑھیوں سے گر کر بازار میں سب سے پچھلی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں اس کے ہم عمر لڑکے نماز کو کھیل سمجھ کر ایک دوسرے سے شرارت کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں خطبہ ختم ہو گیا نماز کے لئے صفیں درست ہونے لگیں تکبیر کے بعد ابراہیم نے نیّت باندھ لی اسے محسوس ہوا کہ اس کے دائیں بائیں چند بزرگ ترین ہستیاں آکر کھڑی ہو گئیں ہیں اور قاضی معزالدین کی سورۂ فاتحہ کی آواز حدِ ادب پر آکر ٹھہر گئی ہے۔ ابراہیم کو پختہ یقین ہو گیا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی دائیں طرف رونق افروز ہیں دوسرے لمحے وہ سجدہ گاہ میں بیہوش پڑا ہوا پسینہ میں بھیگا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو اس کی والدہ سرہانے بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی۔ ابراہیم کا چہرہ پسینہ میں بھیگا ہوا تھا۔ بیٹے کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر ماں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ماں نے آہستہ سے کہا کہ نماز پڑھتے ہو تو نماز کی ہمت بھی رکھا کرو۔ اگر شوقِ دید کی تمنّا ہو تو دل کو قوی اور ماسوا سے خالی کر دے۔ ماں نے حکم دیا کہ اُٹھو اور وضو کر کے عشا کی نماز ادا کرو۔ سعادتمند بیٹے نے نماز کو جاتے ہوئے ماں کو بتایا کہ آج اس نے تمام چنے سرکارِ دو عالم کے نام پر خیرات کر دیئے ہیں۔ لہٰذا ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ ابراہیم محلے کی مسجد میں نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہوئے آہستہ آہستہ گھر پہنچ گیا۔ گھر میں مختلف کھانوں سے بھرے ہوئے دو خوان رکھے تھے۔ ماں نے مسکراتے ہوئے کہا آج بقول تمہارے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنے لطف وکرم سے اپنا مہمان بنایا ہے اور وہ دو خوان بھیج دیئے ہیں۔ بیٹا اب سنبھل سنبھل کر قدم اُٹھاؤ۔ بات اب تمہاری ذات سے نکل کر شہر تک پھیل گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج تم نے سرکارِ دو عالم کو اپنے قریب دیکھا ہو۔ لیکن تمہاری بیہوشی نے بہت سے لوگوں کو ہمارے گھر کا پتہ بتا دیا ہے۔

ابراہیم کے ہونٹ لرزنے لگے اور آنسو آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ اس نے والدہ کے سامنے عہد کیا کہ وہ آئندہ محتاط رہے گا۔ اسی پشیمانی کی حالت میں اُس کی آنکھ لگ گئی اور اس نے دیکھا کہ اس کا چھوٹا سا گھر روشنی سے بقعۂ نور ہو گیا ہے اور سرکارِ دو عالم اس کے سرہانے موجود ہیں اور دستِ مبارک سے اس کے آنسو پونچھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ابراہیم آج تم نے جو چنے بھیجے تھے وہ ہمیں مل گئے ہیں۔ اُٹھ اور خداوند تعالیٰ کی ثنا کر، تو اِس شہر میں مانندِ چراغ روشن رہے گا۔ ابراہیم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ حضورؐ کو کس طرح سلام کرے اور کس طرح حضورؐ کے پاک قدموں پر اپنی جان نثار کرے، وہ حضورؐ سے کیا طلب کرے اور کیا کہے۔ اس کو دوبارہ حضورؐ نے فرمایا کہ ابراہیم اپنے ربّ کی ثنا کر اسے اپنے بندے کی زبان سے حمد و ثنا سننا بہت پسند ہے ابراہیم نے اپنی ساری توانائی جمع کر کے بمشکل تمام یہ کہا کہ میرے آقا و مولا میں ناخواندہ اور جاہل ہوں اس مالک کل جہاں کی ثنا کے لئے میرے پاس الفاظ کہاں۔ ارشادِ گرامی ہوا کہ اللہ تعالیٰ الفاظ کو نہیں دیکھتا بلکہ خلوصِ نیت کو دیکھتا ہے۔ ابراہیم نے عرض کیا کہ اے میری سرکارؐ، قاضی معزالدّین تو کہتے ہیں کہ مجھے تعلیم حاصل کرنی چاہیئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ درست فرماتے ہیں لیکن تمہاری تربیت و تعلیم کے تو ہم خود ذمہ دار ہیں۔ اسی وقت ابراہیم پر گریہ طاری ہو گیا۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی اور ابراہیم کی زبان سے بے ساختہ

صَلّےٰ عَلےٰ نَبِیِّنَا صَلّےٰ عَلےٰ مُحَمَّدٍ
صَلِّی عَلیٰ حَبِیْبِنَا صَلِّی عَلیٰ مُحَمَّدٍ

جاری ہو گیا۔ جنون کے عالم میں اس شان سے درود شریف پڑھ رہا تھا کہ سارے محلے میں اُس کی آواز گونج رہی تھی۔ اس کی بوڑھی والدہ ہوش میں لانے کے لئے اپنی تمام کوششیں کر کے تھک چکی تھی۔ آخر کار اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا ابراہیم ہوش میں آؤ۔ خداوند تعالیٰ تمہیں فجر کی نماز کے لئے اپنی طرف بلا رہا ہے۔ ابراہیم نے حیرت سے پوچھا ماں میں کہاں ہوں۔ ماں نے جھنجھلا کر کہا کہ میں تمہیں بار بار شریعت کی طرف بلاتی ہوں اور تم ہر بار ہوش کھو دیتے ہو۔ اگر تمہاری یہی حالت رہی تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تمہارا کیا حال ہوگا۔ لیکن ماں کو ابراہیم نے سرمستی کے عالم میں جواب دیا کہ

رات کو سرکارِ دوعالمؐ نے مجھے اپنے دیدار سے مشرّف فرمایا ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ حضورؐ میری تعلیم و تربیت خود ہی فرمائیں گے - ماں نے جواب دیا کہ یہ سرکارِ دوجہاںؐ کا بڑا احسان ہے - لیکن تم ابھی بچے ہو۔ ابھی سے خوابوں پر اکتفا کرو گے تو اگلی منزلیں خواب بن کر رہ جائیں گی۔ سچّا عشق تو وہ ہے کہ محبوبؐ سے آمنے سامنے بات ہو - صاحبِ نظر وہ ہوتے ہیں جو شریعت کی حدود میں رہ کر جاگتی آنکھوں سے جلوۂ محبوبؐ دیکھتے ہیں - ابراہیم مسجد کی طرف روانہ ہوا۔ آج ہر نمازی کی آنکھوں میں اس کے لئے احترام تھا۔ ابراہیم نے مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد گھر کی بجائے جنگل کا رُخ کیا اور اپنے گھر کی طرف منہ کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور یہ دُعا کی کہ اے میرے رَبِّ کُل جہاں، میری جدائی پر میری ماں کو صبر عطا فرما، کیونکہ میں آبادی میں رہ کر اپنی ذات کو تماشہ نہیں بنانا چاہتا اور درود شریف کی مستی سے خود کو باز رکھنے پر قادر نہیں -

ابراہیمؒ متبولی اس کے بعد واپس گھر نہیں آئے۔ جنگل اور ویرانے اب مسکن اُن کا تھا۔ صحراؤں و بیابانوں کی خاک چھانتے ہوئے کئی برس گزر گئے اور اُن کے شب و روز درود شریف اور نمازیں گزرتے۔ اسی عالم میں وہ زمان و مکان کی حدوں سے آگے نکل جاتے۔ رزق ان کو عجیب طریقوں سے فراہم ہو جاتا تھا۔ کسی وقت اگر نفس نے کچھ کھانے کو مانگا تو نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تو فوراً خود کو کسی ثمردار درخت کے سائے میں پاتے۔ کبھی کوئی قافلہ اُدھر سے گزرتا تو خاموشی سے ان کے پاس اتنی خوراک چھوڑ جاتے جو ہفتوں تک کے لئے کافی ہو جاتی۔ سرکارِ دوعالمؐ ان کے محبوب بھی تھے اور رہنما بھی۔ لیکن اِن کا دیدار ابھی تک خواب ہی میں ہو رہا تھا۔ نہایت رقتِ قلب سے وہ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگا کرتے کہ میرے مولا میرے حالِ زار پر رحم فرما میں خوابوں کی دیوار توڑ اپنی جان سے پیارے اپنے محبوبؐ کا ہاتھ تھام کر تیری طرف آنا چاہتا ہوں۔ اے میرے مالک مجھے میرے محبوبؐ کی زیارت اِن ظاہری آنکھوں سے دکھا۔ اس کے بعد میری بینائی واپس لے لے۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میں جوشِ جنوں میں کہیں شریعت کی حدود سے نہ نکل جاؤں - یہ کہہ کر اُنہوں نے کچھ اس طرح سوز سے درود شریف پڑھنا شروع کیا جس سے درختوں کی پتیاں جل اُٹھیں۔ قریب تھا کہ ان کی صداؤں اور التجاؤں کا یہ شور تمام درختوں کو جلا کر راکھ کر دیتا۔ اچانک انہیں اپنے

شانے پر نرم و نازک ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ پوری فضا میں جیسے چاندنی پھیل گئی۔ ہوا معطر ہو گئی۔ ابراہیم کو خیال آیا کہ شاید وہ پھر خواب کی دنیا میں پہنچ گیا ہو۔ انہوں نے بدستور بلند آواز سے درود شریف جاری رکھنا چاہا۔ لیکن کوشش کے باوجود درود شریف کی آواز اونچی نہ اُٹھا سکے۔ اُنہوں نے زیرِ لب کہا اے مولا اے اللہ بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیرے پیارے رسولؐ ہیں۔ یہ کہہ کر اُنہوں نے پلٹ کر دیکھا تو سرکارِ دو عالمؐ کا مسکراتا ہوا روشن چہرہ سامنے تھا۔ ابراہیم بے تابی سے حضور سرورِ کائناتؐ کے قدموں پر گرا۔ حضورؐ نے اُسے بڑی شفقت سے اُٹھا کر اپنے سینۂ مبارک سے لگا لیا۔ ابراہیم متبولیؒ نے محسوس کیا کہ وہ نور کے ایک چشمے کے کنارے کھڑے ہیں۔ اور علم و عرفان کے خزینے اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ ابراہیم کی ظاہری بصارت اس کے آنسوؤں سے دھندلا گئی۔ صرف قلبی بصیرت سماعت باقی رہ گئی تھی۔ وہ بہت کچھ کہنا اور سننا چاہتے تھے لیکن سرکارِ دو عالمؐ کی روشن جبین اور دلنواز مسکراہٹ و زبانِ حال کہہ رہی تھی کہ ابراہیم سنو جو کچھ تم کہنا یا سننا چاہتے ہو۔ وہ ہم نے سن لیا، اور جو کچھ تمہیں ہم نے دینا تھا، دے دیا گیا ہے۔ اب تم قاہرہ واپس جاؤ، خلقِ خدا تمہاری منتظر ہے۔

جب ایک مدتِ طویل کے بعد آپ قاہرہ واپس پہنچے تو لوگ خوانچہ فروش ابراہیم کی منزلت و فضیلت کو دیکھ کر حیران رہ گئے، اور اطرافِ عالم سے ہزارہا لوگ حصولِ علم و ہدایت کے لئے اس شمعِ ہدایت کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان کے فیضانِ صحبت سے بے شمار لوگ بافیض ہو کر مرتبۂ ولایت پر پہنچے۔

حضرت ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات و خرقِ عادات بے حد و بے شمار ہیں۔ ان کے اظہار کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ لہٰذا بوجہ طوالت میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں، اور ربِ کریم سے دعا کرتا ہوں کہ ان پاک ہستیوں کی طفیل میری اور قارئینِ کتاب ہٰذا کی منزلیں آسان کر دے۔ آمین ثم آمین۔

دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں

ہدیۂ عقیدت

اے کہ تیرا وجود ہے وجہِ قرارِ دو جہاں — اے کہ تری نمود ہے لطفِ خدائے لامکاں
اے کہ تیرے ورود پہ سجدہ گزارِ آسماں — اے کہ تیرا درود ہے وِردِ زبانِ انس و جاں

صلّی علیٰ نبیّنا صلّے علیٰ محمّدٍ
صلّی علیٰ حبیبنا صلّے علیٰ محمّدٍ

تیرے ہی دم قدم سے ہے زینتِ بزمِ کائنات — کون و مکاں ہیں نور سے آئینۂ تجلّیات
خلق میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات — بھیج رہا خدا بھی ہے تجھ پہ سلام و صلوات

صلّے علیٰ نبیّنا صلّے علیٰ محمّدٍ
صلّے علیٰ حبیبنا صلّے علیٰ محمّدٍ

آنکھ میں تیری مستتر شانِ جلال عزّ و جلّ — قلب میں موجزن تیرے بحرِ فضیلتِ عمل
چرخ پہ تیرے جلوہ ریز افسرِ خاتمُ الرُّسل — رُخ پہ تیرے ضیا فگن نورِ جمالِ لم یزل

صلّے علیٰ نبیّنا صلّے علیٰ محمّدٍ
صلّے علیٰ حبیبنا صلّے علیٰ محمّدٍ

جلوہ فگن خدا کا نور تیری جبینِ ناز پر — جھک گئے جس کے روبرو دیکھ کے کافروں کے سر
تم ہو خدا کے دین کے آخری پیغامبر — تیرا عمل خدا کا حکم تیرا وطن خدا کا گھر

صلّے علیٰ نبیّنا صلّے علیٰ محمّدٍ
صلّے علیٰ حبیبنا صلّے علیٰ محمّدٍ

آج ہمارے حال پر لطف کی ایک نظر کرو — مبتلائے شبِ الم ہیں ہم آقا میرے سحر کرو
اپنے غلام کو حضور نعمت سے بہرہ ور کرو — یعنی میرے نصیب میں روضے کا سنگِ در کرو

صلّے علیٰ نبیّنا صلّے علیٰ محمّدٍ
صلّے علیٰ حبیبنا صلّے علیٰ محمّدٍ

فریادِ بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

اے رہنمائے اعظمؐ، پیغمبرِ معظمؐ، سب کے دلوں کے محرم
تُو خوب جانتا ہے تیرا ہی آسرا ہے

ہے پاسبان دشمن، ہر مہربان دشمن، سارا جہان دشمن
دل تجھ کو ڈھونڈتا ہے تیرا ہی آسرا ہے

ادبار سے بچا لے، افکار سے چھڑا لے، اے دو جہان والے
تو جانِ مدّعا ہے تیرا ہی آسرا ہے

آفات اور بلائیں، ڈر ہے کہ کھا نہ جائیں، دُکھڑا کسے سُنائیں
اک تُو ہی ناخُدا ہے تیرا ہی آسرا ہے

اے سبز گنبد کے مکیںؐ للہ کرم فرمایئے:- آپؐ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ آپؐ کے کروڑوں اُمتیوں کی حالت بد سے بدتر ہو چکی ہے۔ زمانہ بدل رہا ہے، ہوائیں مخالف چل رہی ہیں۔ حوادث و نوائب کے طُوفان بپا ہو رہے ہیں ظلم و عدوان کی تاریک گھٹائیں اُٹھ رہی ہیں تاکہ وہ اسلام کی پھیلتی روشنی کو چھپالیں۔ آج دنیا کے چپے چپے پر فسق و فجور کا بحرِ بیکنار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ مشرق اپنی روایات قدیم کو بھول کر بھٹک چکا ہے۔ اس کی قبا عظمت رفعت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اُڑ رہی ہیں۔ آج مادیّت کا زمانہ ہے علوم عقلیہ کی ترقّی مادی ایجادات و اختراعات کا دُور ہے۔ مغرب سے الحاد کی گھٹائیں اُٹھ اُٹھ مشرق کی آبادیوں پر مُوسلا دھار برس رہی ہیں۔ وہ مشرق جس نے وحشیانِ مغرب کو انسانیّت و تہذیب سکھائی وہ مشرق جس کے مطلعِ ہدایت کا آفتاب طلوع ہُوا۔ اور آج کرۂ ارض پر جس قدر جہاں بھی مذہب اور روشنی ہے یہ اسی کا فیضان ہے۔ وہ مشرق جس کی جلالتِ قدر کا خود مغرب کو اعتراف ہے وہی مشرق اب مغرب کے مادی اقتدار کے رُو برُو سرنگوں اور حیران و پریشان ہے۔ جسمانی حکومت اور رُوحانی زوال کے بعد اب مشرق کے لوگوں کے دلوں پر مغرب کی مادی طاقتوں کی ہیبت طاری ہے۔

اے فخرِ انبیاء للہ توجہ فرمائیے :- آپؐ کی اُمت تباہی کے کنارے پہنچ چکی ہے۔ دولت، سطوت اور حکومت و سلطنت اُن کے ہاتھوں نکل چکی ہے۔ جہاں کہیں سلطنت کے کچھ دھندلے سے نقش نظر آتے ہیں تو وہ ہر وقت مغربی قوموں کی چشم حرص و آز میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہیں، اور ہر لحظے اُن کی جان خطرے میں ہے۔ اے اُمت کے غمخوار آپؐ کے نام لیوا آج دُنیا میں ذلیل و خوار ہیں، مُفلس و تنگدست ہیں۔ دُنیا کی قومیں آگے بڑھ رہی ہیں اور یہ پیچھے ہٹ رہے ہیں وہ جوش و عمل سے پختہ بنیادوں پر اپنے لئے عروج و ترقی کی عمارتیں تیار کر رہی ہیں، اور یہ اپنی ہی بنائی عمارت کو کھود کر جڑ سے مٹانے کی فکر میں ہیں ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تیری آکے بُرا وقت پڑا ہے

سرکارِ مدینہؐ چشمِ التفات سے ذرا اپنی غریب اُمت کی حالتِ زار کو دیکھئے، آپؐ کا پھیلایا ہوا دین مٹ رہا ہے۔ وہ باغ جسے آپؐ نے اور آپؐ کے سچے فداکاروں و جاں نثاروں و جان نثار غلاموں نے اپنے خون سے سینچا تھا اور اس کے ایک ایک پتے کی حفاظت کے لئے اپنے بدن کا آخری قطرۂ خون تک بہا دینے میں ذرا دریغ نہ کیا تھا۔

آہ صد افسوس اب اس باغِ پُر بہار کو تہذیبِ مغرب بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مادہ پرست دنیا منصوبے پر منصوبے باندھ رہی ہے کہ پرستانِ توحید سے خُدا کی وسیع سرزمین کو یکسر خالی و عاری کر دیا جاوے

غریبوں کے مولاؐ یتیموں کے والیؐ فریاد ہے۔ اب باقی کیا رہا جس کا انتظار کیا جاوے جو نہ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ جس کے نہ دیکھنے کی امید تھی وہ دیکھ لیا۔ جن ملکوں کو اسلام نے اپنی جلوہ ریزیوں سے صدیوں تک بقعۂ نور بنائے رکھا اور جو شہر اسلامی تمدن کے سب سے بڑے گہوارے تھے اب وہاں دُھول اڑ رہی ہے جو ہاتھ قرآن پاک کی خامہ فرسائی اور جلد بندی میں مشغول تھے آہ صد افسوس اب انہی ہاتھوں سے قرآن پاک کے اوراق پریشان ہو رہے ہیں۔ جو مسجدیں اللہ اکبر کی صداؤں سے ہمیشہ گونجتی رہتی تھیں اب وہاں باجے بج رہے ہیں۔ فنِ موسیقی کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ جن لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور جن کے لئے کسی اجنبی عورت کے چہرے کی طرف بلا وجہ نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی حرام تھا۔ اب وہی فرزندانِ توحید و اسلام برہنہ رقص و سرود کی مجلسوں

میں کھلم کھلا شرکت کر رہے ہیں۔ اور اپنے برے افعال پر ذرا نادم نہیں ہوتے۔ جن بازاروں میں شراب پینے والوں پر حد جاری ہوتی تھی۔ اب وہاں شراب کی بھٹیاں قائم ہیں۔ اور طرفہ ستم یہ ہے کہ اس کے پینے والے زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنہوں نے توحید کی آغوش میں آنکھ کھولی۔

غیرت و حمیت کی وہ مجسم بیبیاں جن کے پاک دامن پر فرشتے سربسجود ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اور جن کی غیرتِ نسوانی انہیں کسی اجنبی مرد کے سامنے جانے سے روکتی تھی۔ اب انہی کے دم قدم سے بہت سے اسلامی ممالک کی تفریح گاہیں آباد ہیں غیروں کے ساتھ اختلاط برتتے ہوئے اسلام کی ان بیٹیوں کو قطعاً کوئی جھجک محسوس نہیں نہیں ہوتی۔ قرآن پڑھنے والے کم ہو رہے اور مسلمانوں کی رگ رگ میں تہذیب مغرب کے جراثیم سرایت کر چکے ہیں۔ تہذیب مغرب کے دلدادہ مسلمانوں کو شاید یاد بھی نہ رہا ہو کہ وہ کون تھا۔ کیا ہو گیا ہے۔ کیوں پیدا کیا گیا تھا۔ اور وہ کر کیا رہا ہے۔ حلال و حرام کا امتیاز باقی نہیں رہا۔ کعبہ و صنم خانہ میں فرق کرنے والے بہت کم رہ گئے ہیں ؎

مسجدیں نوحہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

اس بدترین حالت میں بھی خدا کے جو نیک بندے ہیں مساجد میں نمازیں پڑھیں وہ غیر مہذب کہلائیں جو خدا کی عبادات بجا لائیں انہیں قابلِ تمسخر ٹھہرایا جائے اور غضب یہ غضب ہے کہ داڑھی کو یہودیت کی علامت کہیں اور داڑھی منڈوانے کو پختہ اسلام کی نشانی قرار دیا جائے اور جن کے قدم مسجد کے دروازوں سے کبھی بھی آشنا نہیں ہوئے انہیں آج اسلام کا خادم مسلمانوں کا سچا ہمدرد کہہ کر پکارا جاتے اور مہذب و شائستہ کہا ؏

آہ شامتِ اعمال ما صورت نادر گرفت

یا رحمۃ اللعالمین صدقہ اپنی رحمۃ اللعالمینی کا نگاہِ کرم کیجئے۔ آپ کی ایک نگاہِ کرم ہماری بگڑی ہوئی تقدیروں کو چشم زدن میں پلٹ سکتی ہے۔ آپ کی جنبشِ لب سر پر آئی ہوئی مصیبتوں کو آنِ واحد میں ٹال سکتی ہے خدا را اٹھیئے اپنی اُمتِ خستہ جان کی خبر لیجئے۔ آپ کے ناچیز خادم بیکس و بے بس ہیں۔ ہاتھ خالی ہیں۔ دماغ مفلوج ہیں یورپ کی بھیڑیں اسلام کی تہذیب و تمدن کی چراگاہیں چر رہی ہیں، اور قیامت یہ ہے کہ مسلمان چرواہے خود بے خبر سو رہے ہیں۔ جو علمائے حق ہیں اور جو صحیح معنوں میں آپ کی مسندِ وراثت کے حقدار ہیں آج وہ بے دست و پا ہیں۔ ان کے وسائل و ذرائع محدود ہیں۔

کوئی ان کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ اور جو علما برسرِ اقتدار ہیں اور جن کے ہاتھوں شہرت و رفعت میں چار چاند لگ سکتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ محض اغراضِ نفسانی اور خواہشات بیجا کے لیے بات بات پر قرآن مجید کی آیتوں میں تحریف و تفسیح کرنا ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ شریعتِ غرا میں اپنے ذاتی مقاصد کو تقویت پہنچانے کے لئے قطع و برید کرنا ان کا روز مرّہ کا معمول ہے جو لوگ کچھ کر سکتے ہیں۔ ان میں جرأتِ عمل مفقود ہے اور جو جوشِ عمل رکھتے ہیں۔ وہ حسنِ عمل کی راہوں سے سراسر ناواقف و بے بہرہ ہیں۔

باقی رہے صوفیائے کرام و مشائخ تو ان میں سے جو خُدا کے نیک بندے ہیں وہ اس الحاد و بے دینی کے زمانے میں گوشہ نشین ہو چکے ہیں۔ حالانکہ میرے ناقص خیال میں اس نازک وقت میں ان حضرات کو میدان عمل میں آنا چاہیئے تھا۔ اور الحاد و بے دینی کے خلاف نبرد آزما ہونا ان کے فرائض میں داخل تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ حضرات اپنے اس لازمی و اشد ضروری فرض کو چھوڑ کر کیوں گوشہ نشین ہو چکے ہیں۔ برخلاف خدا کے ان نیک بندوں کے بہت سے خود ساختہ ایسے پیر فقیر پیدا ہو گئے ہیں۔ جنہیں اپنی نفسانی و شہوانی خواہشات کے مقابلے میں دُور کا واسطہ بھی اسلام و شریعت سے نہیں ہے۔ خُداوند تعالیٰ ان خود ساختہ پیروں اور خرقہ پوشوں سے اپنے حِفظ و امان میں رکھے آمین ثم آمین۔

یارَبّ العالمین طفیل اپنے پیارے حبیب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم گنہگاروں اور بھولے بھٹکوں پر رحم فرما ۔

رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلّت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوبؐ کی اُمت میں ہیں

خلق کے راندے ہوئے دُنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آ کھڑے ہیں در پہ تیرے ہاتھ پھیلائے ہوئے

یا رسُول اللہ اُنظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا

اِنّنی فی بحرِ غمٍ مغرقًا
خُذ بیدی سہّلنا اشکالنا

تاجدارِ مدینہؐ دنیا میں رحمت بن کر آنے والے تجھ پر صدقے۔ تیری رحمت پہ نثار آپؐ نے جس طرح روزِ میثاق سے لے کر روزِ وصال تک اپنی رحمت نامی سے دُنیا کو مصیبتوں سے بچایا۔ اسی طرح آج بھی اپنی غریب و لاچار۔ گنہگار امت پر اپنی رحمت نازل فرما۔ اے حیاتُ النبیؐ اے رحمتِ آفرینؐ۔ اپنے حجرۂ مبارک سے نکل اور اپنی گنہگار اُمت کی ڈوبتی ہوئی کشتی

بحرِ گرداب سے بچا کر کنارے لگا دو۔ آج تمام اطرافِ عالم میں جس قدر بھی آپ کے نام لیوا
ہیں وہ سب کارواں گم کردہ راہ کی طرح منتشر ہیں۔ ان کے دلوں میں دردِ ملت عطا کر ان کو
آپس میں متحد و متفق کر۔ ان کو ناجنس قائدین کے فریب سے جو اسلامی شکوہ کا جنازہ اغیار
کے ہاتھوں اٹھوانے کے درپہ ہیں۔ اُن سے بچا۔ اے رحمتِ عالم اپنی رحمت نمائیوں سے اُمتِ
مسلم کو سچی ہدایت فرما۔ اور اپنے سچے فداکاروں کی عزت و عظمت کو قائم رکھ۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ دُعَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَاَتُوْبُ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

معجزات

اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرارِ کائنات کا انکشاف کردیتا ہے اور ان کا علم اور تجربہ تدابیر اہلِ دنیا کی طرح کسی سبب یا آلات یا مشق یا تدریجی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا بلکہ "کُنْ فَیَکُوْنُ" ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت، انبیاء اللہ کی تائید و نصرت میں ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدہ بارگاہِ ربانی میں ہونا عوام پر بھی ثابت کردے تب وہ اپنی طاقت و قدرت کو انبیاء اللہ علیہ السّلام کے توسط سے ظاہر کرتا رہتا ہے اور اسی کو معجزات کہتے ہیں۔

سیدنا و مولانا حضورِ پرنور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو معجزات بروایاتِ صحیح ثابت ہیں ان کا شمار بہت زیادہ ہے اور ہر ایک نبیؑ کے معجزات سے ندرت میں بھی ان کی شان اعلےٰ ہے۔

ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ اہلِ ایمان کی ترقیِ ایمان کا موجب ہو اور حضورِ پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت ولگن بھی زیادہ سے زیادہ دل نشین ہو جائے۔

پانی کا معجزہ

صحیح مسلم کی اس حدیث جس کے حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ہم غزوات ذات الرقاع اور وادی رفاع میں تھے کہ حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور حضرت جابرؓ ڈھونڈ آئے لیکن لشکر میں ایک قطرہ پانی نہ ملا۔ پھر حضورِ پرنور کے حکم سے جابرؓ اس انصاری کے پاس پہنچے جو حضورؐ کے لئے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔ وہاں بھی دیکھا تو پرانی مشک کے دہانہ پر ایک دو قطرہ پانی نظر آیا۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ وہی لے آؤ۔ پھر کاٹھ کا ایک کٹھرہ منگایا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا۔ اور حضرت جابرؓ نے حضورؐ کے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرہ آب اس پر تھا کے دستِ مبارک پر ڈال دیا۔ حضرت جابرؓ کی عینی

شہادت ہے کہ سب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کھڑے کو بھی
چکہ دے دیا۔ پانی سب کو پلایا گیا۔ سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضورؐ نے اپنا
دستِ مبارک اُٹھالیا تب بھی وہ کٹرہ پانی سے لبریز تھا۔ اس غزوہ میں چارسو غازی
سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

پانی کا معجزہ نمبر۲

صحیح بخاری میں جابرؓ بن عبداللہ الشہید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ
میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وضو کیا پانی ایک کوزہ میں تھا۔ تمام صحابہ کرام
رضی اللہ عنہما آپؐ کے پاس آکھڑے ہوئے حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام
سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم اور ہمارے ماں
باپ آپؐ پہ قربان ہوں۔ پانی نہ وضو کے لئے ہے نہ پینے کے لئے بس یہی کوزہ آب ہے
جو حضورؐ کے سامنے رکھا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسی کوزہ آب پر
اپنا دستِ مبارک رکھدیا۔ تب حضورؐ کی انگلیوں مُبارکہ سے پانی کے چشمے جاری
ہو گئے اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ اور سب نے وضو بھی کر لیا۔ حضرت جابرؓ نے
سالم ابن ابی جعد کے سوال پر بتلایا کہ اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی اور یہ بھی
ارشاد کیا کہ اگر تعداد ایک لاکھ بھی ہوتی تب بھی وہ پانی سب کے لئے کافی تھا۔

پانی کا معجزہ نمبر۳

مقام حدیبیہ ہی دوسرا واقعہ جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ حضرت جابرؓ نے اس
طرح بیان فرمایا ہے چونکہ حدیبیہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیام
ایک ہفتہ تک رہا تھا اُس لئے معجزہ نمبر۲ کے بعد بھی پانی کی ضرورت لاحق ہوئی۔
تب نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس چاہ پہ تشریف لے گئے جس کا نام حدیبیہ تھا
اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری
کی روایت بالا میں مرقوم ہے کہ حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاہ حدیبیہ کی
منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور دُعا کی۔ پانی منگایا۔ کلی کی اور چاہ میں ڈالدی۔ پھر تھوڑی

دیر بعد ہم چاہ سے پانی پینے لگے اور سیراب ہوئے لشکر ڈیڑھ ہزار کے لئے یہ مستقل پانی کا انتظام فرمایا۔ امام احمدؒ کی روایت سے ظاہر ہے کہ چاہ حدیبیہ کا پانی اُبل پڑا ہم میں سے آخری شخص چادر لے کر بھاگا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہہ نکلا

معجزہ نمبر ۴

عمران بن حصینؓ سے روایت کہ ہم سفر میں تھے صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی کیونکہ سب سوتے رہ گئے تھے۔ مجھے حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔ ہم سب کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ راہ چلتے ہوئے ہمیں ایک عورت ملی جس کے پاس پانی کے دو مشکیزے تھے۔ اس عورت سے معلوم ہوا کہ پانی اس جگہ سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر ہے صحابہ اکرامؓ اُس عورت کو حضورِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مشکیزوں کو دستِ مبارک سے چھو دیا۔ پانی مشکیزوں سے بہہ نکلا۔ چالیس صحابہ اکرامؓ نے جو سخت پیاسے تھے۔ سیر ہو کر پانی پیا۔ اور اپنے اپنے مشکیزے پانی سے بھر لئے۔ عمرانؓ فرماتے ہیں۔ کہ اس عورت کے مشکیزے پانی سے ایسے لبریز تھے ایسے بھرے پڑے تھے گویا اب پھٹ پڑیں گے۔ اس عورت نے گھر جا کر یہ عجیب و غریب واقعہ اپنے قبیلہ کے لوگوں سے بیان کیا۔ اس عورت کی اطلاع پر دُور افتادہ لوگ حضورِ پر نور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر معہ اُس عورت کے مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔

معجزہ نمبر ۵

صحیح بخاری میں حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک بار نماز کا وقت آگیا۔ جن لوگوں کے گھر نزدیک تھے وہ تو گھروں میں جا کر وضو کر آئے۔ جو باقی رہ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پتھر کے پیالے میں پانی لایا گیا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چار انگلیاں اس پیالہ میں ڈال دیں۔ انس رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے چشمے جاری ہیں اس معطر و برکت والے پانی سے اسی سے زیادہ صحابہؓ نے وضو کیا۔ یہ واقعہ مقامِ قبا کا ہے۔

علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ برکت و پاکیزگی اور عزت میں آبِ زمزم سے وہ پانی بدرجہا بہتر تھا جو حضورؐ اقدس کی انگشتانِ مبارک میں سے نکلا تھا۔ انگشتانِ مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہونے کے واقعات بار بار بکثرت ہوئے ہیں۔ عرب جیسے گرم و خشک ملک میں اور غزوات کے سفر ہائے طویل طویل میں اگر یہ معجزات نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ مجاہدِ اسلام ہلاک ہو گئے ہوتے۔

دُودھ کی برکت کا معجزہ

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ شدتِ بھوک سے میرا بُرا حال تھا جب قوتِ برداشت نہ رہی تو پیٹ پر پتھر باندھ کر سرِ راہ آ بیٹھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کی بابت پوچھا جس سے میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دیں گے۔ لیکن وہ یونہی چلے گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان سے ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ غرض وہی کھانے کی تھی۔ وہ بھی یونہی تشریف لے گئے اتنے میں آنکھوں کے نور اور دل کے سرور ابوالقاسم حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر تبسّم فرمایا۔ میرے دل کی بات جان گئے ارشاد فرمایا۔ اے ابوہریرہؓ ہمارے ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضورؐ گھر میں تشریف لے گئے۔ وہاں حضورؐ نے پیالہ میں دودھ دیکھا۔ گھر والوں نے عرض کیا کہ حضورؐ فلاں شخص یہ دودھ کا ہدیہ دے گیا ہے حضورؐ نے فرمایا۔ ابوہریرہؓ اہلِ صفہ کو بلا لاؤ۔ اہلِ صفہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خُدا اور حبیب صلعم کی محبت میں گھر بار اور سب علائقِ دُنیاوی کو چھوڑ کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قربِ حضورؐ کو اپنا ملجا و ماوا بنا لیا تھا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ اہلِ صفہ میں اس دودھ کی کیا کیفیت ہوگی۔ اگر مجھے مل جاتا تو مجھ میں سکت آجاتی۔ اب دیکھئے اس میں سے کچھ ملتا

بھی با نہیں۔ لیکن اطاعت خُدا اور اطاعت رسُولؐ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میں سب کو بُلا لایا۔ اور سب آکر بیٹھ گئے۔ مجھے حبیبِ خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابُو ہریرہؓ یہ پیالہ سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے لیا، اور ایک سرے سے پلانا شروع کیا۔ جب ایک شخص پی کر سیر ہو جاتا۔ تب وہی پیالہ دوسرے کو دیتا تھا۔ اس طرح سب پی پی کر سیر ہو گئے تو آخر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دُودھ سے لبریز وہ پیالہ پیش کر دیا۔ آپؐ نے وہ پیالہ لے کر دستِ مبارک پر رکھ لیا اور فرمایا ابو ہریرہؓ اب تم پی لو۔ میں بیٹھ گیا اور دُودھ پی لیا۔ حضورؐ نے فرمایا اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ پھر حضورؐ یہی فرماتے رہے اور پیو اور پیو۔ جب پینے کی گنجائش نہ رہ گئی تو میں نے عرض کیا قسم اس ذات کی جس نے حضورؐ کو اشرف الانبیاءؑ بنا کر بھیجا ہے اب میں بالکل سیر ہو چکا ہوں۔ فرمایا لاؤ۔ پیالہ میں نے پیش کر دیا۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ تبارک تعالےٰ کی حمد بیان کی اللہ کا شکر ادا کیا۔ بسم اللہ شریف پڑھی اور پیالہ ختم کر دیا۔ حدیث شریف پر غور و فکر کرو کہ پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ کی حمد بیان کی اور شکر ادا کیا۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت کی روح رواں ہے۔

دُودھ میں برکت معجزہ نمبر (۲)

سفرِ ہجرت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر اُمّ معبد عاتکہ بنت خالد کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عمر رسیدہ عورت خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی تھی اور آنے جانے والے کو پانی پلایا کرتی تھی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو حضورؐ کے ساتھ پچھلی نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے جو اس راہ سے واقف تھے۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پہ سستانے کے لئے ٹھہر گیا تھا اور بڑھیا سے پُوچھا کہ اسکے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے وہ بولی نہیں۔ اگر کچھ ہوتا تو میں خود پیش کرتی۔

اُم معبد کے بھائی حبیشؓ بن خالد (قتیل بطحا) یعنی جو فتح مکہ کے روز شہید ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دُبلی پتلی، بوڑھی اور کمزور بکری کھڑی ہوئی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری کی بابت پُوچھا۔ اُم معبد نے عرض کیا کہ

یہ بہت کمزور ہے ریوڑ کے ساتھ چل نہیں سکتی اس لئے یہاں رہ گئی ہے حضورؐ نے فرمایا اگر اجازت ہو تو ہم اسے دوہ لیں۔ تو وہ بولی اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دوہ لیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بڑا سا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر بکری کو دوہنا شروع کیا۔ جب برتن بھر گیا تو سب کو پلایا۔ دوبارہ پھر دودھ نکالا۔ برتن بھر گیا۔ تو دوبارہ سب کو پلایا۔ آخر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نوش فرمایا۔ تیسری بار دودھ نکالا اور گھر والوں کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

معجزہ
کھانے میں برکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ خندق کے ایام میں میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ کو باندھ رکھا ہے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے اس حالت میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سورۃ نسا کی تعلیم دے رہے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی اس حالت کو دیکھ کر اپنے والد کو مطلع کیا۔ انہوں نے مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کئے ان کی والدہ نے آدھ سیر جو پیس کر روٹی پکائی اور حضرت انسؓ کو والدین نے سمجھا کر بھیجا کہ جب حضورؐ فارغ ہو کر گھر تشریف لے جانے لگیں۔ تب عرض کرنا کہ حضورؐ ہمارے ہاں تشریف لے چلئے۔ جب انسؓ پہنچے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان بیٹھے ہیں انس کے کچھ کہنے سے پیشتر حضورؐ نے فرمایا تجھے ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے۔ عرض کی جی ہاں پھر فرمایا کھانے کے لئے۔ انسؓ بولے جی ہاں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو چلو ابو طلحہؓ کے گھر۔ سب اٹھ کر حضورؐ کے ہمراہ ہو لئے۔ انسؓ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی۔ اس نے بیوی کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پوری جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں۔ وہ بلند پایہ خاتون بولیں "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو طلحہؓ نے سرگوشی میں بتلا بھی دیا کہ حضورؐ صرف ایک روٹی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا گھی کی کپی لے آؤ۔ کپی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ

نے انگشت مبارک سے روٹی چپڑدی روٹی پھولنے لگی اور برتن سے کافی اونچی ہوگئی۔ پھر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبانِ مبارک سے فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ فِيْهَا الْبَرَكَةَ " دس دس آدمی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہوکر اٹھتے جاتے تھے اسی طرح اسی صحابہ نے اس روز کھانا کھایا۔

معجزہ نمبر ۹

صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن رض بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک دفعہ سفر میں ۱۳۰ صحابی رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے جب منزل پر قیام فرمایا تو اللہ کے حبیب صلعم نے دریافت فرمایا کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے؟ ایک صحابی رض کے پاس تقریباً دو سیر آٹا تھا۔ وہ گوندھ لیا گیا۔ پھر ایک شخص بکریوں کا ریوڑ لے کر پہنچ گیا، اس سے ایک بکری خریدی گئی۔ ذبح کر کے کلیجی نکال کر آگ پر بھونی گئی اور دو برتنوں میں ڈالدی گئی۔ سب نے خوب سیر ہوکر کھایا پھر بھی ختم نہ ہوئی تو اسے ہم لے اونٹ پر لادلیا۔

معجزہ نمبر ۱۰

فراقِ محبوب میں کھجور کے سوکھے ہوئے ٹنڈ کا گریہ زاری کرنا

صحیح مسلم، صحیح بخاری، صحیح ابن خزیمہ، مسند شافی، مسند احمد ترمذی ابن ماجہ کتب احادیث سے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد تعمیر کی گئی تو شروع شروع میں کوئی منبر نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے وقت ایک کھجور کے خشک ٹنڈ کے کے ساتھ پشتِ مبارک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے کچھ عرصہ بعد تمیم داری رض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے تین زینہ کا منبر تیار کرالیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر خطبہ فرمانا شروع کیا اور کھجور کا ٹنڈ حضور کی ٹیک لگانے کی عزت سے محروم رہ گیا۔ تب اس سے آواز گریہ آنی شروع ہوئی حضرت عبداللہ بن عمر رض فرماتے ہیں کہ وہ بچوں کی طرح رویا اور چلایا۔ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اس پر دستِ شفقت رکھا تو وہ چپ ہوگیا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر کے متصل دفن کرا دیا۔

حضرت خواجہ امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تو کہا کرتے تھے اے دعویداران رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دم بھرنے والو۔ ذرا اپنی محبتوں کا کھجور کے ٹنڈ سے تو مقابلہ کرو۔

معجزہ نمبر ۱۱

ابن سعدؒ و ابو یعلیٰؒ بیہقی و ابو نعیمؒ اور حاکمؒ نے حضرت ابو سفینہؓ نے جو حضورؐ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے کہ انہوں نے بحری سفر کیا۔ دوران سفر کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختے پر بہتے ہوئے ایک ساحل پر پہنچ گئے جس کے ساتھ جنگل تھا جس میں شیر تھے۔ ایک شیر میری طرف آیا۔ میں نے کہا او شیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں۔ شیر دم ہلانے لگا اور میرے بیابہ چلتا ہوا مجھے رستہ پر ڈال دیا۔

معجزہ نمبر ۱۲

بیہقیؒ نے جبیلؓ سے روایت کی ہے کہ میں ایک غزوہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میرے پاس ایک پتلی دبلی سی گھوڑی تھی اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آملے۔ فرمایا گھوڑے والے تیز۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ دبلی بھی ہے اور کمزور بھی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چابک اسے لگایا اور دعا فرمائی۔ پھر تو وہ ایسی تیز ہو گئی کہ مجھے اس کی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اس کے شکم سے پیدا شدہ دس بچھڑے بھی فروخت کئے۔

معجزہ نمبر ۱۳
شق القمر

زمانہ جاہلیت میں مشرکین مکہ نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان کی صداقت کو آزمانے کے لئے کیا نشان طلب کرنا چاہیئے۔ علمائے یہود نے جواب دیا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے تم ان سے کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے

کر کے دکھلا دیں امید ہے کہ محمدؐ کچھ نہ دکھا سکے گا۔ علمائے یہود کے سکھانے کی وجہ سے مشرکین مکہ نے جا کر محمدؐ سے کہا اگر آپؐ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں تا کہ آپؐ کی صداقت پہ یقین ہو جائے احادیث میں شق القمر کے راوی عبد اللہ بن مسعودؓ، امیر المؤمنین علی مرتضےؓ، جبیر بن مطعم نوفلیؓ انس ابن مالکؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتِ مبارک کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ کوہِ حرا ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے اور یہ واقعہ مکہ معظمہ میں رات کو نو بجے پیش آیا اگر کوئی یہ کہے کہ باقی دنیا والوں کو نظر کیوں نہیں آیا۔ تو ذیل میں دیئے گئے شیڈول کے مطابق اس شک کا ازالہ ہو سکتا ہے

شیڈول

ہندوستان میں ۱۲ بجکر ۵۰ منٹ شب

انگلستان۔ آئرلینڈ۔ فرانس۔ بلجیم۔ سپین۔ پرتگال۔ جبل الطارق میں چھ بجے دن

آسٹریلیا ۴ بجکر ۵۰ منٹ صبح جاپان۔ کوریا چار بج کر بیس منٹ بعد دوپہر۔

الجزائر فلپائن ہانگ کانگ چین تین بجکر بیس منٹ بعد دوپہر یہ وقوعہ ظہور پذیر ہوا۔

لیکن پھر بھی مشرکینِ مکہ ایمان نہ لاتے

محفلِ سماع

۱۔ سب سے اوّل افضل ترین سماع قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت ہے۔ اگر کوئی خوش الحان قاری تلاوت کلام پاک کر رہا ہو۔ اگر کوئی شخص اہلیت رکھتا ہو۔ تو غور سے سُننے اور کچھ تھوڑی بہت کلام مجید کے معانی سمجھنے کی استعداد رکھتا ہو۔ تو اس پر وجدانی کیفیت طاری ہو جائے گی۔

۲۔ قرآن مجید فرقان حمید کے بعد نعت بحضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں پڑھی جائے تب بھی سُننے والوں کو کیف و سرور طاری ہو جاتا ہے یہ بھی ایک بہت بڑی عبادت ہے۔

۳۔ **قوالی** :۔ اگر سامعین مُتشرّع ہوں اور قوال بھی متشرّع ہوں۔ تو اہل حال کے لئے جائز ہے۔ بشرطیکہ کسی خانقاہ یا چار دیواری کے اندر ہو۔ لیکن موجودہ زمانے میں زیادہ تر قوالوں نے رنگِ سماع چھوڑ کر گانے کا رنگ اختیار کر لیا ہے جو اسلام میں سراسر حرام ہے۔ لہٰذا ایسی سماع سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔

خلفاء

اس فقیر سے جو خلفاء خلافت سے سرفراز ہوئے ان کے نام نامی اسم گرامی حسب ذیل ہیں۔

اوّل: صوفی عبدالغفور بجنوری — دوم: پیرزادہ غیاث الدین پانی پتی

سوم: احسان دانش کاندہلوی — چہارم: صوفی عبدالرحمٰن گھمنکی، بھائی پھیرو

پنجم: صوفی غلام محمد صابری۔ لاہوری — ششم: پیرجی عبدالعزیز اوکاڑوی

ہفتم: صوبیدار مولانا محمد اقبال فاروقی (راؤ) گھمنکی، بھائی پھیرو

ان سب کو سلسلہ چشتیہ صابریہ قادریہ میں بیعت کرنے کی اجازت بخشی گئی ہے۔

ہشتم: صوفی محمد اشرف حمید صدیقی لاہوری۔ جن کو اس فقیر کی جانب سے سلسلہ چشتیہ صابریہ اور نقشبندیہ میں بیعت کرنے کی اجازت بخشی گئی ہے۔

سجادہ نشین محمد اشرف حمید صدیقی سلمہٗ

فقیر اب بہت ضعیف ہو چکا ہے اور ہمیشہ علیل رہتا ہے۔ ؎

ہے مرضِ ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

میں اپنی جگہ صوفی محمد اشرف حمید صدیقی صاحب کو اپنا سجادہ نشین مقرر کرتا ہوں اور اپنے تمام دوست واحباب اور معتقدین کو مشورہ دیتا ہوں کہ راہِ سلوک اور دینی اور دنیوی معاملات و مشکلات کے سلسلے میں اُن کی طرف رجوع فرمائیں۔

دعاگو ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بطفیلِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سلسلہ رشد و ہدایت جاری و ساری رکھے۔ اور صدیقی صاحب کے عزم و استقامت کو دوام بخشے اور انہیں منزلِ مقصود تک پہنچائے۔ آمین

ہیچمدان: (صوفی) صدرالدین چشتی صابری قادری نقشبندی
المتخلص حاذق لاہوری

شجرہ شریف

سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ

اے خدا اے مالکِ ہر دوسرا ‏— صدقہ اپنے لُطف اور احسان کا
از طفیلِ صدر الدین باصفا ‏— کر صفائی قلب کو میرے عطا
از طفیلِ حافظِ احمد حسنؒ ‏— رات دن مجھ کو رہے تیری لگن
صدقہ حافظِ علی حسین شاہؒ ‏— دھوڈے دامن سے میرے داغِ گناہ
از طفیلِ شاہ فقیر اولیاء ‏— دردِ فرقت کو میرے کر دے شفا
از طفیلِ شاہ حسینؒ باکمال ‏— تا ابد کر دے مجھے محوِ جمال
از طفیلِ عبد الرحمٰنؒ اے غفور ‏— دے کوئی بھر کے مجھے جامِ طہور
از طفیلِ حضرت گلاں فقیر ‏— حشر کے دن ہوں نہ خلقت میں حقیر
اے خدا بہر عنایت اللہؒ شاہ ‏— رحم کی مجھ زار پہ ہو اک نگاہ
صدقہ میراں بھیکؒ کا اے ذوالجلال ‏— اک نگاہِ رحم کن بر خستہ حال
از طفیلِ ابو المعالیؒ اے کریم ‏— بندہ عاصی ہوں کر لُطفِ عمیم
صدقہ داؤدؒ گنگوہیؒ بوسعیدؒ ‏— دید سے تیری مجھے حاصل ہو عید
اے خدا بہر نظام الدینؒ شاہ ‏— صحبتِ بد سے مجھے دیجیے پناہ
پے جلال الدینؒ شاہ تھانیسری ‏— رہبری کر رہبری کر رہبری
از طفیلِ حضرت عبد القدوسؒ ‏— حشر میں ہوں تیرے ہمراہ جلوس
واسطہ شیخ محمدؒ کا رحیم ‏— کر عطا مجھ خستہ کو عقلِ سلیم
بہر عارفؒ مالکِ ہر دو جہاں، ‏— دے اٹھا پردہ جو ہے یہ درمیاں
بہر عبد حقؒ خدائے لایزال، ‏— اپنے جلووں سے مجھے کر دے نہال
پے جلال الدینؒ کبیر الاولیاءؒ ‏— دولت ایماں کر مجھ کو عطا
بہر شمس الدینؒ علاؤ الدینؒ علیؒ ‏— دور کر دو رات دن کی بیکلی،
صدقہ مولا فرید الدینؒ کا ‏— صدقہ قطب الدینؒ معین الدینؒ کا

از طفیل خواجہ عثمانؒ شریف
دور کر دل سے مرے زنگ کثیف

بہر قطب الدینؒ مودود اے خدا
بہر یوسفؒ بو محمدؒ ذوالعطا

صدقہ بو احمدؒ و اسحاقؒ شام
کر مجھے ہر دو جہاں میں شادکام

پئے کریم الدین اے پروردگار
عاشقوں میں اپنے کر مجھ کو شمار

اے خدا صدقہ امین الدینؒ کا
اے خدا صدقہ سدید الدینؒ کا

صدقہ ابراہیمؒ ادہم کا خدا
کر میرے آئینہ دل پر جلا

اے الہ العالمین بہر فضیلؒ
دور کر دے سینے سے کینے کا میل

از طفیل عبدِ واحد ذوالمننؒ
از طفیل خواجہ بصر حسنؒ

از طفیل و صدقہ شیر خداؓ
صدقہ حضرت محمدؐ مصطفےٰ

از طفیل پنجتن خلاق کل
از طفیل کنبہ ختم رسل

بہر زہرہؓ و شہیدؓ کربلا
عزت دنیا و دین کر دے عطا

رکھ غلام خواجگان یا ربّ مدام
ہو زبان پہ ہر زماں پیروں کا نام

بندہ ناچیز

صوفی صدر الدین چشتی صابری۔ قادری۔ سہروردی نقشبندی
المتخلص حاذق۔ لاہوری

شجرہ شریف

سلسلہ چشتیہ قادریہ رزاقیہ

ہے ثنا اس خالقِ کونین کو — اور نعت اس سیدِ کونین کو
ان کی آل و یار جو ہیں ذوالکرم — رحمتِ حق ان پہ ہو دم بدم
قادری شجرہ کو میں اے طالبان — نظم میں پڑھتا ہوں تا ہووے بیان
پہلے کرتا ہوں شروع مرشد کا نام — ورد ہے اپنا بس یہی صبح و شام
حافظ علی حسین شاہؒ ہیں — یہی تو آرام دل کے چین ہیں
رہنما مقتدا قدرِ کبیر — یعنی ہیں وہ حضرت شاہ فقیرؒ
مقتدائے پیشوائے نورِ عین — رہنما دو جہاں شاہِ حسینؒ
مرشد ان کے آل احمد ذوالنسب — عرف اچھے میاںؒ ان کا لقب
شاہ حمزہؒ مظہر حق الیقین — سیدِ آلِ محمدؒ فخرِ دین
شاہ ابو برکاتؒ قطب دوجہان — شاہ فضل اللہؒ مقبولِ زمان
سید احمدؒ کالپی ہے ان کی جا — بعدہٗ سید محمدؒ رہنما
مرشد ان کے شاہ جمالؒ اولیا — یعنی وہ منظورِ نظرِ خدا
شاہ بہاؤالدینؒ مقبولِ خدا — خلق میں مشہور تھے قاضی ضیاؒ
تھے محمدؒ وہ بھیکاری مشتہر — ہادی راہ طریق پُر اثر
شیخ ابراہیمؒ مشہور ایرجی — اور بہاؤالدینؒ بیشک تھے ولی
سید احمدؒ اور تھے سید حسنؒ — سید موسےٰؒ تھے سب وہ یک تن
مقتدار دوجہاں سید علیؒ — اور محی الدین ثانی تھے ولی
شاہ بوصالحؒ امام عارفان — عبدالرزاقؒ ابن غوث دوجہان
تھے محی الدینؒ قطب العارفین — غوث الاعظم ابنِ غوث دوجہاں
بوسعیدؒ اور ابوالحسن شمس الضحیٰ — ابوالفرحؒ طرطوسی تھے بدر الدجیٰ
عبدالواحدؒ تھے وہ بن عبدالعزیزؒ — اور تھے ابوبکر شبلیؒ پُر تمیز،

شیخ ابوالقاسم جنیدیؒ ذوالکرم ۔ تھا بغداد شریف ان کا مقام
سریؒ وسقطیؒ بہ تسلیم رضا ۔ خواجہ معروفؒ کرخی باصفا
تھے علی موسیٰ رضا شاہؒ جہاں ۔ موسیٰ کاظمؒ تھے امام عارفاں
جعفر صادقؒ امام مسلمین ۔ باقرؒ کامل امام المومنین
تھے امام دوجہاں حضرت حسینؓ ۔ مصطفیٰؐ و مرتضیٰ کے نورِ عین
تھے علیؓ مرتضیٰ مشکل کشا ۔ والدِ حسنینؓ وہ شیرِ خدا
تھے محمدؐ مصطفیٰ محبوبِ حق ۔ تھے احمدؐ مجتبیٰ محبوبِ حق
اِن ارواحوں کی برکت سے ۔ سختی زارین سے لیجو بچا

احمدؒ مسکین تمہارا ہے غلام
بھیجے ہے تم پر درود سلام

خادم الفقراء
صوفی صدرالدین چشتی صابری قادری نقشبندی
سہروردی لاہوری

شجرہ شریف سلسلہ نقشبندیہ

الٰہی بحرمت حضرت مولانا مرشدنا جناب حضرت احمد حسن شاہ صاحبؒ
الٰہی بحرمت حضرت مولانا مرشدنا جناب حضرت علی حسین شاہ صاحبؒ دام ظلکم
حضرت محمد فقیر شاہ صاحبؒ ۔ حضرت غلام حسین شاہ صاحبؒ
حضرت مولوی عبدالقادر صاحبؒ
حضرت محمد عادل صاحبؒ — حضرت خواجہ محمد زبیر صاحبؒ
خواجہ احمد سرہندی عرف محمد مجدد الف ثانی صاحبؒ
خواجہ باقی باللہ صاحبؒ — خواجگی امام کنکی صاحبؒ
خواجہ محمد درویش صاحبؒ — خواجہ محمد زاہد صاحبؒ
خواجہ عبیداللہ احرار صاحبؒ — خواجہ یعقوب چرخی صاحبؒ
حضرت خواجہ محمد نقشبند صاحبؒ — سید امیر کلال صاحبؒ
حضرت خواجہ بابا سماسے صاحبؒ — خواجہ علی رامتنی صاحبؒ
خواجہ محمد دین ابی الخیر معنوی صاحبؒ — خواجہ عارف باریوگری صاحبؒ
خواجہ عبدالخالق غنجدانی صاحبؒ — خواجہ یوسف ہمدانی صاحبؒ
خواجہ ابو علی فارمدی صاحبؒ — خواجہ ابوالحسن خرقانی صاحبؒ
خواجہ بایزید بسطامی صاحبؒ — حضرت امام جعفر صادق صاحبؒ
حضرت قاسم بن محمد بن سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ
جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ و تعالیٰ علیہ وسلم

خادم الفقرا
صوفی صدرالدین چشتی صابری قادری نقشبندی سہروردی
لاہوری

شجرہ شریف سلسلہ سہروردیہ

الٰہی بحرمت حافظ احمد حسن شاہ صاحبؒ

الٰہی بحرمت ہادینا مولانا مرشدنا حافظ علی حسین شاہ صاحب دام فیضکم

حضرت محمد فقیر صاحبؒ

حضرت غلام حسین شاہ صاحبؒ

حضرت شاہ آل احمد صاحبؒ

حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحبؒ

حضرت شاہ فضل اللہ صاحبؒ

حضرت سید احمد صاحبؒ

حضرت سید محمد صاحبؒ

حضرت مخدوم جمال اولیا صاحبؒ

حضرت شیخ قیام الدین صاحبؒ

حضرت شیخ قطب الدین صاحبؒ

حضرت شیخ ادین صاحبؒ جونپوری

حضرت شیخ بہاؤ الدین دینوری صاحبؒ

حضرت علاؤ الدین صاحبؒ

حضرت شیخ راجو قتال صاحبؒ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت صاحبؒ

حضرت شیخ رکن الدین صاحبؒ

حضرت شیخ صدر الدین صاحبؒ

حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا صاحبؒ

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی صاحبؒ

حضرت شیخ ضیاء الدین صاحبؒ

حضرت ابو نجیب سہروردی صاحبؒ

حضرت شیخ وجیہ الدین صاحبؒ

حضرت شیخ محمد صاحبؒ

حضرت شیخ احمد اسود دینوری صاحبؒ

حضرت شیخ ممشاد دینوری صاحبؒ

حضرت شیخ جنید بغدادی صاحبؒ

حضرت خواجہ سری سقطی صاحبؒ

حضرت خواجہ معروف کرخی صاحبؒ

حضرت خواجہ داؤد طائی صاحبؒ

حضرت خواجہ حبیب عجمی صاحبؒ

حضرت خواجہ امام بصری صاحبؒ

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالےٰ وجہٗ

الٰہی بحرمت سید المرسلین شفیع المذنبین محبوب رب العالمین

جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم

خادم الفقراء۔ صوفی صدر الدین چشتی صابری قادری نقشبندی سہروردی

لاہوری

خاتمہ بالخیر

بفضلِ اللہ تعالیٰ کتاب ہذا بعد از کثیر مطالعہ کتب و طویل مدت عرصہ پندرہ سال پایۂ تکمیل کو پہنچی، اور کتاب کا مسودہ کتابت کی خاطر کاتب صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر افسوس کہ پیرانہ سالی اور ضعفِ بصارت حائل رہے اور فقیر کتابت کی مزید جانچ پڑتال کرنے سے معذور ہو گیا اور یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ کتابت کی نوک پلک صحیح کرنے کے لئے کسے منتخب کیا جائے۔ جو لگن اور کوشش سے کتاب کے مسودے کو کتابت سے تقابل کرے اور خوب سے خوب تر ہو۔

اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ بیماری سے دوچار تھا۔ انہی دنوں میری عیادت کے لئے صوفی محمد اشرف حمید صدیقی صاحب کے ہمراہ اُن کے معتقدین جن میں شیخ عبدالحمید، صوفی محمد طفیل اور علی احمد گھمن ہیں گاہے بگاہے آتے رہے۔ کتاب کی کتابت کی دیکھ بھال کے بارے میں ذکر ہوا۔ اور اپنی فکرمندی کا بھی اظہار کیا۔

اللہ نے اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عزیزم علی احمد گھمن کو یہ فرض سونپا۔ بتوفیقِ ایزدی یہ فرض احسن طریقے سے سرانجام ہوا۔ میں بخلوص دل دعا گو ہوں۔ کہ اللہ ذوالجلال والاکرام عزیز کو تمام دین و دنیا کی نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ اور اس کے اہل و عیال کو دائمی خوشیوں سے مالا مال کرے۔ آمین

کتاب ہذا ایک انسانی تالیف ہے۔ بشری تقاضا ہے۔ بھول چوک ساتھ ساتھ ہے۔ قارئینِ اکرام جہاں کہیں بھی کتاب میں کوئی غلطی پائیں از راہِ کرم کمال شفقت سے نظرانداز فرمائیں۔

ماخذ کتاب ہذا

"معین الطالبین" کی تالیف کے سلسلے میں جن کتابوں سے میں نے استفادہ حاصل کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:-

۱- قرآن مجید فرقانِ حمید
۲- احادیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
۳- احیاء علوم الدین از امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ
۴- غنیۃ الطالبین از حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
۵- مسالک السالکین از مولوی مرزا محمد عبد الستار بیگ صاحب سہسرامی
۶- ملفوظاتِ رومیؒ از عبد الرشید تبسم
۷- رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
۸- فصوص الحکم از شیخ اکبر محی الدین محمدؒ
۹- رسالہ ضیائے حرم از پیر کرم شاہ صاحب
۱۰- رباعیاتِ عمر خیام
۱۱- رسالہ شیخ المشائخ - دہلی
۱۲- کشف المحجوب از المعروف حضرت داتا گنج بخش رہبر کامل علی ہجویریؒ
۱۳- سیرت کانفرنس سے چند اقتباسات -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دُعَا

"اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف اپنے نبیؐ پاک کے ذریعہ جو نبیؐ رحمت ہیں"
"اے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف کہ میری آنکھیں کھول دے"
اے اللہ شفاعت قبول فرما لے نبی علیہ السلام کی میرے بارے میں ۔

سوالی : محمد اشرف حمید صدیقی

کیسا انجام

مٹی کے پتلے تجھے زعم کس بات کا۔ تیرا دُنیا کی زندگی میں گم ہونا اور تیرا جاہ و جلال اور ثروت پہ اترانا کیسا؟ **ہوش کر**۔ اپنی اوقات پہچان اور حقیقت سمجھ اور روگردانی نہ کر اور عاجز بن۔ ایسا نہ ہو کہ تو سرکش گردانا جائے اور پھر....

پارہ ۳۰، سورۃ ۲، آیت ۳۷-۴۱

"وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بیشک جہنم اس کا ٹھکانہ ہے اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔"

احقر
محمد اشرف حمید صدیقی

جسے عشقِ شاہِ رسولاں نہیں ہے

مسلماں نہیں ہے مسلماں نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِک پیغام

نماز کی پابندی کرتے ہوئے
دُوسرے بھائیوں کے کام آیئے

اور

خدمتِ خلق میں اپنی زندگی کو
داؤ پر لگا دیجئے

یہی دینِ محمّدی اور
یہی رضائے الٰہی ہے

درخواست گذار محمد اشرف صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معین الطالبین

معہ

اورادِ چشتیہ

تالیف و تصنیف

صوفی صدر الدین چشتی صابری قادری
نقشبندی المتخلص حاذق لاہوری

ناشر

صاحبزادہ محمد ضیا

مکان نمبر ۲۷ اقبال سٹریٹ، سعدی پارک۔ لاہور